لا تلبسوا الحق بالباطل
مفکرِ اسلام رئیس المحققین مولانا ابوبکر غازیپوری کی قلمی جولانیوں کا مرقع
فتنہ غیر مقلدیت کے لئے تریاق کی حیثیت کا حامل
ارمغانِ حق
جلد اول
تالیف
رئیس المحققین، فخر المحدثین، مفکر اسلام
مولانا محمد ابوبکر غازیپوری
ناشر
مکتبہ اہلِ سنۃ والجماعۃ
پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ارمغانِ حق
مولانا محمد ابوبکر غازیپوری

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

مفکرِ اسلام رئیس المحققین مولانا ابوبکر غازیپوری کی قلمی جولانیوں کا مُرقّع
فتنہ غیر مقلدیت کے لئے تریاق کی حیثیت کا حامل

ارمغانِ حق

جلد اول

تالیف

رئیس المحققین، فخر المحدثین، مُفکر اسلام

مولانا محمد ابوبکر غازیپوری

ناشر

مکتبہ اہلِ سنۃ والجماعۃ

87۔ جنوبی لاہور روڈ سرگودھا فون 048-3881487

نام کتاب: ارمغانِ حق

مؤلف: علامہ محمد ابوبکر غازیپوری

جلد اول

کمپوزنگ: محمد مسلم فاروقی، محمد عمران صفدر

مطبع عکاظ پرنٹرز لاہور فون: 042-7574180

ناشر: مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ قاسمیہ اُردو بازار، لاہور

(۲) مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۳) مکتبہ حقانیہ، ملتان

(۴) مکتبہ مجیدیہ، ملتان

(۵) ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

(۶) قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی

(۷) مکتبہ عمر فاروق نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی

(۸) اظہر اسلامک کیسٹ سنٹر، رحیم یار خان

(۹) مکتبہ فاروقیہ محلہ جنگی، پشاور

(۱۰) دارالکتب صدر پلازہ محلہ جنگی، پشاور

فہرست

تقریظ

از صاحبزادہ گرامی مخدوم ومکرم مولانا رشید احمد صاحب مفتاحی

الحمد لله لاهله والصلوٰة علی اهلها وبعد

غیر مقلدیت ایک ایسا فتنہ ہے جس نے بیشتر مقامات پر لوگوں کو آزمائش اور پریشانی میں مبتلاء کر رکھا ہے اس جماعت کے لوگ جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں کی اچھی خاصی پرسکون فضا میں ہنگامہ اور شورش برپا کر دیتے ہیں اختلافی مسائل کو ہوا دے کر ماحول کو گرم کرنا اس جماعت کے بہت سے افراد کا خاص مشغلہ ہے، سب کے بارے میں تو یہ بات نہیں کہی جاسکتی لیکن ان کے اندر ایک بڑی تعداد اس ذہنیت کی ضرور ہے۔ اس فتنہ کا تعاقب مختلف زمانہ میں لوگ مختلف طریقہ پر کرتے رہے ہیں اور اس کے خطرہ سے لوگوں کو باخبر اور آگاہ کرتے رہے ہیں ہمارے اس دور میں اللہ جل شانہ نے برادر گرامی فاضل محترم مولانا ابوبکر غازی پوری بارک اللہ فی حیاتہ سے رد غیر مقلدیت کے سلسلہ میں بڑا عظیم الشان کام لیا ہے اور انہوں نے بڑے جرأتمندانہ طریقہ پر بڑھتے ہوئے اس سیلاب کا مقابلہ کیا ہے اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ کئی سال سے تن تنہا اس فتنہ کے سامنے سینہ سپر ہیں اور نہایت کامیابی سے اس محاذ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ مولانا نے اپنے رسالہ زمزم میں خطوط کے جواب کا ایک نہایت مفید سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی افادیت کے پیش نظر اب اس کو الگ سے کتابی شکل میں شائع کر رہے ہیں یہ کتاب عوام وخواص دونوں کے لیے انشاء اللہ مفید اور کارآمد ثابت ہوگی اور اس سے مذہب حنفی کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی۔ آخر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبول عام عطاء فرمائے اور اس کو عوام وخواص دونوں کے حق میں مفید اور نافع بنائے آمین۔

رشید احمد الاعظمی

۱۴/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

مقدمہ

از قلم مولانا ڈاکٹر مسعود صاحب قاسمی نائب مدیر مجلّہ الماثر مئو

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سیدنا الانبیاء والمرسلین وعلی الہ و اصحابہ والغر المیامین ومن تبعھن باحسان الی یوم الدین اما بعد.

اسلام ایک ایسا کامل ومکمل اور ہمہ گیر مذہب ہے جو پوری انسانیت کے لیے پیغام رشد وہدایت اور قیامت تک پیش آنے والے مسائل کے لیے مشعل راہ ہے اور روشنی کا مینار ہے قرآن کریم اور احادیث نبویہ اسلامی قانون اور احکام وتعلیمات کے بنیادی سرچشمے ہیں جو مسائل ان دونوں سرچشموں کی طرف رجوع کرنے کے بعد بھی لاینحل رہتے ہوں ان کے حل کا طریقہ خود حدیث نبوی میں بتادیا گیا ہے جس کی روشنی میں تا قیام قیامت ہر مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے اور اس کو روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول اور عمل کو نہایت اہتمام اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے بعد کے لوگوں تک پہنچایا، انہوں نے اس ارشاد نبوی پر پوری طرح عمل کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلیبلغ الشاہد الغائب اور یہ بھی فرمایا ہے کہ رب مبلغ اوعی من سامع حتی کہ صحابہ کرام نے کتمان علم کے خوف سے بعض ایسی حدیثیں بھی بیان فرمائیں جن کو عام لوگوں تک پہنچانے سے آپ نے کسی مصلحت کی بناپر منع فرمایا تھا اس تعلیم وتبلیغ کی برکت سے حدیث کے دواوین اور کتابوں کا وہ عظیم الشان ذخیرہ وجود میں آیا جن سے آج دنیا کے بڑے بڑے کتب خانے

معمور ہیں۔

اسلامی فتوحات کا جب سلسلہ شروع ہوا، تو اس کے ساتھ مذہب اسلام اور اسلامی تعلیمات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا صحابہ کرام اور ان کے متبعین جہاں کہیں گئے قرآن وسنت کی دولت ساتھ لے کر گئے جن قوموں سے ان کا سابعہ پڑا ان کو اس دولت کی قدر قیمت سے روشناس کرایا اور اسکی تعلیم کو مفتوحہ ممالک کے گوشے گوشے میں پہنچایا اس طرح وہ امانت جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی بعینہ بعد والوں کے حوالے کردی جن صحابہ کرام نے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا ان کی صحیح تعداد کا اندازہ بھی مشکل ہے انہوں نے حضورﷺ کو کچھ ارشاد فرماتے ہوئے اور جس طرح عمل کرتے ہوئے دیکھا اس طرح بیان فرمایا گویا لوگوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ومبارکہ کا آئینہ رکھ دیا۔

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرسری مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقے سے انجام دیا ہے چنانچہ ایک عمل کسی صحابیؓ نے ایک طرح ادا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو انہوں نے اسی طرح بیان کر دیا اور وہی عمل کسی دوسرے صحابی نے کسی اور طرح ادا کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنے دیکھے ہوئے طریقے کے مطابق بیان کیا اسی طرح صحابہ کے یہ بیانات یا حدیثیں اپنے اپنے واسطوں سے سلسلہ بعد کے لوگوں تک پہنچیں تو لوگوں نے ان پر اپنے اپنے عمل کی بنیاد رکھی۔

ائمہ اربعہ کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے مسائل کے استنباط واستخراج کے اصول ار وضابطے بنائے ان کے یہ اصول بھی کتاب وسنت کی روشنی میں وضع کئے گئے تھے کہ ان حضرات ائمہ کے اصول میں اختلاف ہونا ایک فطری بات تھی اس کے نتیجے میں استخراج

مسائل میں بھی اختلاف پایا گیا، اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھی جاسکتی ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے مسئلے کی بنیاد شریعت کے اصل پر ہے ان کا کوئی بھی مسئلہ اصل شریعت سے خارج نہیں ہے مگر ان کے درمیان جو کچھ اختلاف ہے ضابطے اور قاعدے اور زیادہ وضح لفظوں میں نقطہ نظر کا اختلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنباط مسائل کے جو فقہی مذاہب عالم وجود میں آئے ہیں اگر ان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آئے گی کہ ان تمام مذاہب میں حنفی مکتب فکر اپنے اندر سب سے زیادہ توازن اور اعتدال رکھتا ہے مزید یہ معلوم ہوگا کہ کسی مسئلے کے متعلق اگر متعدد دلائل ہوں تو فقہائے احناف کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسی صورت نکالی جائے جس میں ہر دلیل پر عمل ہو جائے اور کسی بھی دلیل کا رد یا اس سے صرف نظر لازم نہ آئے حتی کہ حدیث تو بڑی بات ہے آثار صحابہ تک کو احناف نظرانداز نہیں کرتے اور استنباط مسائل میں ان سے کام لیتے رہتے ہیں۔

مذہب حنفی میں تعصب یا جمود نہیں اور نہ امام ابو حنیفہ کی رائے اس میں آخری اور حتمی رائے سمجھی جاتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو بہت سے ایسے مسائل سامنے آئیں گے جن کے اندر امام اعظم ابو حنیفہ کے قول کو ترک کر کے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو اختیار کیا گیا ہے اور اس پر فتویٰ دیا گیا ہے اس کی وجہ سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ فقہاء احناف اسی قول اور مذہب کو اختیار کرتے ہیں جو اقرب الی الدلیل ہوتا ہے۔

اہل اسلام میں جو چار فقہی مذاہب رائج ہیں ان میں سے ہر ایک کے برحق ہونے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ان کے مابین مسائل کا جو اختلاف ہے وہ نطقہ نظر اصول استنباط اور دلائل کے اختلاف کی وجہ سے ہے باہمی اختلاف کے باوجود یہ چاروں مذاہب ایک دوسرے کو برحق سمجھتے ہیں ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں کسی کو گمراہ

نہیں قرار دیتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ہاں اپنے مسلک کو راجح ثابت کرنے کے لیے اپنے دلائل تقویت کے درپے ضرور رہتے ہیں مگر اس طرح نہیں کہ دوسرے کا استخفاف اور توہین لازم آئے۔

مگر کچھ عرصہ سے ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا ہے جس کا کام عمل بالحدیث کے نام پر غلط فہمی پھیلانا ہے اور دوسرے مذاہب کو ناحق اور ان کے ماننے والوں کو گمراہ قرار دینا ہے بالخصوص مذہب حنفی اس کی نگاہ کرم کا مرکز خاص رہا ہے اور اس کے طعن و تشنیع اور ہفوات کا ہمیشہ نشانہ بنا ہے رفتہ رفتہ یہ حلقہ بگوشان اسلام کے لئے ایک شدید فتنہ بن گیا شروع میں تو علما دین نے اس پر کما حقہ توجہ نہ دی اور بعض حضرات کو اس مصیبت کا احساس بھی ہوا تو انہوں نے مدافعانہ رویہ اختیار کر کے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے، اور دلائل کی روشنی میں اپنے مسلک کا رجحان اور غیر مقلدین کی غلطی ثابت کی مگر جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا گیا، اس کی شدت اور شرانگیزی میں اضافہ ہوتا گیا تا کہ آنکہ یہ فرقہ عام مسلمانوں کے لیے آزمائش اور دردسر بن گیا اور پرسکون ماحول میں لوگوں کا سانس لینا مشکل ہوگیا ہر کسے را بہر کارے ساختند'' مشہور مقولہ ہے اللہ تعالی نے اس دور آخر میں مخدوم مکرم فاضل محترم مولانا محمد ابو بکر صاحب غازی پوری زاد مجدہ وفضلہ، اس منہ زور فتنے کو لگام دینے کا کام لیا ہے انہوں نے اس کی حقیقت کو جس طرح بے نقاب کیا ہے اس سے صف غیر مقلدیت میں یاس وقنوط کا ماحول طاری ہوگیا ہے اور ان کو اپنا مستقبل تاریک اور بے رونق نظر آنے لگا ہے۔

مولانا مدظلہ کی متعدد تصانیف اس موضوع پر اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں انہوں نے غیر مقلدیت کا جس انداز سے تعاقب کیا ہے اس سے دنیائے سلفیت میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اس موضوع پر ان کی تصانیف نہ صرف

ہندوستان میں بلکہ بیرون ملک بھی کافی مشہور ومقبول ہیں، اور اس سے عام مسلمانوں کو سکون واطمینان کی فضا میں سانس لینا نصیب ہوا ہے۔

مولانا نے اس محاذ پر خود کو جس طرح وقف کر دیا ہے وہ اپنی اپنی مثال آپ ہے ہماری نظر میں کم از کم ہندوستان میں ان کا اس میں کوئی ثانی نہیں ہے انہوں نے اردو میں اور عربی میں متعدد تصنیف کرنے کے بعد ایک جرائمندانہ قدم یہ اٹھایا ہے کہ عام افراد تک اپنی بات پہنچانے کے لیے دو ماہی رسالہ نکالنے کا فیصلہ کیا رسالہ نکالنا بہت مشکل کام ہوتا ہے مگر مولانا نے زمزم، کے نام سے اس کو نکال کر اور اس کی ضروریات کو تن تنہا پوری کر کے اس مشکل کو آسان کر دکھایا ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ از تو ایں آید و مرداں چنیں کنند۔

زمزم:

کو پی جائے تو اس کے لیے تو اس کا ایک ایک قطرہ مفید اور آسودہ کر دینے والا ہے مگر اس کا مفید ترین حصہ وہ سلسلہ مضامین ہے جو کسی خط کے جواب میں سپرد قلم کیا جاتا ہے مولانا موصوف کی خدمت میں یہ جو خطوط روانہ کئے جاتے ہیں تھے وہ سب کسی نہ کسی معرکتہ آلا راؤ اور سلگتے ہوئے موضوع سے تعلق رکھتے تھے اور مولانا نہایت علمی انداز میں تشفی بخش اور سیر حاصل جواب تحریر فرماتے تھے ان کا یہ انداز تحریر بہت عمدہ شیریں اور دلنشیں ہوتا ہے صرف کار آمد اور مفید باتیں ہوتی ہیں دور از کار اور غیر متعلق باتوں کا اس میں دخل نہیں ہوتا ہے۔

اب مولانا موصوف نے ان تمام جوابات کو یکجا کر کے باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کرنے کا اردہ فرمایا ہے اور امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف عوام کی افادیت بلکہ اہل علم کے لئے بھی خاصی دلچسپی کی چیز ہوگی، اور اس سے رد غیر مقلدیت اور دفاع حنیفت کے لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہوگا. حقیقت یہ ہے کہ مولانا ابوبکر صاحب مدظلہ نہ صرف احناف بلکہ مذاہب اربعہ کے ماننے والوں کی طر

ف سے بھی شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں اللہ تعالی ان کی عمر کو دارز فرمائے اور ہم طلبہ کو ان کی شجاعت قلم سے مستفید ہونے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے اور ان کی تصنیفات وتالیفات کو اور زیادہ مفید ونافع بنائے آمین وماذالک علی اللہ بعزیز۔

مسعود احمد الاعظمی

۱۳ صفر ۱۴۲۵ھ　　۱۴ اپریل ۲۰۰۴ء

سلیفت ولا مذہبیت کے فسوں نے بہت سے ذہنوں کو خراب کیا، کتاب وسنت کا نام لینے والے ان فریبیوں نے کم علم لوگوں و جاہلوں کو اکابر و اسلاف کے راستہ سے گمراہ کیا اللہ والوں کی شان میں گستاخیاں کرنا تحقیق قرار پایا، ائمہ وفقہ وحدیث حتی کہ صحابہ کرام و خلفائے راشدین تک کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، امت نے تقلید ائمہ کو بالاجماع قبول کیا اور اسی راہ سے مسلمانوں نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کی، اس تقلید کو لا مذہبوں کے ٹولہ نے شرک قرار دیا ،یعنی وہ تمام لوگ مشرک بنادیئے گئے جنہوں نے ائمہ متبوعین میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی،

ائمہ اربعہ کے زمانہ سے لے کر آج تک جتنے فقہاء، ومحدثین گذرے ہیں، جتنے صوفیائے کرام اور مجاہدین اسلام گذرے ہیں، جتنے قراء وحفاظ گذرے ہیں، جتنے علماء و اصحاب دعوت وعزیمت گزرے ہیں ان میں ننانوے فی صد سے زیادہ مقلد ہی تھے، یہ سب کے سب معاذ اللہ ان لا مذہبوں کے نزدیک تقلید ائمہ کی وجہ سے مشرک وگمراہ تھے اور آج کے یہ بالشیتے اہل توحید واہل حق ہیں۔ آج کا ایاز اپنی قدر پہچاننے سے بھی محروم رہا۔

غیر مقلدوں نے اسلام کی تاریخ پر جیسا جارحانہ وکھلا حملہ کیا ہے اس کی ہمت اسلام کے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی نہ ہوسکی ، اگر غیر مقلدوں کی بات سچی ہے کہ تقلید شرک وگمراہی ہے تو پھر غیر مقلدوں کے سوا پوری امت گمراہ قرار پاتی ہے۔

انہیں پر خود غلط قسم کے لوگوں کی گمراہیوں اور ان کی کج فکریوں سے عوام کو آگاہ کر نے کے لیے زمزم مجلّہ کا اجرا ہوا تھا، الحمد للہ چھ سال کے عرصہ تک زمزم نے نہایت استقامت کے ساتھ اپنی دعوت کو جاری رکھا اور عوام ہی نے نہیں بلکہ اہل علم نے بھی زمزم میں شائع ہونے والی تحریروں کو قدر نگاہ سے دیکھا اور اس کے کام کو سراہا۔

زمزم کے اجراء کے دو تین شماروں کے بعد ہی سے سوالات کے خطوط آنے لگے تھے یہ سوالات زیادہ تر غیر مقلدیت اور اس کے ذریعہ حنفی فقہ کے بارے میں پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کے بارے میں تھے جن کا جواب حسب موقع کبھی تفصیل اور کبھی اختصار سے دیا جاتا رہا الحمد للہ ان جوابات سے لوگوں کو کافی فائدہ پہنچا اور جو شکوک وشبہات تھے وہ رفع ہوئے اہل علم نے بھی ان جوابات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا، بہت سے احباب کی خواہش تھی بلکہ بااصرار ان کا تقاضا تھا کہ ان سوالات وجوابات کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے ان کی خواہش کے احترام میں ان سوالات وجوبات کا ایک حصہ شائع کیا جارہا ہے انشاللہ اس کا دوسرا حصہ بھی شائع ہوگا مگر ذرا دیر بعد۔

ہمیں توقع ہے کہ جوابات کا یہ مجموعہ غیر مقلدوں کی پھیلائی ہوئی بہت سی گمراہیوں کے لیے تریاق ہوگا، اور اہلسنت والجماعت اور تمام اہل حق کے لیے ایک بہترین علمی تحفہ ثابت ہوگا، اسی مناسبت سے ہم نے اس مجموعہ کا نام ارمغان حق رکھا ہے چونکہ بیشتر جوابات قلم برداشتہ اور ایک ہی یاد داشتوں میں لکھے گئے ہیں اس وجہ سے کمی اور کوتاہی کا واقع ہونا عین ممکن ہے بنابریں اپنے بزرگوں اور اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر ان کو اس مجموعہ کی تحریروں میں کہیں کوئی سقم یا غلطی نظر آئے تو براہ کرم ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کا تدارک کیا جاسکے۔

آخیر میں میں عزیزم ڈاکٹر مولانا مسعود قاسمی سلمہ اللہ نائب مدیر مجلّہ الماثر مئو کا

صمیم قلب سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود میری خواہش پر اس کتاب کے لیے ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی اہمیت بڑھی اور اس کی زینت میں اضافہ ہوا نیز میں صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا رشید احمد مفتاحی خلف الرشید محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عظمی کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے بارے میں اپنی گرانقدر رائے ظاہر فرما کر مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائی اور کتاب کی قیمت کو دو چند کیا، پھر میں ان تمام حضرات کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے کتاب طبع ہونے سے پہلے ہی گراں قدر رقوم عنایت فرما کر کتاب کی طباعت کے دشوار گزار مرحلہ کو میرے لیے آسان بنادیا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

۲۲ صفر ۱۴۲۵ھ

محمد ابوبکر غازی پوری

قرأت خلف الامام کا مسئلہ
اور حنفی مذہب

مکرمی حضرت والا   سلام مسنون

خدا کرے مزاج بخیر ہو۔ زمزم کا مطالعہ پابندی سے جاری ہے ہر شمارہ نظر کشا اور افزونی بصیرت کا باعث ہوتا ہے آپ کی تحریر و تحقیق سے شبہات ختم ہو جاتے ہیں اور قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے کئی ایسے مسائل تھے جو قلب کو مشوش کئے ہوئے تھے، زمزم اور آپ کی کتابوں نے شبہات کو کافور کر دیا ہے وللہ الحمد۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بخاری شریف میں جو کچھ فرمایا ہے آپ سے مخفی نہ ہوگا، اگر آپ امام بخاری کی باتوں کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر کچھ تحریر فرما دیں تو قرأت خلف الامام کے مسئلہ کے بہت سے گوشے پر بھی روشنی پڑ جائے گی اور غیر مقلدین امام بخاری کا نام لے کو جو دوسروں کو ورغلاتے ہیں اس کا بھی تدارک ہوا گا۔   والسلام

نیاز محمد، محمد حسین قاسمی

مظفرپوری وارد حال احمد نگر مہاراشٹرا

زمزم: زمزم کے اجرا کا ایک بڑا مقصد یہی تھا کہ غیر مقلدین نے عوام اور کچھ خواص کے ذہنوں میں جو شبہات کے بیج بوئے ہیں انہیں ختم کیا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میں زمزم

کامیاب رہا۔اور بزعم خود اتحادیوں اور متورین اور ضدی طبائع کو چھوڑ کر زمزم میں ہونے والی تحریروں کو ہر شخص نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔اگر جہل و ناواقفیت کی بنیاد پر کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کی اصلاح ممکن ہے لیکن عصبیت اور ضد اور قصد و ارادہ کے ساتھ جو غلط راستہ پر چل رہا ہے اس کا علاج ناممکن ہے اس کی ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی چاہے تو ایسے شخص کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

موجودہ غیر مقلدین کا طبقہ اسی دوسری نوع کا ہے اس لیے ان کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ واقعی جو اصل حقیقت تک پہونچنا چاہتے ہیں ان کے لیے زمزم اپنی استطاعت بھر کوشاں ہے اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور سچی راہ پر قائم رکھے۔

قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں احناف کا جو مذہب ہے وہ ایسے ٹھوس حقائق اور کتاب وسنت اور آثار صحابہ و تابعین کی ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے جس کو کوئی شخص اپنی لن ترانیوں سے اور امام بخاری کا نام لے کر متزلزل نہیں کرسکتا آپ نے چونکہ اپنے خط میں امام بخاری کا نام لیا ہے اور صحیح بخاری میں ان کی جو تحقیق ہے اس کا ذکر کیا ہے اس وجہ سے میں اپنی گفتگو کا آغاز امام بخاری اور ان کی کتاب بخاری شریف ہی سے کرتا ہوں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری بخاری شریف میں کہیں نہیں کہا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب اور فرض ہے اور نہ اس بات پر کسی حدیث سے استدلال کیا ہے اور نہ اپنی پوری کتاب میں کوئی بھی ایسی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ صراحت ہو کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ کے لیے جو باب قائم کیا ہے اس کا عنوان یہ ہے۔

((بـاب وجـوب القرأة للامام والماموم في الصلوة كلها في الحضر

والسفر وما يجهر فيها وما يخافت .

اسکا ترجمہ یہ ہے۔

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ تمام جہری و سری نمازوں میں حضر اور سفر کی نمازوں میں امام اور مقتدی کے لیے قرآن کا پڑھنا واجب ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ حضرت امام بخاری نے نمازوں میں مقتدی کے لیے متعین طور پر فاتحہ کے پڑھنے کو واجب نہیں بتلایا ہے بلکہ مطلق قرآن پڑھنے کو خواہ سورہ فاتحہ ہو یا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کا کوئی اور حصہ ہو، اس کو واجب بتلایا ہے اور اس باب کے تحت جو حدیثیں ذکر کی ہیں ان سے اپنے اسی مقصود پر روشنی ڈالی ہے۔

اس باب کے تحت امام بخاری نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں پہلی حدیث حضرت جابر بن سمرہ کی ہے جس کا باب سے متعلق حصہ یہ ہے۔

قال شكا اهل الكوفة سعد الى عمر رضى الله عنه فعزله واستعمل عليهم عمارافشكو انه لايحسن يصلى فارسل اليه فقال يا اباسحق ان هؤلاء يزعمون انك لاتحسن تصلى ، قال :اما انا والله نى كنت اصلى بهم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم مااخرم عنهما اصلى صلوةالعشاء فاركدنى دى الاوليين واخف فى الا خرين قال ذالك الظن بك يا ابا اسحٰق الخ

حضرت بابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد کی شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا اہل کوفہ نے حضرت سعد کی یہ شکایت کی تھی کہ وہ اچھی طرح نماز پڑھانا نہیں جانتے ہیں حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کے پاس آدمی بھیج کر ان کو بلایا اور ان

سے کہا کہ یہ اہل کوفہ کہتے ہی کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے ہو، تو حضرت سعد نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاتا ہوں، اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا، ان کو عشاء کی نماز پڑھاتا ہوں تو پہلی دونوں رکعتوں کو طویل کرتا ہوں اور دوسری دونوں رکعتوں کا ہلکا پڑھاتا ہوں حضرت عمرؓ نے ان کی بات سن کر ان سے فرمایا آپ کے بارے میں ہمارا یہی خیال ہے۔

اس روایت میں آپ غور فرمائیں کہ جو بات صراحت سے اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ امام کو عشاء کی نماز میں پہلی دو رکعتوں کو طویل کرنا چاہیے اور دوسری دو رکعتوں کو پہلی والی سے ہلکی پڑھانا چاہیے امام بخاری نے جو لمبا چوڑا باب باندھا ہے اس کا اس حدیث میں کہیں دور دور صراحت سے ذکر تک نہیں ہے، فاتحہ قرأت خلف الامام کا تو اس حدیث میں کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے البتہ ضمنی طور پر ضرور یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کو چار رکعتوں میں قرأت کرنی چاہیے پہلی میں مختصرور دوسری میں ہلکی اور اسی سے امام بخاری کا یہ مقصد پورا ہورہا ہے کہ امام کو نماز میں قرأت کرنی واجب ہے۔ بہر حال اس حدیث پاک میں سورۃ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث یہ ہے۔

عن عبادہ بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب .

یعنی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے یہ ہی وہ حدیث ہے جس سے امام بخاری نے جو باب منعقد کیا ہے اس کے مضمون پر استدلال ہوسکتا ہے مگر ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ یہ حدیث قرأت خلف الامام کے ذکر سے بالکل خاموش ہے انشا اللہ آگے چل کر ہم اس پر تفصیلی

گفتگو کریں گے، پہلے اس باب کی ساری احادیث کو آپ ملاحظ فرمالیں۔

تیسری حدیث اس باب کے تحت امام بخاری نے یہ ذکر کی ہے۔

عن ابی هريرةً ان رسول الله صلى عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى فسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فرد فقال ارجع فصل فانک لم تصل :فرجع فصلى كماصلى ، ثم جاء فسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فقال ارجع فصل فانک لم تصل ثلا ثا ،فقال والذى بعثک بالحق مااحسن غيره فعلمنى فقال :اذاقمت الى الصلوة فكبرثم اقرأ ماتيسرک من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تعتدل قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا وافعل ذالک فى صلوتک كلها .

اس حدیث پاک کا ترجمہ یہ ہے:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے آپ کے پیچھے ایک شخص آیا اس نے آکر نماز پڑھی پھر آنحضور کو سلام کیا آپ نے اس کا جواب دیا اور پھر فرمایا جاؤ دوبارہ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی ہے اس نے دوبارہ اسی طرح کی نماز پڑھی جیسی پہلی دفعہ پڑھی تھی پھر اس نے آکر سلام کیا آپ نے پھر اس سے فرمایا جاؤ دوبارہ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی یہ قصہ تین بار پیش آیا تو اس آدمی نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز پڑھنا نہیں جانتا مجھے آپ نماز کی تعلیم فرمایئے ،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جب تم

نماز کے لیے کھڑے ہوتو اللہ اکبر کہوں پھر جو قرآن تمہیں یاد ہے اس کو پڑھو پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھا کر اس طرح کھڑے ہو کہ تمہارے اعضاء برابر ہو جائیں، پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر اطمینان سے بیٹھو اور پوری نماز اسی طرح اطمینان سے پڑھو۔

آپ اس ترجمہ میں غور فرمائیں کیا اس سے قرأت خلف الامام کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی واجب ہے یہ حدیث تو فی الاصل یہ بتلا رہی ہے کہ آدمی کو سکون واطمینان سے نماز پڑھنی چاہیے نماز پڑھنے کی کیفیت اٹھ بیٹھ کی نہ ہونی چاہیے اور دوسری بات جو اس حدیث سے بالکل ظاہر طور پر ثابت ہو رہی ہے وہ یہ کہ مصلی کو سورہ فاتحہ پڑھنی ہی واجب نہیں بلکہ قرآن کا جو حصہ بھی پڑھ لیا جائے گا اس سے نماز کی فرضیت ادا ہو جاگی یعنی نماز میں مطلق قرأت کا وجوب ثابت ہو رہا ہے جیسا کہ امام بخاری نے باب باندھا ہے نہ کہ مقتدی کے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کا تو اس حدیث پاک میں کہیں دور دور تک ذکر بھی نہیں ہے۔

امام بخاری نے مذکورہ بالا باب کے تحت یہی تین حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے دو کا سرے سے اصل مسئلہ قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ ایک حدیث جو اس باب کی دوسری حدیث ہے اسی کو لے کر غیر مقلدین اچھل کود مچائے رہتے ہیں اس لیے اس پر کچھ تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

تو عرض ہے کہ اگر اس حدیث پاک سے امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ صراحت سے ثابت ہوتا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو ضرور ذکر کرتے مگر انہوں نے اپنے باب میں کہیں سورۃ فاتحہ کا نام بھی نہیں لیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ (امام بخاری کو خود قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرنے

میں تردد ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اس حدیث کو نماز میں مطلق قرآن پڑھنے کے وجوب پر استدلال کرنے کے لیے لائے ہیں نہ کہ خاص سورۃ فاتحہ پڑھنے کو مقتدی کی نماز میں وجوب بتلانے کے لئے۔ تعجب ہے کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کوئی یہ ہمت نہ ہو سکی کہ اس حدیث سے قرأت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کریں تو غیر مقلدین کو ہمت کیونکر ہوئی؟

جو لوگ اس حدیث سے قرأت خلف الامام پر استدلال کرتے ہیں وہ اپنے اجتہاد سے یہ بتلاتے ہیں کہ لاصلوٰۃ لمن، میں من کلمہ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے اس میں مقتدی بھی آ گیا، مطلب یہ ہوا کہ مقتدی پر بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی واجب ہے بلا اس کے اسکی نماز نہ ہوگی مگر یہ حدیث کی ان کی اپنی تشریح ہے نہ اس حدیث میں مقتدی کا ذکر ہے اور نہ امام کا نہ منفرد کا، اس وجہ سے اس حدیث میں مقتدی کو شامل کرنا محض اجتہادی بات ہوگی حدیث میں اس کی قطعا صراحت نہیں، اور اپنا مطلب حاصل کرنے سے پہلے ان کو ایک سخت مرحلہ طے کرنا ہوگا کلمہ من عربی ہر جگہ عموم کے لیے ہوتا ہے، خصوص میں اس کا استعمال عربی زبان میں نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں اگر وہ بھی یہ فرمائیں کہ اس حدیث سے مقتدی پر بھی فاتحہ کا ر [illegible] ب ثابت ہوتا ہے تو ہمیں ان کی بات تسلیم کرنے میں بہت تردد ہوگا اس لیے کہ ان کا بھی کہنا ان کا اجتہاد ہوگا، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ہیں نہ تبع تابعی ان کا زمانہ صحابہ کرامؓ کے بہت بعد کا ہے حضرت امام بخاری نے نہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی نہ کسی صحابی کے پیچھے اور نہ کسی تابعی کے پیچھے وہ قرون مشہود لہا بالخیر کے آدمی نہیں ہیں اس لیے ہمیں امام بخاری سے نظر ہٹا کر یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ کرام جنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے

جنہوں نے حضور سے نماز کو سیکھا تھا۔ جن کو حضور کی معیت وصحبت حاصل رہی ہے وہ اس حدیث **لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** کا کیا مطلب بیان کرتے ہیں وہ جو مطلب بیان کرینگے وہ ہی صحیح ہوگا، اور وہی راجح ہوگا۔ امام بخاری یا کوئی دوسر محدث ان کے خلاف اس حدیث کا مطلب بیان کرتا ہے وہ مرجوح ہوگا اور صحابی کے مطلب کے مقابلہ میں وہ قابل رد ہوگا تو سنیئے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ پیش خدمت ہے حضرت امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اپنی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں۔

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی الله علیه وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفا تحه الکتاب اذا کان وحده واحتج بحدیث جابر بن عبدالله حیث قال من صلی رکعة لم یقرأفیها بام القراٰن فلم یصل الا ان یکون وراء الا مام قال احمدبن حبنل فهذا رجل من اصحا ب النبی صلی الله علیه وسلم تاویل قول النبی ﷺ لا صلوٰۃ لمن یقرأبفاتحة لکتا ب هذا اذا کان وحده ،

ترجمہ یعنی حضرت امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحه الکتاب** کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لیے جو تنہا نماز پڑھنے والا ہو ، اور حضرت امام احمد نے اس بارے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے حضرت جابر فرماتے ہیں جو شخص ایک رکعت بھی پڑھے اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس نے نماز نہیں پڑھی۔ الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، حضرت امام احمد نے کہا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں

انہوں نے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتاب کا یہ مطلب بتلایا ہے کہ یہ حدیث تنہا شخص کے لیے ہے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے لیے نہیں۔

آپ امام ترمذی رحمتہ اللہ کے اس پورے کلام میں غور فرمائیں کہ انہوں نے کتنی وضاحت سے حضرت جابرؓ کا یہ فرمان نقل کیا کہ **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب** کا تعلق مقتدی سے ہے ہی نہیں اس حدیث کا تعلق تنہا نماز پڑھنے والے سے ہے اور اس سے ہے جو امام کے پیچھے نہ ہو اب اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امام بخاری نے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتاب کا یہی مطلب سمجھا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر بھی واجب ہے (اگر چہ بخاری شریف میں امام بخاری نے اس کیطرف اشارہ تک نہیں کیا جیسا کہ اس کو بیان کیا جا چکا ہے) تو بھی حضرت امام بخاری کے مقابلہ میں حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رسول کی بات زیادہ وزن دار اور زیادہ قابل قبول ہوگی۔

اس لیے کہ حضرت امام بخاری کو یہ شرف حاصل نہیں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہے یا کسی صحابی کے پیچھے نماز پڑھی ہے انہوں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ نماز کو سیکھا ہے نہ کسی صحابی کے پیچھے نماز پڑھ کر دور صحابہ کی نماز کا براہ راست مطالعہ کیا ہے، اس لیے انہوں نے لاصلوٰۃ والی حدیث اگر یہی مطلب سمجھا ہے کہ اس کا تعلق مقتدی سے ہے تو یہ ان کی اپنی فہم اور اپنا اجتہاد ہے جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پاک کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے تو انہوں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مشاہدہ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے انہوں نے نماز پڑھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر انہوں نے نماز سیکھی ہے ان کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قتدا میں کسی طرح نماز پڑھ تھے ان وجوہ کی بنا پر ہر صاحب عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ کسی اور محدث کے مقابلہ میں

حضرت جابر نے حدیث پاک لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ زیادہ قابل قبول ہے اور اس کی روشنی میں وہ مقتدی کے لیے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کو جائز نہیں رکھے گا جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور بعض دیگر ائمہ مثلا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر صحابی رسول کی روشنی میں مقتدی کے لیے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کا امام ترمذی نے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ کے بارے میں جو فرمان نقل کیا ہے اس کی سند بالکل صحیح ہے خود امام ترمذی اس اثر کو نقل کر کے فرماتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح یعنی حضرت جابر بن عبداللہ والی یہ حدیث حسن صحیح ہے یعنی بالکل کھری سند سے حضرت جابر کا یہ اثر ثابت ہے اس لیے کوئی ضدی اور متعصب اس کو ضعیف کہہ کر رد نہیں کر سکتا۔

حاصل یہ کہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب والی حدیث پر حنفیہ کا بھی عمل ہے، انہوں نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ سر آنکھوں پر رکھا ہے البتہ انہوں نے اس کا مطلب وہ سمجھا ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تفسیر سے سمجھا جا رہا تھا،

انہوں نے امام بخاری کی یا کسی اور محدث کی اس بارے میں پیروی واقتداء نہیں کی ہے اب اگر اس کے بعد بھی اگر کوئی یہی رٹ لگائے رہتا ہے کہ احناف لاصلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحہ الکتاب والی حدیث پر عمل نہیں کرتے تو اس کی عقل پر ماتم کے سوا کچھ اور نہیں کیا جا سکتا بڑے تعجب کی بات ہے کہ اگر احناف لاصلوٰۃ والی حدیث پر صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ کی تفسیر و ایضاح کی روشنی میں عمل کریں تو قابل ملامت قرار پائیں اور ان پر جھوٹا الزام لگایا جائے کہ انہوں نے اس حدیث پاک کو چھوڑ دیا ہے اور اگر غیر مقلدین کسی محدث یا امام بخاری کے اجتہاد و استنباط کی روشنی میں اس حدیث پر عمل کریں تو ان کی تعریف ہو اور

حدیث پر عمل کرنے والے قرار پائیں مالکم کیف تحکمون ۔

حضرت جابر بن عبداللہ نے اس حدیث پاک کا جو مطلب بیان کیا ہے کہ اسکا تعلق مقتدی سے نہیں ہے اس کی تائید اجلائے صحابہ کرام اور بہت سے ارشادات نبویہ علی صاحبہا والسلام سے بھی ہوتی ہے مثلا امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت زید بن ثابت کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

قال عطا سالت زید بن ثابت عن القراۃ مع الامام فقال لا قرۃ مع الامام فی شئی ،

یعنی حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں سوال کیا تو حضرت زید نے فتویٰ دیا کہ امام کے ساتھ کچھ نہیں پڑھنا ہے۔

حضرت زید بن ثابت کی علمی وفقہی جلالت شان سے کون واقف نہیں ہے ان کا شمار اجلائے فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے ان کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو کچھ نہیں پڑھنا ہے اور یہی فتویٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی ہے امام بیہقی نے حضرت ابووائل سے نقل کیا ہے۔

ان رجلا سأل ابن مسعود عن القراۃ خلف الامام فقال انصت فان فی الصلوۃ شغلا وسیکفیک ذالک الامام .

یعنی ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فتویٰ دیا امام کے پیچھے تم خاموش رہو نماز میں مشغولیت ہوتی ہے اور تمہارے لیے امام کا پڑھنا ہی کافی ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے مقام ارفع سے کون ناواقف ہے ان

کے نزدیک بھی لاصلوٰۃ لمن لم یقرء کا وہ مطلب نہیں ہے جس کو لے کر غیر مقلدین سر اٹھائے رہتے ہیں ان کا فتویٰ بھی حضرت جابر بن عبداللہ کی تائید ہی میں ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظ فرمایا،

ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ جن کی تحقیقات پر غیر مقلدین کو بڑا ناز رہتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید کا فتویٰ نقل کر کے فرماتے ہیں:

وابن مسعو دوزید بن ثا بت هما فقيها اهل المد ينة واهل الكو فة من الصحا بة وفي كلا مهما تنبيه على ان الما نع انصا ته لقرأة الامام

(فتاویٰ ابن تیمیه ج ۲۳ ص ۲۷۵)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت ان صحابہ کرام میں سے ہیں کہ ان میں کا ایک اہل مدینہ کا فقیہ ہے اور ایک اہل کوفہ کا، ان دونوں کے کلام میں یہ تنبیہ ہے کہ قرأت نہ کرنے کی وجہ اور اس سے مانع یہ ہے کہ امام کی قرأت کو سننا اور خاموش رہنا مقتدی کا وظیفہ ہے، اور جو فتویٰ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا ہے وہی

حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ فتویٰ بھی بتلا رہا ہے کہ صحابہ کرام میں عام طور پر قرأت خلف الامام پر عمل نہیں تھا صحابہ کرام کا عام معمول یہی تھا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے اور **لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب** کا مطلب عام طور پر صحابہ کرام یہی سمجھتے تھے کہ اس کا تعلق منفرد سے ہے مقتدی سے نہیں اور صحابہ کرام کا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور ارشادات اور آپ کی رہنمائی کی روشنی میں تھا یہ مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام کے یہ فتاویٰ ان کے اجتہادات اور رائے پر مبنی ہوں، نماز تو دن رات میں کم از کم ہر صحابی پانچ مرتبہ باجماعت پڑھتا ہی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے پیچھے صحابہ کرام نماز پڑھا کرتے تھے اور مقتدی ہو اور وہ کیسے پڑھا کرتے تھے صحابہ کرام کے ان فتووں کی روشنی میں خوب اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین بلکہ بعد کے زمانہ میں بھی عام مسلمانوں کے نماز پڑھنے کا یہی طریقہ تھا وہ مقتدی ہوتے تو امام کے پیچھے وہ کچھ پڑھتے نہیں تھے خصوصاً جہری نمازوں میں ابن تیمیہ کی اس پر یہ شہادت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

ومعلوم ان النھی عن القرأ خلف الامام فی الجھر متواتر من الصحابة والتابعین ومن بعدھم

(فتاویٰ ج ۲۳ ص ۲۷)

یہ بات معلوم ہے کہ حالت جہر میں قرأت خلف الامام سے منع کرنا۔ صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگو سے متواتر ثابت ہے۔ سری نماز کا کیا حکم ہے ؟

افسوس نماز کا جو مسئلہ بقول ابن تیمیہ صحابہ کرام تابعین عظام اور ان کے بعد کے ادوار کے لوگوں سے بطور تواتر ثابت ہے غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں اور دوسروں پر طعنہ کستے ہیں اور جو امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتا اس کی نماز باطل قرار دیتے ہیں

اور لا صلوۃ لمن لم یقرأ والی حدیث کا وہ مطلب بیان کرتے ہیں جو ان صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے کسی نے نہیں سمجھا۔ جھوٹ 6

حضرات صحابہ کرام کا کوئی عمل جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اپنی رائے سے نہیں ہو سکتا اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوتی ہے حضرت جابر حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ فتویٰ کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنی ممنوع ہے اور لا صلوۃ لمن لم یقرأ والی حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور نص قرآنی پر مبنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں مسلم شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی یہ روایت ہے۔

قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلو تنا فقال اقیموا صفو فکم ثم لیئو م احد کم فااذا کبر فکبروا اذاقر افانصتوا الخ

یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ہمیں نماز کا طریقہ بتلایا اور ہمیں نماز سکھلائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو نماز میں صفیں سیدھی رکھو پھر تم میں کوئی امامت کرے اور جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

اس کی سند حضرت امام مسلم کے یہاں یہ ہے حدثنا اسحٰق بن ابراہیم اخبرنا جریر عن سلیمان التیمی عن قتادہ اس میں کا کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس پر کچھ کلام کیا جا سکے، حضرت امام مسلم کا اس روایت کو ذکر کرنا خود اس کے صحیح ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے اس روایت میں جس میں بطور خاص نماز ہی کے مسئلوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اور نماز کی سنت بیان فرمائی اس میں صاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے اذا قرء فانصتوا ؛امام

جب قرأت کرے تم خاموش رہو یہ روایت قرأت خلف امام کے بارے میں بلکل واضح اور صریح ہے، اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں ایسی صریح اور صحیح روایت کو چھوڑ کر

لا صلوۃ لمن لم یقرأوالی حدیث کی من مانی تاویل کر کے مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب بتلانا بڑی عجیب بات ہے۔

بالکل اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی ابن ماجہ اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں بھی ہے ابن ماجہ میں اس روایت کے جو الفاظ ہیں اس کا ابتدائی حصہ ناظرین ملاحظ فرمائیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم فاذا کبر فکبر واذا قرا فانصتوا الخ

یعنی ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام کو اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ کی اقتداء کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

یہ حدیث پاک بھی وضاحت سے قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر روشنی ڈال رہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش رہنے کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور امام کی اقتداء یہی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھے جیسا کہ حدیث کا پہلا جملہ بتلا رہا ہے۔

یہ حدیث بھی بالکل صحیح ہے خود امام مسلم نے اس حدیث کی صحت کی شہادت دی ہے ایک محدث ابو بکر بن اخت ابی النصر نے حضرت امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو حضرت امام مسلم نے فرمایا ھو عندی صحیح کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

جب خود حضرت ابو یرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرما رہے ہیں کہ

مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابوھریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کی مخالفت کریں گے اور امام قرأت کرے گا اور وہ بھی امام کے پیچھے پڑھیں گے ہم تو حضرت ابوھریرہ کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ابن تیمیہ نے اس بات پر کہ مقتدی کو امام کے پیچھے جب امام قرأت کرے تو کچھ پڑھنا نہیں چاہیے بلکہ خاموش رہنا چاہیے حضرت جابر کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کو ابن ماجہ اور بعض دوسرے محدثین نے بھی ذکر کیا ہے ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ہے۔

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كا
ن له امام فقراة الا مام له قرأة

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مصلی کا امام ہو اور نماز پڑھا رہا ہو تو امام کا پڑھنا ہی مقتدی کے لیے کافی ہے (امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے)

یہ حدیث بھی مسئلہ قرأت خلف الامام کے بارے میں فیصلہ کن ہے کہ مقتدی کا فریضہ امام کی قرأت سننا ہے نہ کہ امام کے پیچھے کچھ پڑھنا ہے اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور وقت حاضر کے سلیفوں کے امام محمد ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اس حدیث کی روشنی میں اور مضمون کی دوسری احادیث کی روشنی میں البانی کا بھی یہی مذھب ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے اس حدیث کے بارے میں البانی فرماتے ہیں:

ابن ابی شیبه والدار قطنی وابن ماجه والطحاوی واحمد
من طرق كثيرة مسندة ومرسلة وقواه شيخ الاسلام

ابن تیمیه کما فی الفروع لابن عبدالهادی وصحح بعض
طرقة البوصیری

(صفۃ الصلوٰۃ صہ ۷۰)

یعنی اس حدیث کو ابن ابی شیبہ دراقطنی ابن ماجہ طحاوی اور حضرت امام احمد بن حنبل بہت سی مسند سے مرسل سندوں سے اور ذکر کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جیسا کہ عبدالہادی کی فروع میں ہے اس حدیث کو قوی قرار دیا ہے اور امام بوصیری نے اس کی بعض سندوں کو صحیح کہا ہے۔

غرض اس حدیث کا انکار کرنا حقیقت کا منہ چڑھانا ہے اس حدیث کا مضمون یہی بتلا رہا ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ والی حدیث کا جو مطلب حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا ہے وہی مطلب صحیح ہے یعنی لاصلوٰۃ والی حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں اور کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف اس سے نہی آئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں زید بن اسلم سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ

نہی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن القرأة خلف الامام

ج ۱ ص ۱۳۹)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت خلف الامام سے منع فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین قرأت خلف الامام سے منع فرماتے تھے موسیٰ بن عقبہ سے زید بن اسلم نقل کرتے ہیں ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابو بکر وعمر وعثمان کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان قرأت خلف الامام سے منع کرتے تھے اور حضرت علی فرمایا کرتے تھے من قرأۃ خلف الامام

فلا صلوٰۃ لہ (ایضا) ؎

یعنی جو امام کے پیچھے قرأت کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی، اور حضرت علی کا بھی یہی ارشاد تھا کہ من قرا مع الا مام فلیس علی الفطرة یعنی امام کے ساتھ پڑھے گا وہ فطرت پر نہیں ہے یعنی وہ دین کی صحیح راہ پر نہیں ہے۔

غرض لاصلوٰۃ والی حدیث کو تمام مقتدی اور تمام مصلی کے لیے عام کر دینا جیسا کہ بعض محدثین نے اپنے اجتہاد سے یہی مطلب سمجھا ہے ان ارشادات نبوی اور ان آثار صحابہ کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

پھر لا صلو ۃ لمن لم یقرأ والی حدیث کا جو مطلب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے سے نہیں ہے بلکہ یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے تو اس کی تائید جس طرح ارشادات نبویہ سے ہوتی ہے اور دوسرے صحابہ کرام کے اثار اور فتویٰ سے ہوتی ہے خود قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے سورہ اعراف میں ارشاد ربانی ہے۔

واذا قرء القرآن فاستمعوله وانصتوا لعلکم ترحمون

یعنی جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت پاک بھی قرأت خلف الامام کے بارے میں نص قطعی ہے جب امام قرأت کرے تو مقتدی کا فریضہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کیا کچھ کہا ہے بطور اختصار اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اور ابن تیمیہ کے ساتھ غیر مقلدین کو جو تعلق خاص ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ہم اس آیت کے بارے میں ابن تیمیہ ہی کا کلام اپنے ناظرین کے سامنے پیش

کرتے ہیں ابن تیمیہ فرماتے ہیں؛

وقد استفاض عن السلف انها نزلت فی القرأة فی الصلوٰة

ج ۲۲ ص ۲۶۹)

یعنی سلف سے یہ بات بطور شہرت سے منقول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں اتری ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

فتبین ان الا ستما ع الی قراۃ القرآن امر دل علیه القرآن دلا لة قا طعة (فتاوی ج ۲۲ ص ۲۷۴)

یعنی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام کی قرأت کو کان لگا کر سننا وہ بات ہے جس پر قرآن کی قطعی دلیل قائم ہے۔

اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فان الا نصات الی قرأۃ القاری من تمام الا تمام به فان من قرأعلی قوم لا یستمعون لقرأته لم یکو ن مو تمین وھذا مما یبین حکمة سقو ط القراۃ علی الما موم

(فتاویٰ ج ۲۲ ص ۲۷۲)

یعنی امام کی قرأت کو خاموشی سے کان لگا کر سننے ہی سے امام کی پوری اقتداء ہوگی اسلئے کہ امام کی قرأت خاموشی سے سنتے نہیں ہیں اور پڑھتے رہتے ہیں وہ امام کی اقتداء کرنے والے ہوتے ہی نہیں اور اس سے مقتدی سے قرأت کے ساقط ہونے کی حکمت کا پتہ چلتا ہے آپ دیکھ رہے ہیں ابن تیمیہ اس آیت کریمہ کو اس بارے میں نص سمجھتے ہیں کہ مقتدی کا فریضہ امام کی قرأت کو کان لگا کر سننا ہے اور خاموش رہنا ہے ابن تیمیہ احادیث کی

روشنی میں فیصلہ فرماتے ہیں کہ جو امام کی قرأت کے وقت خاموش نہ رہے وہ امام کی پوری اقتداء کرنے والا نہ ہوگا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام کو اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور آپ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اس لیے امام کی صحیح اقتداء حدیث پاک کی روشنی میں یہی ہوگی کہ امام جب قرأت کرے تو خاموش رہو اور اس بات کی تاکید قرآن پاک بھی کر رہا ہے حاصل یہ ہے **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ** والی حدیث کا جو مطلب حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے

جمعہ تو درست ہے:

اس کی تائید قرآن پاک سے بھی ہو رہی ہے جب کہ لوگوں کے پاس جو نماز میں مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنے کا واجب قرار دیتے ہیں اور لاصلوٰۃ والی حدیث کو مقتدی اور منفرد جہری اور ساری نمازوں کے لیے عام کرتے ہیں ان کے اس عمل کی گواہی قران نہیں دیتا اور لاصلوٰۃ والی حدیث بھی ان کا مقصود بغیر اپنے اجتہاد یا رائے کو دخل دیتے ہوئے حاصل نہیں ہوتا۔

اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں جو لوگ مقتدی سے قرأت کی نفی کرتے ہیں ان لوگوں کے پاس جن میں احناف بھی ہیں کتنے ٹھوس اور مضبوط دلائل ہیں۔

(۱) ان کا عمل حضرت عبادہ والی حدیث پر بھی ہے، مگر حضرت جابر رضی اللہ تعالی کے ایضاح اور تفسیر کی روشنی میں۔

(۲) ان کا عمل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر بھی ہے جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت موسیٰ اشعری اور ابن ماجہ میں

حضرت جابر سے مروی ہے۔

(۳) ان کا عمل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے(۱)

واسقط عن الماموم سجود السهو بصحة صلاة الامام وخلوها من السهو وقراة الفاتحة فحمل الامام لها فهو يتحمل عن الماموم وسهو وقرأته وسترته فقراءة الامام وسترته قراة لمن خلفه وسترته (كتاب الروح ص ٢٢٢)

(۴) ان کا عمل حضرت زید بن ثابت کے اس فتویٰ پر بھی ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو کچھ پڑھنا نہیں جیسا کہ مسلم شریف میں مذکور ہے۔

(۵) ان کا عمل حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس فتویٰ پر بھی ہے کہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے تم مقتدی ہوکر خاموش رہو، امام کا پڑھنا تمہارے لیے کافی ہوگا۔

(۶) ان کا عمل خلفائے راشدین کے ارشادات کی روشنی میں بھی ہے کہ وہ قرأت خلف الامام سے منع کرتے تھے۔

(۷) اور پھر سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ انکا عمل قرآن مجید کی روشنی میں

---

(۱) غیر مقلدین کے دو بڑے امام ہیں ایک تو حافظ ابن تیمیہ اور دوسرے ان کے شاگرد حافظ ابن قیم ابن تیمیہ کے بارے میں تو ناظرین نے معلوم کرلیا کہ ان کا مذہب خاص طور پر جہری نماز میں مقتدی کو کچھ نہ پڑھنے کا ہے ابن قیم کا بھی مذہب معلوم کرلیں وہ کتاب الروح میں فرماتے ہیں، بقیہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مقتدی سے سجدہ سہو ساقط ہے اگر امام کی نماز صحیح ہے اور اسکوئی سہولاحق نہ ہو اور اسی طرح مقتدی سے سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی ساقط ہے اس لئے امام اس کی طرف سے اسکو پڑھتا ہے پس امام ہی مقتدی کے سہو کہ کفایت کرتا ہے اور اس کی قرات کی بھی اور اس کے سترہ کی بھی پس امام کی قرات اور اسکا سترہ مقتدی کی بھی

اوراس کی ہدایت کے مطابق ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور تم خاموشی سے سنتے رہو جس مذہب کی بنیاد ٹھوس اور کتاب وسنت اور آثار صحابہ کی ایسی مضبوط بنیاد پر ہے اس کے بارے میں یہ مخالفین نعرہ بلند کرتے ہیں کہ لوگ کتاب وسنت کے مخالف ہیں اس صریح جھوٹ اور باطل پروپیگنڈہ کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

خود ان حضرات کا عمل ملاحظہ فرمائیے تو اس مسئلہ میں قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سب کو چھوڑنے والے ہیں مگر اس کے باوجود ہی پکے اہلحدیث اور سلفی ہیں۔
قرات اور اسکا سترہ ہے ابن قیم نے تو سورۃ فاتحہ کا نام لیکر معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے،

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ کے خط کا جواب اختصار کی انتہائی کوشش کے باجود کچھ طویل ہو کر پورا ہو گیا، مگر چونکہ یہ مسئلہ غیر مقلدین کے نزدیک احناف کے خلاف خاص پروپیگنڈائی ہتھیار ہے اور وہ امام بخاری کی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ سے ناواقفوں کو دھوکا دیتے ہیں اس وجہ سے بخاری شریف کی اس حدیث کے بارے میں ایک بات اور صورت حال سے واقف کرانے کے لیے عرض کرنی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے یا جن محدثین نے حضرت عبادہ کی اس حدیث کو صرف اتنا نقل کیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب انہوں نے پوری حدیث نہیں نقل کی ہے۔

اگر یہ حضرات پوری حدیث نقل کر دیتے تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا اور

حدیث کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق کسی طرح سے بھی مقتدی سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق امام اور تنہا نماز پڑھنے والوں سے ہے پوری حدیث مسلم ابوداؤد اور نسائی میں ہے نسائی کی حدیث ملاحظہ ہو۔

اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبدالله معمر عن الزهری عن محمود بن الربیع عن عبادہ بن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحه الکتاب فصاعداً

امام نسائی فرماتے ہیں کہ جو مجھے سوید بن نصر نے خبر دی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن مبارک نے خبر دی ہے عبداللہ بن مبارک معمر سے روایت کرتے ہیں اور وہ زہری سے زہری محمود بن ربیع سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کہ نماز نہیں ہے جو سورۃ فاتحہ اور کچھ مزید نہ پڑھے اس حدیث میں خط کشیدہ لفظ کو امام بخاری اور بعض دوسرے محدثین نے ذکر نہیں کیا اور یہیں سے معاملہ الجھ گیا خط کشیدہ لفظ فصاعداً جس کا ترجمہ " کچھ مزید ہے"۔ اس کو ملا کر پوری حدیث نگاہ کے سامنے ہو تو پھر اس حدیث کا تعلق ان لوگوں کے نزدیک بھی مقتدی سے نہیں ہوگا جو قرأت خلف الامام کے قائل ہیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک صرف سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی ضروری ہے فصاعدا یعنی کچھ اور نہیں۔ حضرت امام مسلم نے بھی اس لفظ کی طرف توجہ دلائی وہ فرماتے ہیں۔

حدثناه اسحق بن ابراهیم وعبد بن حمید قالا اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهری بهذا الاسناد مثله وزاد فصاعداً

یعنی حضرت عبادہ بن صامت والی حدیث جو معمر کے طریق سے ہے اس میں

فصاعدا کا بھی لفظ ہے۔

حضرت امام مسلم کا اس روایت کو معمر کے طریق سے فصاعدا کی زیادتی کے ساتھ ذکر کرنا اس کے صحیح ہونے کی سند ہے اور یہی حدیث ابوداؤد میں حضرت سفیان بن عیینہ ل ء طریق سے ہے ابن عیینہ بھی اس کو فصاعداً کی زیادتی ہے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ابن عیینہ صاف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تنہا نماز پڑھنے والوں سے متعلق ہے ابن عیینہ جو خود زبردست محدث ہیں اور اس حدیث کے روای بھی ہیں اور محدثین کہتے ہیں کہ حدیث کا راوی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ سمجھتا ہے تو جب ابن عیینہ جو اس حدیث کے خود راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ھذا لمن صلی وحدہ یہ تنہا نماز پڑھنے والوں کے لیے ہے تو پھر کسی اور کو کیا حق ہے کہ وہ اس حدیث کو مقتدی کے لیے بھی کہے؟

بہر حال جب پوری حدیث فصاعدا کی زیادتی کے ساتھ ہے اور صحیح سند سے اس کا ثبوت ہے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتاب والی حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے، اور جن لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کو منع کیا ہے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حدیث ہے انہوں نے اس حدیث کو چھوڑا نہیں ہے، اس پر عمل کیا ہے البتہ اس کا مصداق منفرد اور امام کو بتلایا ہے مقتدی کو نہیں۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ پوری حدیث پر عمل کریں ان کو حدیث کا مخالف کہا جائے اور جو لوگ اس کے صرف ایک جزء پر توجہ دیں وہ پورے اہل حدیث کہلائیں میں نے اپنی اس تحریر میں مخالفین کے دلائل سے تعرض نہیں کیا ہے اس لیے پھر بات بہت طویل ہو جاتی ہے اور ایک پورے رسالہ کی تصنیف کی ضرورت ہوتی ہے، ہمیں تو یہاں صرف یہ دکھلانا تھا کہ قرأت خلف الامام کے بارے میں احناف کا جو مسلک ہے اس

کی بنیاد کتاب وسنت کی مضبوط بنیاد پر ہے اور امام بخاری نے جو لاصلوٰۃ والی روایت ذکر کی ہے وہ مقتدی کے حق میں نہیں اور الحمدللہ یہ مقصد کسی حد تک پورا ہو گیا ہے۔ محمد ابوبکر غازی پوری

مولانا محمد ابوبکر غازی پوری کی تازہ تصنیف عربی صور تنطق بما علیہ اللا مذھبیہ من المذھب والعقیدۃ۔ غیر مقلدین کے عقیدہ ومذہب جاننے کے لیے ایک دستاویزی کتاب بہترین کتابت وطباعت قیمت صرف ۲۰۰ روپے اہل علم ومدارس کے طلبہ کے لیے پچاس فی صد کی رعایت ڈاک خرچ بذمہ خریدار

آئینہ غیر مقلدیت کا تازہ ایڈیشن:

مولانا محمد ابوبکر غازیپوری صاحب کی مشہور وزلزلہ افگن عربی کتاب وقفۃ مع اللا مذھبیۃ کا سلیس اردو ترجمہ آئینہ غیر مقلدیت کے نام سے بہت مشہور ہوا اس کا تازہ دوسرا ایڈیشن شاندار ٹائیٹل بہترین کاغذ وطباعت کے کیساتھ شائع ہو چکا ہے۔

قیمت ۷۰ روپے صرف

رکعات تراویح کے بارے میں

مکرمی حضرت والا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گونڈہ شہر اور قرب وجوار میں غیر مقلدین کی بڑی تعداد ہے امسال رمضان کے موقع پر اپنی سابقہ روایت کے مطابق پھر تراویح کے مسئلہ کو بہت اچھالا آٹھ رکعت سنت اور بیس رکعت حضرت عمرؓ کی بدعت ہے ہونے کا خوب شور مچایا۔

زمزم میں خطوط کے جوابات جو مفصل شائع ہو رہے ہیں ان سے بڑا نفع ہو رہا ہے تراویح کے بارے میں ایک مختصر سی تحریر لکھ دیں بخاری کا نام لے کر غیر مقلدین عوام کو گمراہ کرتے ہیں اس لیے بخاری کی آٹھ رکعت والی روایت کو سامنے رکھ کر تحریر لکھیں۔

والسلام

آپ کا ریاض الدین قاسمی گونڈہ

زمزم:

صحابہ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین میں سے کسی کے بارے میں زبان درازی کرنا نہایت خطرناک چیز ہے اہل سنت والجماعت کا یہ طریق نہیں ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں وہی زبان درازی کرے گا جس میں شیعیت کے جراثیم ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے کسی عمل کو بدعت قرار دینا اور اس بدعت سے مرا دوہی بدعت لینا جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے پرلے درجہ کی گمراہی ہے اور یہ خبط اعمال کا باعث ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی اقتداء اور پیروی کا حکم کتاب وسنت سے ثابت ہے اور خلفائے راشدین کے بارے میں یہ حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین بہت مشہور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میری اور خلفائے راشدین جواہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت کو لازم پکڑ واللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا تاکیدی حکم فرمایا ان کا کوئی عمل بدعت کیسے ہوگا؟ ار آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ہدایت یافتہ قرار دیں ان کو بدعتی قرار دینا صریح گمراہی نہیں تو اسے کیا کہا جائیگا؟

بخاری شریف میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فتنوں کے زمانے میں یہ حکم فرمایا تھا:

تلزم جماعة المسلمين واما مهم

یعنی تم مسلمانوں کی جماعت اوان کے امام سے چمٹے رہو جماعۃ المسلمین سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وقال قوم المراد بالجماعۃ الصحابۃ یعنی ایک قوم کا یہ کہنا ہے کہ جماعت سے مراد اس حدیث میں صحابہ کرام ہیں۔

فرقہ ناجیہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہچان بتلائی ہے وہ یہ ہے ما انا علیہ واصحابی، یعنی وہ جماعت ہے جو میرے طریقہ پر اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگی۔

صحابہ کرام کی شان مین بدگوئی کرنے والا ان کے طریقہ پر کیا ہوگا اور اس کا شمار نجات یافتہ جماعت میں کیسے ہوگا۔

سنت صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے خلفائے راشدین کے طور طریق کو بھی سنت فرمایا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ علماء کرام سنت کی تعریف میں خلفائے راشدین کے طور طریق کو بھی داخل کرتے ہیں حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

والسنة هی الطریق المسلول فیشمل ذالک التمسک بما کان علیه هو وخلفائه الرشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذاه هی السنة الکاملة

جامع العلوم والحکم ج۱ص۱۹۱)

یعنی سنت اس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے تو جو اعتقادات اعمال اور اقوال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے تھے ان سب کو مضبوطی سے تھام لینا یہ سب سنت میں شامل ہوگا۔ اور کامل سنت مفہوم یہی ہے۔

اگر خلفائے راشدین نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا تو مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ بھی سنت متبعہ ہے یعنی اس طریقہ کی بھی پیروی کی جائے گی، اور اس کا نام بھی سنت ہوگا فتح الباری میں ہے۔

فان کان من الخلفاء راشدین فهو سنة متبعة ص ۴۰۰ ج ۶)

یعنی اگر کوئی نیا عمل خلفائے راشدین نے جاری کیا ہے تو وہ بھی سنت ہوگا اور اس کی بھی پیروی کی جائے گی۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

ما جاء عن الخلفاء الراشیدین فهو من السنة :ایضاً

ج ۱۳ ص ۲۹

یعنی خلفائے راشدین سے جو ہمیں پہونچے وہ بھی سنت ہی ہے۔

عرض خلفائے راشدین کا قول عمل مستقل پیرا ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے ساتھ خلفائے راشدین کی بھی سنت پر عمل مستقل اور سنت ہے اور اہلسنت وہی قرار پائے گا جو کامل سنت پر عمل کرنے والا ہو۔

پھر خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خصوصیت مزید یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا نام لیکر ایک کی اقتداء کا امر فرمایا ہے آپ ﷺ کا یہ ارشاد احادیث کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔

لا ادری ما بقاء لی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی الله عنهما .

میں نہیں جانتا کہ تمہارے درمیان میرا رہنا کب تک ہے اسلیے میرا حکم ہے کہ میرے بعد تم لوگ ابو بکر اور عمر کو اقتداء کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں میں سمجھا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام اور خصوصا خلفائے راشدین اور بالخصوص حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا خدا اور رسول کے یہاں کیا مقام ہے۔

حیف ہے ان لوگوں پر جو صحابہ کرام کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں اور خلفائے راشدین کے عمل کو بدعت قرار دیتے ہیں اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی اقتداء اور پیروی جن کی جانوں پر شاق ہے۔

فرق وملل کی تاریخ جاننے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ گمراہی کی بہت بڑی جڑ صحابہ کرام سے سوء ظنی و بداعتقادی ہے اور ایسے لوگوں کو دنیا میں یہ عذاب دیا جاتا ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر بھی چلنے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہ ہم جماعت غیر مقلدین کا اسی مسئلہ تراویح کے بارے میں جائزہ لیتے

ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے اور ان پر بدعت کے ایجاد کا الزام لگا نے کی پاداش میں ان سے سنت پر عمل کرنے کی توفیق کیسے سلب کر لی گئی اور فہم دین سے محرومی ان کا مقدر کیسے بن گئی۔

(۱) ان حضرات نے ایک بات یہ گڑھی کہ تہجد اور صلوٰۃ تراویح میں کوئی فرق نہیں ہے جو نماز سال بھر تہجد کہلاتی ہے رمضان میں اسی نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یہ وہ بات ہے کہ ائمہ اربعہ میں اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور نہ یہ خیال صحابہ کرام کو کبھی آیا غیر مقلدین حضرات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول سے اور نہ صحابہ کرام میں سے کسی سے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر سکتے ہیں جو بات نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور نہ جس کے قائل صحابہ کرام ہوں اور نہ ائمہ متبوعین میں سے جسکا کوئی قائل ہو، غیر مقلدین اسی کو اپنا مذہب بنا ئے ہوئے ہیں۔

تراویح اور تہجد کو ایک بتلانا غیر مقلدین حضرات کا اجتہاد ہے یا شاذ قول کی پیروی ہے تہجد کی نماز تو خدا کے حکم سے مقرر ہوئی ہی تھی سورہ مزمل دیکھ لی جائے اور تراویح کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مشروع ہوا تھا آپ کا ارشاد مبارک ابن ماجہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا رمضان کا روزہ تو اللہ نے تم پر فرض کیا ہے وسنت لکم قیامہ اور رمضان المبارک کی تراویح کا عمل میں نے مسنون قرار دیا ہے پس جو لوگ تراویح اور تہجد کو ایک قرار دیتے ہیں وہ رسول اللہ کی حدیث اور اللہ کی کتاب دونوں کے فرمان کے نافرمان ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں تراویح کا باب الگ باندھا ہے اور تہجد کا باب الگ باندھا ہے اگر دونوں کو ایک ہی کہا جائے تو امام بخاری کو الگ الگ باب باندھنے اور دونوں بابوں میں الگ الگ احادیث لانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔

اگر تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہوتی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم زیادہ

ہونا چاہیے تھا، غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان المبارک میں تہجد پڑھنا الگ ثابت نہیں ہے اگر غیر مقلدین کی یہ بات درست ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آئی اور چودہویں صدی کے پرخطر دور میں یہ راز غیر مقلدین ہی پر کیوں کھلا، امام بخاری تو تراویح کی نماز کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے امام بخاری تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آتیں پڑھتے تھے اور پورے رمضان میں تراویح میں صرف ایک قرآن ختم کرتے تھے جبکہ تہجد کی نماز امام بخاری تنہا پڑھتے تھے اور تہجد میں ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

(مقدمہ فتح الباری)

غرض تہجد اور تراویح کو ایک کہنا غیر مقلیدین کا اس دور کا اجتہاد ہے یا کسی کے شاذ قول کی پیروی ہے، نہ اس کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور نہ حدیث رسول سے اور نہ ائمہ مجتہدین کے قول سے نہ اصحاب صحاح ستہ سے اور یہی وجہ ہے کہ نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے کا قول نہیں اختیار کیا۔

(۲) تراویح کے بارے میں غیر مقلدین کے مذھب کی پہلی اینٹ ہی کج تھی اور یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اس باب میں ان کے مذہب کی دیوار اونچی ہوتی گئی اس مذہب کی کجی مزید اونچی اور مزید نمایاں ہوتی چلی گئی مثلا انہوں نے یہ مذہب اختیار کیا کہ تراویح کی رکعت آٹھ ہے۔ اور اس پر تراویح والی نہیں تہجد والی حدیث سے استدلال کیا اور وہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ پوری حدیث یہ ہے۔

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه سئل عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی

احدی عشرۃ رکعۃ ۔

یعنی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی؟

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔

غیر مقلدین حضرات بس یہیں آکر رک گئے، حالانکہ یہ سوال کا جواب نہیں تھا سوال تو نماز کی کیفیت کے بارے میں تھا، ابھی کیفیت بیان نہیں کی گئی ہے، فکر غیر مقلدین حضرات گیارہ کا لفظ دیکھ کر اچھلنے کودنے لگے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ آغاز کلام تھا ابھی اصل جواب تو آگے آرہا ہے اور وہ اصل جواب جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو بیان کرتا ہے وہ یہ ہے۔

یصلی اربعا فلا تسال ثم یعلی اربعا فلا تسئا ئل من حسنهن وطولهن ثم یعلی ثلاثا عن حسنهن وطو لهن ۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت یہ تھی کہ آپ پہلے چار رکعت دا کرتے تھے اور تم ان کی خوبی اور ان کی لمبائی کے بارے میں مت پوچھ کہ کتنی خوب اور کتنی ہی ہوا کرتی تھی پھر آپ چار رکعت اسی طرح کی پڑھا کرتے تھے پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔

اب آپ ذرا غیر مقلدین کی فہم دیکھئے انہوں نے حضرت عائشہ کی حدیث میں جو آغاز کلام تھا اس کو مذہب بنالیا اور حضرت عائشہ کا کیفیت صلوٰۃ کے بارے میں جو اصل سوال کا اصل جواب تھا اس سے صرف نظر کرلیا، عدد جس کا سوال میں کوئی ذکر نہیں تھا اس کو تو مذہب بنالیا اور حدیث میں کیفیت کا جو بیان ہے اس سے آنکھیں پھیر لیں، اب کوئی

غیر مقلدین کی تراویح پڑھنے کی کیفیت ملاحظہ فرمائے تو وہ دو دو رکعت کر کے آٹھ رکعت پوری کرتے ہیں، اور کبھی وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں یعنی نو رکعتوں پر ان کی تراویح پوری ہو جاتی ہے، سبحان اللہ یہ ہے ان کا حدیث پر عمل، اس حدیث میں چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور وتر تین رکعت، اور یہ دو دو رکعت پڑھ کر اور ایک رکعت وتر پڑھ کر اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم نے سنت کے مطابق تراویح کی نماز ادا کی۔

پھر اس حدیث میں چار چار رکعتیں طویل طویل پڑھنے کا ذکر ہے اور اس طویل رکعتوں کی مقدار کیا ہوا کرتی تھی تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

قد ثبت فی الصحیح من حذیفة انه کان یقرأفی الرکعة بالبقرة والنساء وآل عمران (فتاویٰ جلد ۲۳ ص ۱۱۳)

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں ایک رکعت میں سورہ بقرہ سورہ نساء اور سورہ آل عمران پڑھا کرتے تھے۔

یعنی تہجد میں آپ ﷺ کی ایک ایک رکعت اتنی طویل ہوا کرتی تھی، ذرا قرآن کھولئے ان تینوں سورتوں کو ملاحظہ فرمائیے تقریباً سوا پانچ پاروں میں یہ تینوں سورتیں پوری ہوتی ہیں، اگر غیر مقلدین حضرات کے آٹھ رکعت تراویح پر اسی حدیث سے استدلال ہے تو ان کی تراویح کی نماز کی رکعتوں کی یہ کیفیت بھی کیوں نہیں ہوتی، یہ تو آپ ﷺ کے نماز تہجد میں قیام کے طول اور اس کی کیفیت کا بیان ہے اور آپ کا تہجد کی رکعتوں میں سجدہ کتنا طویل ہوا کرتا تھا، اس کے متعلق بخاری ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ **فیسجد السجدة من ذلک قدر مایقرأاحد کم خمسین اٰیة قبل ان یرفع راسه (بخاری کتاب القرأة)** یعنی تہجد

کی رکعتوں میں آپ کا سجدہ اتنا طویل ہوتا تھا کہ تم میں کا کوئی آدمی اتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھے۔ اگر اسی کے ساتھ مسلم شریف کی روایت بھی سامنے ہو تو اس طول کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے، مسلم کی روایت میں ہے **عن حذیفة انه صلی مع النبی ﷺ لیلة فقرأ البقرة ال عمران والنساء فی رکعة وکان اذامر بایة فیها تسبیح سبح اوسوال سأل اوتعوذ تعوذ ثم رکع نحوا مما قام ثم قام نحوا مما رکع ثم سجدنحوا مما قام** یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رات تہجد کی نماز پڑھی تو آپ نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران اور سورہ نساء پڑھا اور آپ کا حال یہ تھا کہ جب کسی تسبیح والی آیت کو پڑھتے تو تسبیح پڑھتے، سوال والی پڑھتے تو سوال کرتے اور تعوذ والی آیت پڑھتے تو آپ اللہ سے پناہ چاہتے اور آپ نے رکوع اتنا ہی طویل کیا جتنا آپ نے قیام کیا تھا (یعنی بقدر بقرہ آل عمران اور نساء پڑھنے کے) اور پھر رکوع سے اٹھ کر اتنی دیر تک کھڑے رہے جتنا طویل آپ نے رکوع کیا (یعنی وہی تینوں سورتوں کے برابر) غرض اللہ کے رسول ﷺ کی تہجد کی نماز نہایت طویل قیام اور طویل رکوع اور طویل سجدوں کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور چار چار رکعت ایک سلام سے ہوا کرتی تھی، غیر مقلدین کی تراویح کی نماز کسی مسجد میں اس کیفیت کے ساتھ نہیں ہوتی ہے، اس وجہ سے ان یہ کہنا کہ ان کا تراویح کے سلسلہ میں بخاری کی حدیث عائشہ پر عمل ہے صریح جھوٹ ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، صحابہ کرام اور خصوصاً خلفائے راشدین کی سنتوں کو بدعت کہنے والوں کو احادیث رسول اور سنت رسول پر عمل کی توفیق ہو ہی نہیں سکتی، اللہ ان سے اس توفیق کو سلب کر لیتا ہے۔

(۳) غیر مقلدین کی تراویح کی نماز کو جن حضرات نے ملاحظہ کیا ہوگا انہوں نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ یہ لوگ تراویح کے بعد متصلاً وتر پڑھتے ہیں حالانکہ اسی حدیث عائشہ رضی اللہ

عنہا میں ہے کہ آپ ﷺ آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کے بعد سو جاتے تھے پھر وتر پڑھتے تھے، بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث میں ہے:

فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر ؟ یعنی میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایایا عائشة ان عینی تنا مان و لاینام قلبی یعنی اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

ناظرین اس سوال و جواب میں غور کریں کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ کے رسول ﷺ تہجد کی آٹھ رکعت نماز پڑھ کر سو جاتے تھے اور پھر بیدار ہو کر وتر الگ سے پڑھا کرتے تھے، اگر تہجد اور صلوٰۃ تراویح بقول غیر مقلدین ایک نمازیں ہیں اور تراویح کے آٹھ رکعت ہونے کی یہی حدیث دلیل ہے تو غیر مقلدین اس حدیث کے تمام اجزاء اور اس میں بیان کردہ پوری کیفیت کے ساتھ نماز تراویح کیوں نہیں ادا کرتے؟ یا کم از کم اس کے مسنون ہونے کا اعلان کیوں نہیں کرتے؟ لوگوں کو تراویح اسی کیفیت کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب کیوں نہیں دیتے؟ اس حدیث سے صرف آٹھ رکعت کی بات اڑا لینا بقیہ حدیث کے تمام حصوں کو چھوڑ دینا یہ کون سا عمل بالحدیث ہے؟ غیر مقلدین کے اس طرز عمل کو عمل بالحدیث کا نام دیا جائے گا یا اس کو ترک حدیث کہا جائے گا، ناظرین خود فیصلہ فرمالیں، ناظرین اپنے ذہن میں اس بات کو ایک بار اور تازہ کرلیں کہ خلفائے راشدین کی سنتوں کو بدعت کہنے والوں سے کتاب وسنت پر عمل کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے۔

(۴) ناظرین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، غیر مقلدین نے حدیث رسول ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ آباواجداد کی پیروی میں اس روایت کے صرف ایک جز یعنی آٹھ رکعت والا لیا ہے اور وہ بھی تہجد کو تراویح بنا کر، اور لوگوں کو بخاری کا نام لے لے کر خوب

ورغلاتے ہیں کہ دیکھو بخاری میں حضرت عائشہ کی صحیح روایت آٹھ رکعت تراویح کی ہے، غیر مقلدین کبھی پوری بات اپنے عوام کو نہیں بتلاتے اور فریب سے کام لیتے ہیں، اب دیکھئے اسی بخاری میں ہے، اور یہ حدیث بھی حضرت عائشہؓ ہی کی ہے، فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل ثلاث عشرة ركعة ثم يصلي اذاسمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين. (باب مايقرأفي ركعتي الفجر)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ تہجد کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور جب فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعت ادا کرتے۔ (یعنی فجر کی سنت)

اب ذرا غور فرمائیں کہ گیارہ رکعت والی بھی روایت بخاری ہی کی ہے اور تیرہ رکعت والی روایت بھی بخاری ہی کی ہے اور دونوں روایتیں حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ غیر مقلدین تیرہ والی چھوڑ کر گیارہ ہی والی روایت کا نام لیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تیرہ والی روایت کا وہ نام کیوں نہیں لیتے؟

(۵) حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام سال رمضان وغیر رمضان میں تہجد گیارہ سے زیادہ پڑھتے ہی نہیں تھے اور اس دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اس دوسری رکعت میں **كان يصلي** کا لفظ ہے۔ جو ماضی استمراری ہے اور غیر مقلد عالم صادق سیالکوٹی کا فرمان ہے کہ ماضی استمراری دوام اور استمرار کے لئے آتا ہے، فرماتے ہیں **كان يصلي** استمرار کے لئے آتا ہے جس کے معنی ہیں حضور ﷺ ہمیشہ کرتے تھے۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۱۴۱)

یعنی صادق صاحب کی منطق کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ ہمیشہ تیرہ ہی رکعت

پڑھتے تھے۔

اب اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بخاری والی وہ حدیث غلط ہوگئی جس میں گیارہ کی تعداد ہے۔

حل کریں اس معمہ کو تقلید کے منکرین اور بقلم خود مجتہدین ان کے اجتہاد اور ان کے عدم تقلید نے بخاری کی بھی احادیث کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ الحمد للہ ہمارا اعتقاد ہے کہ بخاری کی حدیثیں صحیح ہیں اور ہمیں اس قضیہ کو سلجھانا بھی آتا ہے، مگر یہ قضیہ سلجھے گا کسی بڑے کی تقلید سے۔ خود سے جو اجتہاد کرے گا بخاری کی احادیث سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

(۶) اب آگے سنئے غیر مقلدین سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں تو چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور تم دو دو رکعت کر کے آٹھ رکعت پوری کرتے ہو تو جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں دو دو رکعت بھی نماز تہجد ادا کرنے کا ذکر ہے یعنی آٹھ رکعت کی تعداد کو ایک حدیث سے لیا اور دو دو رکعت پڑھنے کے لئے یہ آٹھ رکعت والی حدیث جو بخاری ہی میں ہے ان کو قابل عمل نظر نہیں آئی تو اس کے لئے بخاری کی دوسری روایتوں کا سہارا لیا، اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی بخاری کی حدیث قابل عمل کیوں نہیں قرار پائی اس راز سے کوئی غیر مقلد عالم پردہ نہیں اٹھاتا، جیسے تیرہ والی حدیث پر عمل نہ کرنے کو راز بنائے رکھا ہے۔

(۷) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دو دو رکعت کر کے بھی تہجد پڑھا کرتے تھے مگر آپ نے کسی غیر مقلد عالم کو تہجد میں دو دو رکعت والی حدیث نقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، حالانکہ وہ بھی بخاری ہی کی حدیث ہے ایسا کیوں؟ اس لئے کہ اگر وہ یہ حدیث ذکر کر دیں تو ان کا آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کا دعویٰ ہوا ہو جائے گا۔ اس وجہ سے یہ حضرات دو دو رکعت والی حدیث کا نام تو لیتے ہیں مگر اس کو اس کے

الفاظ کے ساتھ بخاری شریف سے نقل نہیں کرتے ہیں، میں اس کو نقل کرتا ہوں اور پھر ناظرین تماشا دیکھیں کہ یہ غیر مقلدین حدیث کا نام لے کر دوسروں کو فریب دینے کے کتنے ماہر ہیں؟

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس کی ہے اور طویل ہے میں یہاں ضروری حصہ نقل کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

ثم صلی رکعتین ، ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر (بخاری کتاب الوتر)

آنحضورﷺ نے وضو وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نماز تہجد پہلے دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر وتر پڑھی۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ اس حدیث میں صاف یہ ہے کہ آپﷺ جب دو دو رکعت کر کے تہجد ادا کرتے تھے تو وتر کے سوا تہجد کی نماز کل بارہ رکعتیں ہوتی تھیں اور غیر مقلدین کے نزدیک تراویح تہجد ہی ہے وہ دو دو رکعت کر کے صرف آٹھ رکعت رمضان والی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، آنحضورﷺ تو دو دو رکعت کر کے بارہ رکعتیں پڑھیں اور یہ آٹھ رکعتیں پڑھیں، اللہ کے رسول کی سنت کی صریح خلاف ورزی کا نام انہوں نے عمل بالحدیث رکھا ہے، غرض غیر مقلدین کا عمل نہ حضرت عائشہؓ والی پوری حدیث پر ہے جہاں سے انہوں نے آٹھ رکعت کی تعداد اخذ کی ہے اور نہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث پر پورا عمل ہے جس میں دو دو رکعت کے ساتھ تہجد ادا کرنے کا آپ کا معمول مذکور ہے، اور یہ نتیجہ ہے کہ غیر مقلدوں نے خلفائے راشدین کی سنتوں کو بدعت کہا ہے خلفائے راشدین کی سنتوں کو بدعت کہنے والا سنت پر عامل ہو ہی نہیں سکتا اس سے کتاب وسنت پر عمل کی

توفیق چھین لی جاتی ہے، اس زمانہ میں ترک تقلید عذاب الٰہی ہے۔ اس سے انسان دین و دنیا کی بڑی بڑی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے، دین کی فہم اس سے رخصت ہو جاتی ہے، کتاب وسنت پر عمل اس کا مقدر نہیں بن پاتا، اسلاف کے بارے میں اس کی زبان تیز ہو جاتی ہے، حق بات کو حق جان کر بھی وہ اسے قبول نہیں کرتا، لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت ووقعت نہیں رہتی ہے، وہ محرومی اور مایوسی کی زندگی گذارتا ہے، حسد وطمع کا مارا ہوتا ہے، اور ان کے سوا اور بھی مختلف قسم کی علتوں اور امراض کا شکار رہتا ہے، خلفائے راشدین کی سنتوں کو بدعت کہنے کا غیر مقلدین کی زندگی پر کیسا خطرناک اثر پڑا اور وہ اللہ کی کیسی رحمت اور کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو گئے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

(۸) رمضان کا زمانہ کیسا مبارک زمانہ ہوتا ہے، اللہ کی رحمت کا بطور خصوص اس میں نزول ہوتا ہے، رسول اکرم ﷺ اس مبارک ماہ میں عبادات کی کثرت کیا کرتے تھے، جبریل امین رمضان میں آپ سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے، تہجد کی نماز جو آپ ﷺ عام دنوں میں پڑھا کرتے تھے اس ماہ مبارک میں اس کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی، اس ماہ مبارک کے عشرہ اخیر میں بطور خاص آپ ازواج مطہرات کو بھی تہجد کے لئے بیدار کرتے تھے، حدیث میں آتا ہے کہ آپ اس زمانہ میں عبادت کے لئے کمر کس لیا کرتے تھے، آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں امت کے علماء وصلحاء رمضان شریف میں تہجد وتراویح کا بطور خاص اہتمام کرتے تھے رات بھر جاگنا ان اللہ والوں کی زندگی تھی، گزر چکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اگر تراویح میں پورے رمضان میں ایک ختم کیا کرتے تھے تو نماز تہجد میں ہر تین دن پر ایک قرآن ختم کرتے تھے، غرض جن کو دین سے جتنا تعلق ہوتا رمضان المبارک میں اتنا ہی زیادہ عبادت اور شب بیداری کا اس کو اہتمام ہوتا تھا۔

مگر افسوس کہ غیر مقلدین نے جب صحابہ کرام کے بارے میں گستاخانہ لب ولہجہ

اختیار کیا اور خلفائے راشدین کی سنت کو بدعت قرار دیا تو رمضان مبارک کی ان تمام خیرات وبرکات سے محروم ہو گئے اور ماہ مبارک میں تہجد (جس کا وقت اخیر شب میں ہوتا ہے) ان کو پڑھنا نصیب نہیں ہوتا، ساری امت تہجد کی نماز ادا کر کے رحمت خداوندی کی مستحق ہوتی ہے اور یہ غیر مقلدین اس تہجد کو خلاف سنت کہہ کر اللہ کی رحمت بے پایاں سے محروم ہوتے ہیں اوران کو تہجد کے نام سے رمضان میں نماز پڑھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی ہے۔(۱) بلکہ ان کے عالم تو باقاعدہ اس کی دعوت دیتے ہیں کہ آٹھ رکعت عشاء کے بعد تہجد تراویح کے نام پر پڑھ کر خوب آرام سے سو جاؤ اور کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہی سنت ہے، حکیم صادق سیالکوٹی فرماتے ہیں۔

> اس لئے نبی رحمت نے رات کی نماز (تہجد کو رمضان شریف میں عشاء کے ساتھ پڑھ کر لوگوں کے لئے سہولت اور آسانی پیدا کردی تاکہ وہ تراویح کے بعد پوری طرح آرام کی نیند سو لیں اور پھر صبح صادق سے کچھ پہلے اٹھ کر سحری کھا کر روزہ کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔(صلوٰۃ الرسول ص ۳۷۸)

سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ تو رمضان میں پوری رات عبادت کریں عبادت کے لئے کمر کس لیں، اپنی ازواج کو بطور خاص اٹھائیں اوران کو عبادت کی ترغیب دیں، اوراس کے برخلاف صادق صاحب غیر مقلد کی دعوت یہ ہے کہ عشاء کے بعد آٹھ رکعت تراویح پڑھ کر خوب آرام سے سو جاؤ، یہ ہے غیر مقلدوں کی دعوت اور عمل بالسنہ کا انوکھا انداز۔

---

(۱) اس لئے کہ تہجد کا وقت رمضان شریف میں غیر مقلدین کے مذہب کے مطابق اول شب ہو جاتا ہے اور تہجد کا نام بدل کر تراویح ہو جاتا ہے۔

(۹) غیر مقلدین کی تراویح کے نام سے بھی جو نماز ہوتی ہے وہ بھی رسول اللہ کی صحیح حدیث کے خلاف ہوتی ہے۔(۱)

پس یہ تہجد سے بھی محروم ہوئے اور تراویح سے بھی محروم ہوئے بالکل شیعوں کی طرح کہ شیعوں کو بھی رمضان المبارک میں نہ تہجد کی نماز نصیب ہوتی ہے اور نہ تراویح پڑھنا ان کا مقدر ہوتا ہے، رمضان کی عبادت کے سلسلہ میں غیر مقلدین اور شیعوں میں یہ ہم آہنگی فی الحقیقت یہ ثمرہ ہے اسی کا یہ دونوں فرقے صحابہ کرام کے بارے میں حسن اعتقاد نہیں رکھتے۔ ۲۰ رکعت تراویح کو شیعہ بھی بدعت کہتے ہیں اور غیر مقلدین بھی بدعت کہتے ہیں، اس لئے عذاباً و نکالاً دونوں فرقوں کو رمضان میں نماز تہجد اور نماز تراویح کی برکتوں و سعادتوں سے بالکل محروم کر دیا گیا، تراویح کے نام سے غیر مقلدین کا نماز ادا کرنا جیسا کہ عرض کیا گیا احادیث کی روشنی میں نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اپنے طور پر ایک حدیث سے یہ لے کر اور ایک حدیث سے وہ لے کر اور کچھ اپنا اجتہاد شامل کر کے ایک عبادت گڑھ لی اور اسی کا نام تراویح رکھ رکھا ہے، اس تراویح کو دین اسلام کی مشروع تراویح سے کوئی نسبت نہیں ہے، اسلام میں مشروع تراویح تو وہ ہے جس کے بارے میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک هو السنة لانه اقامه بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر (فتاویٰ ص ۱۱۲ ج ۲۳)

---

(۱) اس کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تہجد کی رکعتیں بہت طویل ہوا کرتی تھیں۔

پس یہ ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے، اسی لئے علماء کی ایک بڑی تعداد نے اسی کو سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ حضرت ابی بن کعب نے یہ بیس تراویح اور تین وتر مہاجرین اور انصار کے درمیان پڑھائی اوران میں سے کسی نے بھی اس پر انکار نہیں کیا۔

امام ابن تیمیہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیس رکعت تراویح کا عمل خلاف سنت ہوتا یا بدعت ہوتا جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں تو یہ ناممکن تھا کہ مہاجرین وانصار کی آنکھوں کے سامنے مسجد نبوی میں یہ خلاف سنت اور بدعت کام ہوتا رہتا اور صحابہ کرام اس کو خاموشی سے دیکھتے رہتے یعنی بیس رکعت تراویح پر ایک طرح سے مہاجرین وانصار اور تمام صحابہ کرام کا اجماع واتفاق تھا، اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابہ کرام کسی غلط اور خلاف سنت کام پر اتفاق نہیں کر سکتے، پس تراویح کے باب میں صحابہ کرام کا بیس رکعت کو قبول کر لینا اس کے سنت ہونے کی اتنی بڑی دلیل ہے کہ بالفرض اگر اس کے مقابل کوئی دوسری صحیح حدیث ہو بھی (جو کہ قطعاً نہیں ہے) تو بھی صحابہ کرام کے اس اجماع واتفاق والی بات ہی قابل قبول ہوگی اور اس حدیث کا محمل کچھ اور تلاش کرنا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی آٹھ رکعت تراویح کا مذہب اختیار نہیں کیا ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب بیس کا ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بیس رکعت کے ساتھ ساتھ اہل مکہ کے طواف بیت اللہ کی جگہ پر کچھ مزید رکعتوں کے پڑھنے کا ہے تاکہ اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں اور عبادت میں یک گونہ برابری اور یکسانیت ہو جائے۔

(۱۰) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اور اس کو

بدعت عمری معاذ اللہ کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں ہوسکتا کہ معاذ اللہ حضرت عمر یا صحابہ کرام کے سامنے آنحضور ﷺ کی واضح سنت موجود ہو اور وہ اس کے خلاف دین وشریعت میں کسی نئی بات کا اضافہ کریں اس قسم کی بات کوئی رافضی خبیث تو کہہ سکتا ہے مگر کوئی سنی اپنے منہ سے یہ بات نہیں نکالے گا، پس اب دو ہی شکل ہے یا تو حضرت عمر اور صحابہ کرام کے سامنے آنحضور اکرم ﷺ سے تراویح کا کوئی متعین عدد نہیں تھا جیسا کہ بعض علماء کا یہی خیال ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ومن ظن قيام رمضان فيه عدد موقت عن النبى صلى الله عليه وسلم لايزاد فيه ولاينقص منه فقد اخطأ

یعنی جس کا یہ خیال ہے کہ تراویح کے بارے میں آنحضور ﷺ سے کوئی متعین مقدار ثابت ہے کہ اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی تو اس نے غلطی کی۔

اور چونکہ ان حضرات کی تحقیق میں آنحضور اکرم ﷺ سے تراویح کا کوئی متعین عدد ثابت نہیں ہے، اس وجہ سے اس باب میں حضرت عمرؓ کا عمل ہی سنت قرار پائے گا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ راشد تراویح کی جس تعداد اور تراویح کی جس کیفیت کو اپنے حکم سے جاری فرمائیں گے، اس کا ماننا بحکم حدیث عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين واجب اور ضروری ہوگا اور اب حضرت عمرؓ ہی کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت قرار پائے گی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فمن تمسک بسنة الخلفاء الراشدين فقد اطاع الله و رسوله (فتاوىٰ ج ۲۴ ص ۲۰۹)

یعنی جس نے خلفائے راشدین کی سنت کو تھاما، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی۔

پس تراویح کے باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ اور اس فیصلہ کو تمام مہاجرین وانصار کے اجماعی طور پر قبول کر لینے کے بعد بیس ہی رکعت تراویح، تراویح کی اصل سنت ہے، اور اب اس کا منکر بقول ابن تیمیہ، ضال، مبتدع بلکہ کافر ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

واما من تبینت لہ السنۃ فظن ان غیرھا خیر امنھا فھو ضال مبتدع بل کافر (فتاویٰ ص ۲۰۲)

یعنی اگر کسی کے لئے سنت واضح ہو چکی ہو پھر اس سنت کے علاوہ کسی دوسری بات کو بہتر سمجھے تو وہ ضال مبتدع بلکہ کافر ہے۔

غیر مقلدین حضرات ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کی روشنی میں اپنا انجام سوچ لیں، اس لئے کہ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

(۱۱) یہ گفتگو تو اس مفروضہ پر ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے علم میں آنحضور اکرم ﷺ سے کوئی متعین عدد ثابت نہ ہو، مگر ہم اس مفروضہ کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے کہ یہ بات عقلاً بہت مستبعد ہے کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کو رمضان میں تین راتیں تراویح پڑھائی ہو اور حضرات صحابہ کرام کو آنحضور ﷺ نے کتنی رکعتیں تراویح پڑھائی اس کا علم نہ ہو، اور پھر وہ از خود بیس رکعت تراویح پر اجماع بھی کر لیں اس لئے ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے تراویح کی بیس رکعتیں ہی پڑھائی تھیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر (مصنف ابن ابی شیبہ)

کہ رسول اکرم ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں تراویح پڑھاتے تھے اور وتر۔

غیر مقلدین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور اس کا راوی ابراہیم بن عثمان ضعیف ہے، چلئے ہم نے تسلیم کرلیا کہ سندا روایت ضعیف ہے مگر سند میں کسی ضعیف راوی کے آجانے سے اصل متن کا ضعیف ہونا خصوصا جب کہ صحابہ کرام کا اسی بیس پر اجماع بھی ثابت ہے کہاں سے ضروری ہوگیا کتنی روایتیں ہیں جن کی سندیں ضعیف ہیں مگر اس کا متن ثابت ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے، مثلا دیکھئے حدیث میں ہے **لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ** یعنی جو وضو پر بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوتا، یہ حدیث ضعیف ہے، اور وضو پر بسم اللہ پڑھنے کی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے، امام احمد فرماتے ہیں۔

وقال احمد لااعلم فی ھذا الباب حدیثا اسنادہ جید یعنی میرے علم میں اس بارے میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند عمدہ ہو مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں۔ **کل ماروی فی ھذا الباب لیس بقوی** یعنی اس بارے میں جتنی حدیثیں ہیں ان میں سے ایک بھی قوی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں۔

قلت لاشک فی ان ھذا الحدیث نص علی ان التسمیۃ رکن للوضوء اوشرط لہ (تحفہ ص ۳۸ جلد ۱) یعنی میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث (جوکہ ضعیف ہے) اس بارے میں نص ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا یا

وضوء کا رکن ہے یا شرط ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب "ضعیف" حدیث سے وضو میں بسم اللہ پڑھنے کو رکن یا شرط بتلاتے ہیں، حالانکہ کسی چیز کی رکنیت یا اس کے شرط ہونے کو ثابت کرنے کے لئے عام اہل اصول کے یہاں حدیث کا کم از کم صحیح ہونا تو ضروری ہے۔ بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ حدیث کا سنداً ضعیف ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ فی الواقع وہ حدیث ضعیف ہی ہو اسی وجہ سے محدثین کو یہ قاعدہ مقرر کرنا پڑا کہ ان ضعف السند لایستلزم ضعف المتن "یعنی سند کے ضعیف ہونے سے متن کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا"۔ (۱)

پس اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن عباس والی حدیث جس میں بیس رکعت کا تذکرہ ہے وہ سنداً ضعیف بھی ہے تو بھی اس سے اصل متن کا انکار کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا بالخصوص اس شکل میں کہ اس بیس رکعت تراویح کا حضرت عمر نے حضرت ابی کو حکم بھی دیا اور تمام صحابہ کرام نے آپ کے اس حکم کو جیسا کہ ابن تیمیہ کے بیان سے معلوم ہوا بالاتفاق قبول بھی کرلیا، ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا باطل پر اتفاق کرنا محال ہے، اس لئے کہ ایک حقیقت پسند اس بات کو قبول کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں کرے گا کہ بیس ہی رکعت تراویح آنحضور ﷺ کی اصل سنت ہے۔

آپ کے خط کا جواب اختصار کی ہزار کوشش کے باوجود بہت طویل ہوگیا، اب اخیر میں اس سلسلہ کی ایک آخری بات عرض کرکے اپنا قلم روکتا ہوں۔

(۱۲) مصنف ابن ابی شیبہ حدیث کی مشہور کتاب ہے، ابن ابی شیبہ امام بخاری سے

---

(۱) اس بارے میں مفصل گفتگو میری کتاب "غیر مقلدین کے لئے لمحہ فکریہ" میں ہے، اہل شوق اس بحث کو اس کتاب میں ضرور مطالعہ کریں۔

مقدم اور ان کے استاد ہیں، انہوں نے اپنی اس مصنف کی میں تراویح کی تعداد کو بتلانے کے لئے یہ باب باندھا ہے۔باب کم یصلی فی رمضان یعنی اس کا بیان کہ تراویح کی کتنی رکعتیں پڑھی جائیں گی، ابن ابی شیبہ نے اس میں تیرہ حدیثیں ذکر کی ہیں اور لطف یہ ہے کہ آٹھ رکعت والی کوئی حدیث ذکر نہیں کی ہے، دس حدیثیں وہ ذکر کی ہیں جن میں بیس رکعت تراویح کا بیان ہے،ایک حدیث میں چالیس رکعت اور سات وتر کا ذکر ہے، ایک حدیث میں چھتیس رکعت تراویح کا بیان ہے،اور ایک روایت میں اس کا ذکر ہے کہ سعید بن جبیر رمضان کی بیس راتوں میں چوبیس رکعت تراویح پڑھتے تھے،اور جب وہ رمضان میں اعتکاف کے لئے بیٹھتے تو اٹھائیس رکعت تراویح پڑھتے تھے،غرض کسی ایک روایت میں آٹھ رکعت تراویح کا ذکر نہیں ہے،اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ محدث ابن ابی شیبہ نے اس باب کا آغاز ہی بیس رکعت تراویح کے بیان سے کیا ہے،اور جب اس باب کو ختم کیا ہے تو بیس ہی رکعت کے بیان پر ختم کیا ہے اور آخری حدیث وہی حضرت عبداللہ بن عباس والی ذکر کی ہے جس کو غیر مقلدین ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔

محدث ابن ابی شیبہ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر ہر صاحب فہم کے لئے دو باتوں کا فیصلہ کرنا بڑا آسان ہو جاتا ہے،ایک یہ کہ محدث ابن ابی شیبہ کے زمانہ میں بیس ہی رکعت تروایح کا اصل چرچا تھا، آٹھ رکعت کا کہیں مذکور بھی نہیں تھا، دوسرے یہ کہ بیس رکعت والی حدیث ان کے نزدیک ضعیف ہونے کے باوجود تراویح کے باب میں اصل ہے اس لئے انہوں نے بیس رکعت والی حدیث سے اس باب کا آغاز بھی کیا اور بیس ہی والی حدیث پر اس باب کو ختم بھی کیا۔والحمد اللہ اولا و آخرا

والسلام محمد ابوبکر غازی پوری

ازبندہ:نور الدین نور اللہ الاعظمی

مولانا غازی پوری مدظلہ کا تراویح کے باب میں محققانہ جواب ناظرین نے ملاحظہ کرلیا، چونکہ اس مسئلہ کو غیر مقلدین بار بار اٹھاتے ہیں اس وجہ سے بطور تتمہ چند باتیں مزید عرض کی جاتی ہیں۔

معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی تہجد کی تعداد کو بیان کرنے والی بخاری میں صرف وہی حدیث نہیں ہے جس میں گیارہ کا ذکر ہے بلکہ حضرت عائشہؓ سے اور بھی روایتیں ہیں مثلاً ایک تو وہی جس میں تیرہ کا ذکر ہے اور ایک روایت بخاری کی یہ بھی ہے

عن مسروق قال سألت عائشه رضی الله عنها عن صلوة رسول اللهﷺ پالليل فقالت سبع وتسع واحدی عشرة سوی رکعتی الفجر. (باب کم کان النبیﷺ یصلی من اللیل)

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تہجد کی نماز کی رکعتوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کبھی آپ سات رکعتیں (وتر کے ساتھ) پڑھتے کبھی نو رکعتیں (وتر کے ساتھ) پڑھتے اور کبھی گیارہ رکعتیں (وتر کے ساتھ) پڑھتے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کے رسولﷺ کی وتر کی رکعتیں مختلف ہوا کرتی تھیں، یعنی آپﷺ ایک رکعت بھی وتر پڑھتے تھے تین بھی پانچ اور سات بھی، بلکہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نو رکعت بھی وتر پڑھی ہے وتر کی (تعداد کے لئے صلوۃ الرسول ص ۳۵۴ پر وتر کا بیان دیکھ لیا جائے) پس تہجد کی اصل جو بھی رکعت ہو چار، چھ، آٹھ، دس، بارہ ان تمام اعداد کے ساتھ اگر وتر کی رکعتوں کی تعداد جو مختلف ہے شامل کی جائے تو آنحضرت اکرمﷺ کی نماز تہجد کی تعداد کی بہت سی شکلیں نکلیں گی۔ مثلاً یہاں صرف ایک

مثال چار والی لیجئے، اگر چار میں ایک وتر کو شامل کریں تو تہجد کی پانچ رکعت ہو گی، اگر چار میں وتر تین شامل کریں تو تہجد سات رکعت ہو گی، اگر چار تہجد میں وتر کی پانچ رکعت شامل کریں تو تہجد کی پوری نماز نو رکعتیں ہوں گی، اور اگر چار رکعت تہجد وتر سات شامل کریں تو گیارہ رکعت ہو گی، اور اگر تہجد کی چار رکعت میں نو وتر کی شامل کریں تو تہجد کی تیرہ رکعت ہو گی۔ اب دیکھئے صرف چار رکعت تہجد کے ساتھ جب وتر کی منقول تمام رکعتوں کو شامل کیا گیا تو آنحضور اکرم ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی پانچ شکلیں پیدا ہوئی ہیں اور یہی پانچ شکلیں حضرت عائشہؓ کی آٹھ رکعت والی تہجد میں بھی نکلیں گی، اور یہی پانچ شکلیں ان کی اس حدیث میں بھی نکلیں گی جس میں تیرہ رکعت تہجد کا ذکر ہے، اور ان حدیثوں میں بھی یہی پانچ شکلیں نکلیں گی جس میں سات، تین اور گیارہ رکعت تہجد کا ذکر ہے، اور یہی پانچ شکلیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث میں بھی نکلیں گی جس میں بارہ رکعت کا ذکر ہے، اس طرح آنحضور اکرم ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی تقریبا ۳۵ شکلیں پیدا ہوتی ہیں اور یہ تمام شکلیں بخاری شریف ہی کی احادیث کی روشنی میں ہیں۔

مگر کمال ہے عمل بالحدیث کے مدعیوں اور نعرہ لگانے والوں کا کہ ان تمام ۳۵ شکلوں میں سے اس دعویٰ کے باوجود کے تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے صرف تراویح کے لئے ایک شکل یا دو شکل کو اختیار کیا ہے اور وہ بھی صرف تعداد میں ان کی رعایت کی ہے آپ ﷺ کی کیفیت تہجد وقیام باللیل کو تو ایسا فراموش کیا کہ گویا اس کا تذکرہ بخاری ومسلم کی کسی حدیث میں ہے ہی نہیں۔ شاباش اے جذبہ عمل بالحدیث النبوی۔

ایں کار از تو آید، مرداں چنیں کنند

ناظرین آپ کے ذہن میں یہ رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز تہجد پورے سال پڑھا کرتے تھے البتہ یہ کہ رمضان میں اس کا اہتمام بہت بڑھ جاتا تھا، کبھی کبھی پوری رات

جاگا کرتے تھے خصوصاً عشرۂ اخیر میں تو آپ عبادت کے لئے کمر کس لیتے تھے، اور یہ بدیہی بات ہے کہ جو عمل پورے سال ہوتا ہے اس میں یکسانیت کا ہونا عادتاً ناممکن ہے، کبھی طبعیت میں چستی ہوتی ہے تو آدمی زیادہ عمل کرتا ہے کبھی سستی کا غلبہ رہا یا اور کوئی وجہ ہوئی تو وہ کام مختصر ہو جاتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ بھی بشر ہی تھے اور تمام بشری عوارض آپ کو بھی لاحق ہوتے تھے الا یہ کہ اللہ جس سے آپ کو محفوظ رکھے، تو اس وجہ سے یہ عین ممکن ہے ممکن ہی نہیں بلکہ یہی واقع تھا کہ آپ ﷺ کی نماز تہجد کی نوعیت اور اس کی رکعتوں کی تعداد حالات اور عوارض کی وجہ سے کم وبیش ہوتی رہتی تھی، اس لئے احادیث میں آپ ﷺ کی نماز تہجد کی تعداد بھی الگ الگ ہے اور آپ ﷺ کی اس نماز کی کیفیت اور نوعیت بھی الگ الگ نقل کی گئی ہے، اس لئے تہجد والی احادیث میں کسی طرح کا کوئی تعارض نہیں ہے بخاری ومسلم کی ہر حدیث اپنی جگہ پر درست اور صحیح ہے، اور یہ تمام احادیث امت کے لئے نمونہ عمل ہیں، جس طرح بھی نماز تہجد ادا کی جائے وہ آنحضور اکرم ﷺ کی سنت ہی قرار پائے گی۔

نماز تہجد کا تعلق تراویح سے بالکل نہیں ہے، دونوں دو مستقل نمازیں ہیں چنانچہ بخاری شریف میں جہاں بطور خاص رمضان کا نام لے کر آپ ﷺ کی نماز تراویح کا بیان ہے جس کو آپ نے لوگوں کے ساتھ تین رات پڑھا تھا اس میں کسی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بخاری میں ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ صلی ذات لیلۃ فی المسجد فصلی بصلاتہ ناس ، ثم صلی القابلۃ فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلۃ الثالثۃ او الرابعۃ فلم یخرج الیھم رسول اللہ ﷺ فلما اصبح قالہ: قد رأیت الذی صنعتم ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض

علیکم ، و ذالک فی رمضان (بخاری)

یعنی رسول اکرم ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز (تراویح) پڑھی تو آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے پھر پھر دوسری رات بھی آپ نے تراویح پڑھی تو اور مجمع ہوا، پھر تیسری، چوتھی رات مزید مجمع ہوا، تو آپ ﷺ مسجد تشریف نہیں لائے اور صبح میں فرمایا کہ تمہارے شوق و ذوق کو میں نے دیکھا لیکن اس ڈر سے نہیں نکلا کہ تمہارے اوپر کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا۔

یہ فی الحقیقت تراویح کی نماز تھی اور اس میں کسی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے، مگر یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ کی اس نماز کی کوئی تعداد نہ ہو اور نہ عقل میں یہ بات آتی ہے کہ اس نماز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ شامل ہوئے ہوں بلکہ یہ حدیث بتلارہی ہے کہ لوگوں کا ازدحام عظیم ہو گیا تھا، تو کیا حضرت عمرؓ ہی جو آپ سے قریب تر تھے اور آنحضور اکرم ﷺ کے شب و روز کے ساتھی ، یہ تصور میں آتا ہے کہ وہی اس مجمع میں نہ ہوں۔ پس آپ ﷺ نے بلا ریب بیس ہی رکعت تراویح پڑھائی تھی ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام کے بیچ بیس رکعت والا فیصلہ نہ فرماتے اور لوگ بلا چون و چرا اس عدد کو خاموشی سے قبول نہ کر لیتے ، یقیناً کوئی نہ کوئی آواز اس کیخلاف اٹھتی اور جب نہیں اٹھی اور بقول ابن تیمیہ اقامہ بین المهاجرین والانصار ولم ینکر منکر کہ حضرت عمر فاروق اعظم نے اس نماز کو مہاجرین وانصار کے بیچ قائم کیا اور اس بیس رکعت کے خلاف کسی نے آواز نہیں اٹھائی تو صحابہ کرام کا یہ بیس رکعت پر اجماع واتفاق اس بات کی بین شہادت ہے کہ آپ ﷺ سے تراویح کا یہی عدد ثابت ہے اور یہی مسنون ہے اور اس کا مخالف حدیث رسول ، اجماع

صحابہ اور حکم خلیفہ راشد کا منکر ہے۔ **معاذ اللہ ثم معاذ اللہ**

ناظرین آپ اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ غیر مقلدین جس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں اس میں آپ ﷺ کی نماز تہجد کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **لاتسئل عن حسنهن وطولهن** یعنی اس کے حسن وطول کے بارے میں مت پوچھو، یہ عبارت صاف بول رہی ہے کہ آپ ﷺ کی یہ آٹھ رکعتیں معمول سے بہت زیادہ طویل ہوتی تھیں، اور کتنی طویل ہوتی تھیں اس کا بیان مولانا غازی پوری صاحب کے جواب میں گزر چکا ہے کہ ایک ایک رات میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورۂ نساء آپ ﷺ پڑھتے تھے، اور آپ کا رکوع اور سجدہ اور رکوع سے اٹھنے کے بعد کا قیام بھی اسی قدر طویل ہوتا تھا، آپ ﷺ تسبیح کی آیت پر پہنچ کر تسبیح کرتے، سوال کی آیت پر پہنچ کر سوال کرتے اور تعوذ کی آیات پر پہنچ کر آپ ﷺ تعوذ کرتے، غرض آپ ﷺ کی یہ آٹھ رکعتیں بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ طویل ہوا کرتی تھیں اور اتنی طویل نماز آپ ﷺ امام ہو کر لوگوں کو نہیں پڑھا سکتے تھے، جب کہ آپ کا خود فرمان تھا کہ **اذ صلی احدکم للناس فليخفف** یعنی جو امامت کرے تو وہ ہلکی نماز پڑھے، اور اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی تھی کہ امام کے پیچھے ضعیف کمزور بیمار عورتیں بچے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ تو جب آپ ﷺ خود امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم فرمائیں اور بہت طویل نماز پڑھانے کو امام کے لئے پسند نہ فرمائیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ خود اپنے اس فرمان اور ہدایت کے خلاف لوگوں کو امام بن کر اتنی طویل نماز پڑھائیں۔

اس لئے یہ واضح قرینہ ہے اور عقل کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان مبارک میں تین راتیں لوگوں کے ساتھ جو نمازیں پڑھی تھیں اور جنہیں ہم تراویح کہتے ہیں وہ قطعاً آٹھ رکعت نہیں تھی بلکہ اس کی تعداد آٹھ کے علاوہ تھی اور وہ وہی بیس کی تعداد تھی

جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کو حکم دیا تھا اور جو آپ کے عہد مبارک اور بعد میں بھی صحابہ کرام کے درمیان برابر پڑھی جاتی رہی اور جو حدیث عبداللہ بن عباس سے بھی ثابت ہے اگر چہ اس کی سند کمزور سہی سند کا کمزور ہونا حدیث کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے جب کہ اس کمزور سند والی حدیث کی تائید خیر القرون و مابعد ہا کے تعامل سے بھی ہورہی ہو، غیر مقلدین نے ضعیف حدیث کو ہوا بنالیا ہے کہ اس پر عمل کرنا جائز ہی نہیں ہے یہ بھی ان کا چودھویں صدی کا اجتہاد ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں باب قائم کرتے ہیں الکفن من جمیع المال یعنی کفن میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ مرنے والے کے تمام مال میں سے ہوگا، اور اس سلسلہ میں بخاری نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے، اس بارے میں صحیح حدیث کوئی نہیں ہے۔ (۱)

پس جو اس تعداد کو بدعت قرار دے یا سنت نہ مانے وہ فی الاصل بہت بڑے جرم کا مرتکب ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ اگر ایسے لوگوں کی ہدایت نہ فرمائے تو ان کا انجام بہت خطرناک ہے۔ اندکے باتو گویم وگرنہ سخن بسیار است

---

(۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کان المصنف راعی لفظ حدیث مرفوع درد بھذا اللفظ، یعنی بخاری نے ترجمہ میں مرفوع حدیث کی رعایت کی ہے جو اس لفظ سے (یعنی الکفن من جمیع المال سے) مروی ہے، پھر فرماتے ہیں واسنادہ ضعیف یعنی اس کی سند ضعیف ہے، اور ابن ابی حاتم نے اس کو اپنی العلل میں نقل کیا ہے اور وہ اپنے باپ ابو حاتم سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، اور اسی کمزور اور منکر حدیث پر امام بخاری نے ہی نہیں بلکہ تمام اہل علم نے اس مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے، ابن حجر فرماتے ہیں، اس کے قائل تمام اہل علم ہیں۔ فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۱

قربانی کے تین دن یا چار دن

ہمارے ایک کرم فرمانے مالیگاؤں سے خط لکھا کہ یہاں بقرہ عید کے موقعہ پر ایام قربانی کے بارے میں غیر مقلدین حضرات اس کا پروپیگنڈہ کر کے عوام کو ورغلاتے ہیں کہ حنفیہ جو صرف تین روز قربانی کرتے ہیں وہ حدیث کے خلاف ہے، حدیث میں قربانی کے ایام چار روز ہیں، پھر انہوں نے حکم فرمایا کہ اس بارے میں ''زمزم'' میں کچھ لکھا جائے۔

ہمارے غیر مقلدین کرم فرماؤں کی احناف پر اتنی کرم فرمائیاں ہیں کہ ان کی کس کس بات کا جواب دیا جائے۔ تقلید ان کے یہاں شرک ہے، مقلدین مشرک ہیں، مشرکین سے قدم قدم پر یہ سوال کرنا کہ اپنے عمل کی کتاب وسنت سے دلیل پیش کرو، ہماری سمجھ میں تو بالکل نہیں آتا، غیر مقلدوں کو پہلے احناف سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ تم تمام اپنا ایمان درست کرو، مسلمان ہو جاؤ توحید اختیار کرو، پھر ہم دیکھیں گے کہ تمہارا عمل کتاب وسنت کے مطابق ہے کہ نہیں، مشرکین سے کتاب وسنت کی دلیل کا مطالبہ کرنا عقلاً ونقلاً بالکل نادرست ہے اور صرف احناف ہی کیوں؟ آج کل کے غیر مقلدین جو سلفیت کے نشہ سے بدمست ہیں اپنے سوا تمام مسلمانوں کو ایک ہی چھری سے ذبح کر رہے ہیں، مشرک بدعتی، قبر پرست سارے مسلمان، صرف زہاد کا یہی طبقہ خالص موحد اور اہلسنت والجماعت ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عاشق ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، ایک سلفی پاکستانی محقق کی یہ تحقیق ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہیں:

ان کثیرا ابل اکثر من ینتمون الی المذاهب الاربعة من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة قبورية (جهود علماء الحنفية ج ١ ص ٤١٩)

مذاہب اربعہ یعنی حنفیہ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ میں بہت سے لوگ بلکہ

ان کی اکثریت قبر پرست ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

وهو لاء القبورية المنتسبة الى الائمة الاربعة فرق والوان وصنوف وافنان وهم اكثر من اهل التوحيد تكتظ بهم البلاد والبلدان. (ایضا ص ۴۲)

اور یہ قبر پرست لوگ جو ائمہ اربعہ کی طرف منسوب ہیں ان کے مختلف فرقے مختلف رنگ اور ان کی مختلف قسمیں ہیں ان کی تعداد موحدین سے زیادہ ہے شہر کے شہر اور ملک کے ملک ان سے بھرے ہیں۔

اور ان قبوریوں اور قبر پرستوں کے بارے میں انہی غیر مقلد سلفی موحد صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ:

ان القبورية فرقة مشركة وثنية (ایضا ص ۴۳۸)

ان قبر پرستوں کا فرقہ مشرکین اور صنم پرستوں کا فرقہ ہے۔

جب یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ سلفیوں اور غیر مقلدین کے علاوہ تمام مسلمان یا کم از کم مسلمانوں کی اکثریت صنم پرست اور مشرک ہی ہے تو آخر ان مشرکین کو موحد اور مسلمان بنانے سے پہلے ان سے ان کے عمل کی دلیل کتاب وسنت سے مانگنا کس عقل سلیم کا تقاضا ہے۔

سلفیت کے نام سے خارجیت نے نیا جنم لیا ہے، خوارج نے اپنے سوا تمام مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر کے دم لیا تھا اور آج یہی سلفی نام کے خوارج کر رہے ہیں کہ ان کے سوا بقیہ تمام مسلمان ایمان واسلام سے خارج ہیں۔

اس ابتدائی گذارش کے بعد اصل مسئلہ کے بارے میں رفع اشتباہ کے لئے درج

ذیل سطور ملاحظہ ہوں۔

قربانی کے کتنے ایام ہیں یہ مسئلہ تو الگ ہے، ہمارے تو یہی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ غیر مقلدین آخر قربانی ہی کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ قربانی کی فضیلت کے سلسلہ میں ان کے اکابر علماء کے بقول کوئی صحیح حدیث ہی نہیں ہے، اور غیر صحیح حدیث پر عمل کرنا غیر مقلدین الموسوم باہل حدیث کا شیوہ وشعار نہیں، یہ بیچارے تو صرف صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں، غیر صحیح حدیث پر عمل کرنا تو مقلدین کا کام ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم اور محدث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

قال ابن العربی فی شرح الترمذی لیس فی فضل الاضحیة حدیث صحیح قلت الامر کما قال ابن العربی (تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۳)

یعنی ابن عربی نے شرح ترمذی میں فرمایا ہے کہ قربانی کی فضیلت کے بارے میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں (یعنی مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں) کہ بات وہی ہے جو ابن عربی نے کہی۔

جب بات وہی ہے جو ابن عربی نے فرمائی یعنی قربانی کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، تو غیر مقلدین کے یہاں قربانی کا عمل یقیناً باعث تعجب ہے۔ پس اولاً تو غیر مقلدین یہ بتلائیں کہ وہ قربانی کیوں کرتے ہیں جب کہ اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، ثانیاً یہ بتلائیں کہ غیر صحیح حدیث پر عمل کرنے کے جواز کے بارے میں کون سی صحیح حدیث ہے، قربانی کی فضیلت کے بارے میں آپ کے اکابر یہ صراحت کر رہے ہیں کہ اس کی بابت کوئی صحیح حدیث نہیں ہے لیکن قربانی کا عمل آپ کے

یہاں عملاً متوارث ہے، اس عمل کی بنیاد جب صحیح حدیث نہیں ہے تو یقیناً آپ کا عمل غیر صحیح حدیث پر ہے، اب آپ بتلائیں کہ غیر صحیح حدیث پر عمل کرنے کے جواز کو بتلانے والی کون سی صحیح حدیث آپ کے پاس ہے اور وہ کس کتاب میں ہے؟

رہی یہ بات کہ مقلدین احناف کے یہاں جو قربانی کے صرف تین دن ہیں ان کا یہ عمل حدیث کے خلاف ہے۔

تو صرف احناف ہی پر یہ نظر کرم کیوں؟ کیا تین روز قربانی کا مسئلہ صرف احناف کا ہے یا یہی مذہب جمہور کا بھی ہے؟ صحیح حدیث کے خلاف عمل کرنے کا طعنہ آخر جمہور کو کیوں نہیں دیا جاتا ہے صرف احناف ہی کے ساتھ یہ لطف ومحبت کا معاملہ کیوں؟ امام احمد اور امام مالک کے یہاں تین روز قربانی ہے یا چار روز کیا غیر مقلدین کو اس کا علم نہیں ہے؟ حضرت عمر فاروق حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کرام کا عمل تین روز قربانی کا تھا یا چار روز؟ ان صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کیا فیصلہ فرمائیں گے کیا وہ خلاف سنت قربانی کرتے تھے؟

ناظرین آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ قربانی کے ایام کے بارے میں جو مذہب احناف کا ہے وہی چاروں ائمہ میں سے امام مالک کا بھی ہے اور یہی مذہب امام احمد بن حنبل کا بھی ہے، اور صحابہ کرام میں سے یہی مذہب حضرت عمرؓ کا بھی ہے اور یہی مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، اور یہی مذہب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ہے اور یہی مذہب حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ کا بھی ہے۔

یعنی اگر ائمہ متبوعین کو دیکھا جائے تو تین امام ایک طرف ہیں، حضرت امام ابو حنیفہ حضرت امام مالک حضرت امام احمد بن حنبل ان تینوں ائمہ فقہ وحدیث کا مذہب یہی ہے

کہ قربانی کے ایام صرف تین دن ہیں، بقرہ عید کا دن اور دو دن اس کے بعد، اور صحابہ کرام کو دیکھا جائے تو یہی مذہب ان اجلہ صحابہ کرام کا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

اگر قربانی صرف تین دن کرنا حدیث کے خلاف ہے تو نگاہ کرم صرف احناف ہی کی طرف کیوں اٹھتی ہے، آخر دوسروں کا نام لیتے ہوئے شرم کیوں آتی ہے، غیر مقلدین میں ہمت ہے تو کہیں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ ان تمام اسلاف امت کا عمل حدیث کے خلاف ہے(۱)۔

---

(۱) المغنی لابن قدامہ حنبلی مذہب کی مشہور کتاب ہے اور ''والدنا'' یا غیر مقلدین شیخ ابن باز کو جو اپنے زمانہ میں سعودیہ کی سب سے بڑی دینی شخصیت سمجھے جاتے تھے اور جن کا توصیہ حاصل ہو جانے کے بعد پورے سعودیہ میں بڑی آسانی سے چندہ کیا جا سکتا تھا غایت محبت سے ''والدنا'' یعنی ہمارے والد صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں، میں نے ایک جگہ سگے باپ کے علاوہ لفظ والد کے استعمال پر اعتراض کیا تھا کہ کتاب وسنت سے سگے باپ کے علاوہ کسی کے لئے لفظ والد کا استعمال ہمیں نہیں ملتا، اس لئے اس کا استعمال باپ کے علاوہ کسی غیر کے لئے جائز نہیں، ابن باز کے لئے بھی اس کا استعمال جائز نہ ہوگا خواہ چندہ ملے یا نہ ملے، تو اس پر ایک ڈاکٹر صاحب جواباً فرماتے ہیں، دیکھو حدیث میں آتا ہے انا لکم مثل الوالد مگر یہ جواب جیسا ہے وہ ظاہر ہے یہاں حضورؐ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ میں تمہارا والد ہوں بلکہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ میں تمہارے لئے تمہارے والد کے مثل ہوں، اور آنحضورؐ کا یہ فرمانا اپنی جگہ بالکل درست ہے، میرے اعتراض کا یہ جواب نہیں، کتاب وسنت کے علاوہ عرب کے کلام میں اس لفظ والد کا استعمال غیر باپ کے لئے ہمیں نہیں ملا، نہ مجازاً نہ حقیقۃً، میرا مشورہ ہے کہ غیر مقلدین اس لفظ والدنا کا استعمال ابن باز کے لئے ترک کر دیں۔

شیخ ابن باز کے زیر اہتمام ریاض کے دارالافتاء سے شائع ہوئی ہے، اس میں قربانی کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

ایام النحر ثلاثة یوم العید یومان بعده وھذا قول عمرو علی وابن عمر و ابن عباس وابی ھریرة وانس، قال احمد ایام النحر ثلاثة عن غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ وھو قول مالک والثوری وابی حنیفة (المغنی ج۸ ص ۹۳۸)

یعنی قربانی کے تین دن ہیں، عید کا دن، اور دو دن اس کے بعد کے، اور یہی قول حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا بھی ہے حضرت امام احمد نے کہا کہ قربانی کے تین دن ہیں اور یہی بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے اور یہی قول امام مالک امام ثوری اور امام ابوحنیفہ کا بھی ہے۔

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ چاروں ائمہ میں سے تین اماموں کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کے ایام صرف تین ہیں، صرف امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قربانی چار روز کی جائیگی مگر غیر مقلدین اپنی عادت کے مطابق جمہور کے خلاف مذہب اختیار کرنے کے باوجود جری اتنے ہیں کہ ان ائمہ ثلاثہ بلکہ صحابہ کرام کے عمل کو بھی حدیث کے خلاف بتلا رہے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر مشہور مالکی حافظ حدیث، محدث فقیہ ہیں، مذہب مالکی میں ان کی مشہور کتاب کا نام الکافی ہے یہ کتاب بھی ''والدنا'' شیخ ابن باز کے دارالافتاء ریاض سے

شائع ہو کر مفت تقسیم ہوئی ہے، اس کتاب میں ایام نحر کے بارے میں لکھا ہے۔

ایام الذبح یوم النحر ویومان بعدہ ولایضحی فی الیوم الرابع.(ج ا ص ۴۲۳)

یعنی قربانی کے دن قربانی والا یعنی عید کا دن ہے اور دو دن اس کے بعد ہیں، اور چوتھے روز قربانی نہیں کی جائے گی۔

دیکھا آپ نے، امام احمد اور امام مالک کا مذہب بھی قربانی کے دن کے سلسلہ میں وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کا ہے، مگر غیر مقلدین کرم فرما صرف احناف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کا مذہب حدیث کے خلاف ہے، امام احمد اور امام مالک کے خلاف یہ گونگے بنے رہتے ہیں۔

قربانی کے صرف تین دن ہیں المغنی میں اس کی جو دلیل ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے، فرماتے ہیں:

ولنا ان النبی ﷺ نھی عن ادخارلحوم الاضاحی فوق ثلاث ولا یجوز الذبح فی وقت لا یجوز ادخالا الاضحیۃ الیہ ولان یوم الرابع لایجب الرمی فیہ فلم تجز التضحیۃ فیہ کا لذی بعدہ ولا نہ قول من سمینا من الصحابۃ ولا مخالف لھم الاروایۃ عن علی وقدروی عنہ مثل مذھبنا (ایضا)

یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین روز سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا، پس اس روز قربانی نہیں جائز ہوگی جس دن میں گوشت کے ذخیرہ کرنے کی ممانعت رہی

تھی۔اور دوسری دلیل یہ ہے کہ چوتھے دن رمی کرنا ضروری نہیں ہے
پس اس دن قربانی بھی جائز نہ ہوگی جیسے ان کے بعد کے دنوں میں،
تیسری دلیل یہ ہے کہ یہی مذہب ان صحابہ کرام کا بھی ہے جن کا اوپر
ہم نے نام لیا ہے۔اور ان کا کوئی مخالف نہیں ہے سوائے حضرت علی
کی ایک روایت کے، ان کی ایک دوسری روایت ہمارے مذہب
کے موافق ہے۔

قربانی تین ہی روز ہے اس بارے میں میں حضرت امام احمد کے دلائل آپ نے ملاحظہ فرمائے۔اور جیسا کہ معلوم ہوا یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے، امام مالک کے دلائل بھی یہی ہیں، نیز مؤطا میں امام مالک صحیح سند سے نقل کرتے ہیں۔

عن نافع ان ابن عمر قال الاضاحی یومان بعد یوم
الاضحی وقال وبلغنی عن علی بن ابی طالب مثله
یعنی نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ عید
کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں، امام مالک نے یہ بھی فرمایا کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی بات مجھے پہنچی ہے۔

میں نے یہاں حضرت امام ابوحنیفہ کے دلائل اس کے سوا مزید اور کیا ہیں ان سے تعرض نہیں کیا ہے اس لئے کہ ہم چاہتے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات پہلے امام مالک اور امام احمد بن حنبل سے نمٹ لیں، اس کے بعد ہی احناف کے بارے میں مخالف حدیث مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ فرمائیں جب ہم بھی انشاءاللہ کچھ عرض کریں گے۔

البتہ جن احادیث سے غیر مقلدین حضرات قربانی کے چار روز ہونے پر استدلال کرتے ہیں اس پر ایک نگاہ ڈال لی جائے تا کہ غیر مقلدین کے دلائل کا وزن بھی

معلوم ہو جائے۔

معلوم ہے کہ غیر مقلدین حضرات عام طور پر جمہور کے خلاف مذہب اختیار کرنے میں ابن قیم وابن تیمیہ کے مقلد ہوتے ہیں، یعنی ائمہ اربعہ کی تقلید کا انکار یہ کرتے ہیں مگر عام طور پر ان مسائل میں جن میں ابن قیم وابن تیمیہ کی رائے جمہور کے خلاف ہوتی ہے غیر مقلدین دلائل و مسائل میں انہی کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کا سارا میٹریل للصالہ انہیں دونوں کی تحقیقات و دلائل ہوتے ہیں، ابن قیم نے زادالمعاد میں قربانی کے چار دن ہونے پر جو نقلی دلائل پیش کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد حضرت جبیر بن مطعم نقل فرماتے ہیں۔

کل ایام التشریق ذبح (ج ۲ ص ۳۱۸)

یعنی ایام تشریق سب کے ایام ذبح ہیں (۱)

غیر مقلدین حضرات کا استدلال اس حدیث سے درج ذیل وجوہ سے باطل ہے

اس لئے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، خود ابن قیم فرماتے ہیں۔

الحدیث منقطع لا یثبت وصلہ (زادالمعاد ص ۳۱۷ ج ۲)

یعنی حدیث منقطع ہے، آنحضور تک اس کا موصول ہونا ثابت نہیں ہے۔

غیر مقلدین حضرات دوسروں سے صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن خود ان کے حرم میں ہر طرح کی گنجائش ہے، صحیح و غیر صحیح جس طرح کی حدیث سے چاہیں استدلال

---

(۱) ایام تشریق ان دنوں کو کہتے ہیں جن میں فرض نماز کے بعد زور سے تکبیر کہی جاتی ہے، یعنی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہ تاریخ کی عصر کے وقت تک کا دن۔

کریں، بہر حال یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ابن قیم کی تصریح آپ کے سامنے ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث ہی سے استدلال کرنا ہے تو پھر ان کو پوری حدیث پر عمل کرنا چاہئے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایام تشریق قربانی کے دن ہیں، اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ ایام تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہی سے شروع ہو جاتے ہیں، پس اس حدیث کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ نویں تاریخ ہی سے قربانی شروع ہو مگر ہمیں ایک غیر مقلد نظر نہیں آتا جو نو تاریخ کو بھی قربانی کرتا ہو، سوال یہ ہے کہ اس حدیث پر عمل کرنے والا یہ طریقہ آدھا تیتر آدھا بٹیر، غیر مقلدوں نے کیوں اختیار کیا ہے۔ نو تاریخ کو اس حدیث کی روشنی میں وہ قربانی کیوں نہیں کرتے ہیں۔

غرض اولا تو یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے قابل استدلال نہیں دوسرے یہ کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کی نو تاریخ بھی قربانی کا دن ہے، اور غیر مقلدین کا خود اس پر عمل نہیں پس حدیث دوسروں کے لئے کیسے حجت ہو سکے گی۔ غیر مقلدین کا دوسرا استدلال حضرت علیؓ کا یہ اثر ہے، آپ کا ارشاد ہے۔

ایام النحر یوم الاضحی وثلاثة ایام بعده (ایضا ص ۳۱۹ ج ۲)

یعنی قربانی کے چار روز ہیں ایک روز عید کا اور تین روز اس کے بعد کے۔

تو اس سلسلہ میں پہلی گذارش یہ ہے کہ حضرت علیؓ صحابی ہیں اور صحابی کا قول غیر مقلدین کے یہاں حجت نہیں۔

نواب صاحب بھوپالی فرماتے ہیں:

وقول الصحابی لاتقوم به حجه الرّوطة (الندية ۱۴۱ ج ۱)

یعنی صحابی کے قول سے حجت نہیں قائم ہوتی ہے۔

تو جب صحابی کے قول سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی ہے اور معرض استدلال میں صحابی کا قول غیر مقلدین کے یہاں مردود ہے تو پھر حضرت علیؓ کے اس قول کو دلیل بنانا کیسے جائز ہوگا۔؟

دوسرے یہ کہ جیسا کہ المغنی اور مؤطا امام مالک کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دو طرح کی روایت ہے، ایک یہ کہ قربانی کے ایام تین ہیں اور دوسری یہ کہ قربانی کے ایام چار ہیں، تو ان دونوں روایتوں میں سے چار والی روایت کو اختیار کرنے کی کوئی مضبوط دلیل ہونی چاہئے، اور وہ دلیل غیر مقلدین کے پاس نہیں ہے، البتہ تین دن والی روایت کو ترجیح اس لئے حاصل ہوگی کہ جیسا کہ المغنی میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب قربانی کے بارے میں تین دن کا تھا، تو وہ حدیث جو قول وفعل دونوں کے مطابق ہو اس کی ترجیح بالکل ظاہر ہے اس کو چھوڑ کر دوسری روایت کو اختیار کرنا عقل کے بالکل خلاف ہے، ان دونوں حدیث کے علاوہ کوئی اور صحیح حدیث اس بارے میں نہیں ہے جن سے غیر مقلدین کا استدلال درست ہو، اور ان دونوں حدیث کا حال معلوم ہو چکا کہ یہ قطعا غیر مقلدین کے اصول پر قابل استدلال نہیں ہیں۔

مگر تعجب ہے کہ غیر مقلدین اپنی کل اس جمع پونجی پر ایسے نازاں ہیں کہ جمہور ائمہ دین وصحابہ کرام کے عمل کو خلاف سنت بتلاتے ہیں، اور جو مذہب اہل اسلام کی اکثریت کا ہے اس کو وہ غلط کہتے ہیں۔ افسوس کہ اس بے راہ روی کے باوجود بھی ان کا دعوی یہی ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنے والے صرف وہی ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا یہ فرمان بھی ناظرین اپنے ذہن میں رکھیں، وہ فرماتے ہیں۔

ایام الاضحی التی اجمع علیها ثلاثة ایام (المغنی ج ۸

ص ۹۳۸)

یعنی قربانی کے ایام جن پر اجماع ہے تین دن ہیں۔

غیر مقلدین سے تو خیر انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی مگر عام ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ امام احمد کے اس ارشاد کی روشنی میں اور گذشتہ کی اب تک کی باتوں سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان لوگوں کا مذہب زیادہ قوی اور مضبوط ہے جن کا قول قربانی کے صرف تین روز کا ہے، چار روز والا مذہب دلائل کے لحاظ سے بھی قوی نہیں نیز اس میں احتیاط کا وہ پہلو بھی نہیں جو تین روز والے مذہب میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اجلہ صحابہ کرام کا بھی مسلک یہی تھا کہ وہ صرف تین روز قربانی کے قائل تھے جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح کیا گیا ہے۔

اب اخیر میں ایک بات جو غیر مقلدین حضرات سے پوچھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ اس مضمون کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے اکابر علماء کو تسلیم ہے کہ قربانی کی فضیلت کے سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے مگر غیر مقلدین اس کے باوجود قربانی کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چار روز قربانی کے بارے میں بھی آنحضورؐ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے لیکن غیر مقلدین حضرات چار روز قربانی ہی کو قربانی کی اصل سنت سمجھتے ہیں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح حدیث بخاری میں موجود ہے کہ آپ ﷺ جہاں دوگانہ ادا کرتے تھے وہیں (جس کو مصلیٰ کہا جاتا ہے) قربانی بھی کرتے تھے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بخاری کی اس صحیح حدیث پر غیر مقلدین کا عمل نہیں اور یہ لوگ عیدگاہ کے بجائے اپنے گھروں میں قربانی کرتے ہیں، بخاری کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اور وہ یہ ہے۔

عن ابن عمر قال كان النبي ﷺ يذبح وينحر بالمصلى

(رواه البخاری، مشکوٰة)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دوگانہ ادا
کرنے کی جگہ قربانی کیا کرتے تھے۔

ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے لئے وہ شورا اور شوری اس صحیح حدیث سے آنکھ بند کر لینے کا مجرمانہ عمل غیر مقلدین نے کیوں اختیار کیا ہے؟ کیا غیر مقلدین حضرات اس کا کوئی معقول جواب دیں گے؟

امامت کا حقدار کون

اقرأی ناعلم؟

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　مزاج گرامی!

زمزم پابندی وقت سے مل رہا ہے، خدا کا شکر ہے اس کا ہر شمارہ ایک نئی آن بان سے جلوہ افروز ہوتا ہے غیر مقلدیت کی حقیقت سے اب تک ہمارے بہت سے بھائی بے خبر تھے، زمزم کے شماروں سے ہمیں بہت آگاہی ملی، آپ کی کتابوں سے غیر مقلدین پریشان ہیں، اب ان کا مشغلہ سب وشتم رہ گیا ہے۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث دہلی سے شائع ہونے والے جریدہ "ترجمان اہلحدیث" میں آپ کے خلاف مختلف حضرات کے مسلسل مضامین آرہے ہیں۔ ایک مضمون تقلید کے برگ وبار" کے عنوان سے قسط وار آرہا ہے، مضمون نگار کوئی نومشقے معلوم ہوتے ہیں زبان بڑی تیز اور طرز نگارش بہت دل آزار، موصوف آتش زیرپا۔

آٹھویں قسط (۲۰ رنومبر ۱۹۹۸ء) میں امامت کے مسئلہ پر بحث ہے، موصوف کا فرمان ہے کہ حدیث میں قرأ کو پہلے نمبر پر رکھا گیا ہے، اور فقہ حنفی میں حدیث کی ترتیب کے خلاف اعلم بالسنۃ کو پہلے رکھا گیا ہے، نیز ثم الاکبر راسأ والاصغر عضواً کا مسئلہ بھی درمختار

میں ہے، اس کی تشریح اتنے پھوہڑ انداز میں کی ہے کہ اس کو نقل نہیں کیا جا سکتا، باتیں تو اور بھی بہت کچھ ہیں مگر ان میں اہم یہ دو باتیں ہیں، براہ کرم آپ ان دونوں باتوں کی اپنے قلم سے وضاحت فرمادیں۔ بعض حضرات کو بطور خاص انہیں دو باتوں میں خلجان ہے۔ آپ کے جواب سے انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

والسلام

خادم انیس الرحمٰن کریم نگر آندھرا پردیش

زمزم!

ترجمان اہلحدیث ہمارے پاس نہیں آتا ہے، کبھی مؤ کبھی دہلی میں اس کی زیارت ہو جاتی ہے، غازی پور میں ایک صاحب منگواتے ہیں کبھی وہ کرم فرماتے ہیں تو اس سے قلب ونظر کو سرور حاصل ہوتا ہے، آپ کا خط پا کر میں نے یہ شمارہ حاصل کیا اور دیکھا، مضمون نگار کے بارے میں آپ کا تاثر درست ہے، بیچارے نومشقے ہی ہیں۔ مطالعہ محدود فکر سطحی، ذہن آلودہ، قلب مریض، قلم بے باک یعنی موصوف مضمون نگار میں وہ تمام صفات ہیں جو سلفیت زدہ غیر مقلدیت کا خاصہ بن گیا ہے۔

زمزم کی یہ پالیسی نہیں ہے کہ ہر شخص کو منہ لگایا جائے اور ہر مخالف تحریر کا جواب دیا جائے، آپ کے مکتوب میں ذکر کردہ ان دومسئلوں کے بارے میں آپ اور آپ کے رفقاء کے اطمینان کی خاطر سطور درج ذیل پیش خدمت ہیں۔

امامت میں اعلم کو مقدم کیا جائے یا اقرا کو سلف دونوں طرف گئے ہیں، ائمہ فقہ وحدیث میں جو مذہب حنفیہ کا ہے، یعنی مجرد اقرأ کے مقابلہ میں اعلم باحکام الشرع کو امامت کے لئے مقدم کیا جائے گا یہی مذہب امام شافعی اور امام مالک کا بھی ہے فتح الباری میں ہے۔

قال النووی قال اصحابنا الافقه مقدم علی الاقراء.

(ص ۱۷۱ ج ۲)

یعنی امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا کہنا یہ ہے کہ عالم شریعت کو اقرا پر مقدم کیا جائے گا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے الکافی مالکیہ کی مشہور کتاب ہے اس کی جلد اول ص ۲۱۰ میں اس کی تصریح ہے اور جو مذہب ان تینوں ائمہ کرام یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا ہے یہی مذہب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بھی ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فاذا کان الرجلان من اهل الدیانة فایهما کان اعلم بالکتاب والسنة وجب تقدیمه علی الآخر متعیناً

(فتاویٰ ج ۲۳ ص ۳۴۱)

یعنی اگر دو آدمی ہوں اور دونوں دیندار ہوں تو ان میں سے کتاب و سنت کے واقف کار کو مقدم کرنا متعین طور پر واجب ہے۔

اور جو مذہب ائمہ ثلاثہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ہے، وہی مذہب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، امام بخاری بخاری شریف میں فرماتے ہیں:

باب اهل العلم والفضل احق بالامامة (بخاری)

یعنی اس کا بیان کہ علم و فضل والے امامت کے زیادہ حقدار ہیں۔

اب اگر غیر مقلدین میں عدل پرستی و جرأت و ہمت ہے تو اس مسئلہ کو لے کر دہ فقہ حنفی کے خلاف جتنی فحش کلامی کرتے ہیں وہ تمام بدکلامیاں حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حضرت امام بخاری رحمہم اللہ کے خلاف کر کے دکھلائیں

اور ان تمام اسلاف کرام کو حدیث رسول ﷺ کا مخالف گردانیں۔

آپ کے مضمون نگار صاحب فرماتے ہیں:

"حدیث سول میں قرآن کے قاری کو اول درجہ دیا گیا ہے لیکن فقہ حنفی میں یہ کہا جا رہا ہے کہ امامت کا مستحق وہ ہے جو نماز کے احکام زیادہ جانتا ہو"

اگر مضمون نگار کا مطالعہ وسیع ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ یہ صرف فقہ حنفی ہی کی بات نہیں ہے بلکہ یہی جمہور ائمہ فقہ وحدیث اور امام بخاری اور امام ابن تیمیہ کا مذہب ہے، اس لئے وہ فقہ حنفی کے خلاف بدزبانی کرنے کے بجائے پہلے امام مالک، امام شافعی، امام بخاری اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں فیصلہ فرمائیں کہ ان کا مذہب حدیث کے خلاف ہے یا حدیث کے موافق۔

مضمون نگار صاحب اقرأ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جسے قرآن پڑھنے کا علم زیادہ ہوگا یا قرآن زیادہ یاد ہوگا اسے امامت کے لئے منتخب کیا جائے گا جو عالم دین ہوگا وہ امامت کا حقدار ہوگا"

اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ اقرأ کی یہ تفسیر کتاب وسنت کی روشنی میں ہے یا موصوف کی اپنی رائے ہے، اگر کتاب وسنت کی روشنی میں یہ تفسیر ہے تو اس کا حوالہ دیں اور اگر یہ ان کی یا کسی اور کی رائے ہے تو حدیث کے کسی لفظ کا اپنی رائے سے مطلب بیان کرنا غیر مقلدین کے نزدیک کہاں سے جائز ہوگیا ہے، دین میں رائے سے کوئی بات کہنا تو غیر مقلدین کے نزدیک حرام ہے، یہ کام تو مقلدین کرتے ہیں۔

دوسری گذارش ہے کہ اقرأ کا معنی قرآن کی زیادہ تلاوت کرنے والا لینے سے

کون سی چیز مانع ہے، اگر کوئی احکام شریعت اور مسائل نماز سے ناواقف اور جاہل شخص روزانہ پانچ پارہ تلاوت کرنے کا عادی ہو اور دوسرا شخص جو احکام شریعت اور مسائل نماز کا واقف کار ہو مگر اس کا روزانہ تلاوت کرنے کا معمول صرف دو پارہ ہے تو اقرأ والی حدیث کے پیش نظر پہلے شخص ہی کو نماز میں امامت کرنے کا زیادہ حق ہونا چاہئے نہ کہ اس دوسرے شخص کو اس لئے کہ اقرأ پہلا شخص ہے دوسرا نہیں اگر غیر مقلدین کا یہی مذہب ہے تو اس کا وہ برملا اظہار کریں۔

غیر مقلدین جو اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں یہ مساکین حدیث کا نام تو لیتے ہیں مگر نہ ان کو قرآن کی سمجھ ہوتی ہے اور نہ حدیث کے معانی و مفاہیم کا ادراک ہوتا ہے، وہ الفاظ کے ظاہر کو دیکھ کر اپنا من مانا فیصلہ کر لیتے ہیں، انہوں نے مسلم شریف کی حدیث میں اقرأ کا لفظ دیکھ لیا بس لگے اچھلنے کودنے اور بدزبانی کی دوکان سجانے حدیث میں اقرأ کا کیا مطلب ہے اس کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنئے ابن تیمیہ مسلم شریف کی اقرأ والی حدیث نقل کر کے اقرأ کا مطلب جو بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

فامر النبی ﷺ بتقدیم الافضل بالعلم بالکتاب (فتاوی ص ۳۵۷ ج ۲۳)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے یہ امر فرمایا کہ جو کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہو اس کو امامت میں مقدم کیا جائے۔

آپ غور فرمائیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نزدیک اقرأ کا مطلب کیا ہے اور غیر مقلدین اقرأ کا مطلب کیا سمجھ رہے ہیں اور اپنی اس حدیث دانی کے بل بوتے پر فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ جمہور ائمہ فقہ، حدیث، اور امام بخاری و امام ابن تیمیہ کے مذہب کے خلاف یہ میدان میں آکودتے ہیں، واہ رے جرأت و ہمت۔

ان غیر مقلدین کے حق میں فیصلہ خداوندی غالباً یہی ہے کہ وہ اکابر و اسلاف فقہاء و محدثین کے خلاف اپنی زبان کو بے لگام کریں اور اس طرح وہ خدائی غضب کے مستحق قرار پائیں۔

اللھم انی اعوذبک من غضبک وسخطک

ناظرین شاید آپ کو معلوم ہو کہ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اقرأ کا لفظ حضرت ابی بن کعبؓ کے لئے وارد ہوا ہے، اور اعلم کا لفظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں، اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی جگہ جس کو امام مقرر فرمایا تھا وہ ''اعلم'' یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ''اقرأ'' یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نہیں تھے، گویا آپ نے عملاً اپنی زندگی کے بالکل آخری ایام میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ امامت کا زیادہ مستحق اقرأ کے مقابلہ میں اعلم ہے، اس واضح حقیقت سے غیر مقلدین نے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور انہوں نے مذہب حنفی کے خلاف بدزبانی ہی کو دین کی اصل خدمت سمجھ رکھا ہے۔ خدا ان کو ہدایت دے۔

ناظرین سے یہاں ایک بات اور عرض کرنی ہے، غیر مقلدین جس حدیث سے اس مسئلہ میں استدلال کرتے ہیں وہ مسلم شریف کی حدیث ہے، ہمیں ایک حدیث بخاری شریف میں بھی نظر آئی، حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہماری آمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہوئی، ہمارا قیام آپ کے پاس بیس روز رہا جب ہماری واپسی کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ہمیں نماز کی تاکید و ہدایت فرمائی، آپ نے ہم سے فرمایا:

واذا حضرت الصلوۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤم اکبرکم (بخاری مع فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۰)

یعنی جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور تم میں

سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اس حدیث میں صاف حکم فرما رہے ہیں کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے، یہ بخاری کی روایت ہے اور سب کو معلوم ہے کہ مسلم شریف کے مقابلہ میں بخاری شریف کا درجہ اونچا ہے، غیر مقلدین جو بخاری سے محبت کا دم بھرتے ہیں انہوں نے اس مسئلہ امامت میں جو بخاری کا مذہب ہے اس سے بھی اختلاف کیا ہے اور بخاری شریف میں جو روایت ہے اس سے بھی آنکھ پھیر لی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح کی اس مذکورہ روایت سے غیر مقلدین نے جو منہ پھیر لیا ہے اس کا ان کے پاس معقول عذر کیا ہے، کیا غیر مقلدین کرم فرما کر ہمیں اس سے آگاہ کریں گے؟

حاصل کلام یہ ہے کہ فقہ حنفی کا مسئلہ فرمان رسول اور آپ ﷺ کی سنت کے عین مطابق ہے اور جو فقہ حنفی کا مسئلہ ہے وہی امام مالک، امام شافعی، امام بخاری اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کا بھی مذہب ہے اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر اس بات کے حق ہونے پر مہر بھی ثبت فرمادی، غیر مقلدین کا اس بارے میں سارا شور وغوغا نہیق حمار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، اس لئے اس کی طرف ملتفت ہونے کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

اب آئیے دوسری بات کی طرف۔

موصوف مضمون نگار نے ثم الاکبر راسا والاصغر عضوًا کا جو مطلب سمجھا ہے وہ ان کی فقہ دانی کی عجیب وغریب مثال ہے، درمختار کی عبارت کا مطلب کیا ہے اور موصوف اس کا مطلب کیا سمجھ رہے ہیں (۱) بقیہ اگلے صفحہ

موصوف نے درمختار کی عبارت میں لفظ عضو دیکھ کر اردو والا عضو مخصوص یعنی مخصوص شرم گاہ سمجھ لیا ہے اور اسی کو بنیاد بنا کر فحش کلامی کا وہ نمونہ پیش کیا ہے کہ شرافت انسانی سر پیٹ کر رہ

جاتی ہے، ان کی بدگوئیوں، ٹھٹھا اور تمسخر کا جواب تو نہیں دیا جا سکتا کہ ہمارے پاس نہ موصوف کا مخصوص قلم ہے اور نہ ان کی مخصوص زبان البتہ ہم موصوف سے یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے فقہ وحدیث میں عضو کا لفظ بول کر مخصوص شرمگاہ کا معنی کہا مراد لیا گیا ہے، کسی بھی فقہ کی کتاب یا کسی بھی حدیث کی کتاب سے اس کی صرف ایک مثال پیش کر دیں کہ عضو بول کر اس کا معنی مخصوص شرمگاہ لیا گیا ہے۔

درمختار کی عبارت سمجھنے کا سلیقہ ہوتا تو خود اسی جگہ اس کی شرح میں نظر آ جاتا کہ جس نے عضو سے مخصوص شرمگاہ سمجھا ہے، اس نے غلط سمجھا ہے، عبارت کا مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جو مضمون نگار کے ذہن میں ان کی کج فکری اور خیانت نفس کی وجہ سے جم گیا ہے، اس عبارت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ چونکہ حدیث میں موجود لوگوں میں بہتر افراد کو امام بنانے کا حکم موجود ہے، اور بہتر اوصاف میں سے ایک وصف آدمی کا عقل وفہم اور تناسب اعضاء

---

(۱) اس کی شرح صاحب ردالمحتار نے یہ کی ہے لانہ یدل علی کبر العقل یعنی مع مناسبة الاعضاء لہ والا فلو فحش الراس کبرا والا عضاء صغرا کان دلالة علی اختلال ترکیب مزاجہ المستلزم لعدم اعتدال عقلہ یعنی سر کا بڑا ہونا عقل کی زیادتی کی علامت ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ بقیہ اعضاء سے تناسب برقرار ہو، ورنہ اگر بقیہ اعضاء بہت چھوٹے ہوں اور سر ان کے مقابلہ میں بہت بڑا ہو تو یہ اس کے مزاج کی ناہمواری اور عقل کی بے اعتدالی کی علامت بن جائے گی اس سے معلوم ہوا کہ والاصغر عضوا میں عضو سے مراد سر کے علاوہ بقیہ اعضاء بدن ہیں نہ کہ عضو مخصوص اس لئے کہ الاکبر راسا والاصغر عضوا ملا کر ایک حال بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سر کا بڑا ہونا اسی وقت محسوس ہوگا جب کہ بقیہ تمام اعضاء کے مقابلہ میں اس کی بڑائی بادی النظر میں محسوس ہو۔ نہ کہ ایک خاص عضو سے تقابل مقصود ہوگا۔ علامہ شامی نے اس احتمال کو یکسر مسترد کر دیا ہے اور اس کے ذکر کو بھی مناسب نہیں قرار دیا۔ مراد ہونا تو دور کی بات ہے۔

میں ممتاز ہونا بھی ہے، اس وجہ سے اگر مختلف جہات سے لوگ برابر ہوں تو یہ بھی دیکھا جائے گا کہ عقل وفہم اور تناسب اعضاء کے لحاظ سے کون بڑھ کر ہے، اگر اس وصف میں کوئی ممتاز نکلا تو اس کو امامت میں مقدم کیا جائے گا، اور چونکہ عقل وفہم ایک باطنی چیز ہے، اس کا ادراک علامتوں سے ہو گا، اور انہیں علامتوں میں سر کا بڑا ہونا اور اعضاء بدن کا متناسب ہونا بھی ہے اس وجہ سے فقہ کی کتابوں میں اس کا بیان ہے، اور یہ بیان بھی حدیث کی روشنی ہی میں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

اجعلوا ائمتکم خیارکم (فتاویٰ ابن تیمیه ج ۲۳ ص ۳۵۷)

یعنی جو تم میں کے بہتر ہوں ان کو امام بناؤ۔

ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

اذا ام الرجل القوم و فیھم من ھو خیر منه لم یزالوافی سفال (ایضا)

اگر ایسا ہو کہ لوگوں کی امامت بہتر کی موجودگی میں دوسرا کرے گا تو لوگ ہمیشہ پستی میں رہیں گے۔

ان حدیثوں کی روشنی میں فقہ حنفی کا مسئلہ بالکل واضح ہے، آدمی کے متناسب اعضاء والا اور صاحب عقل وفہم ہونا ایسا وصف ہے جس کی بہتری وخوبی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اس لئے امامت کی ترتیب میں اس کی بھی رعایت ہوگی، اور یہ رعایت عین حدیث کے مطابق ہے، مگر غیر مقلدین کا حال تو یہ ہے کہ ان کو عسل مصفی بھی زہر ہلاہل ہی نظر آتا ہے، اور چونکہ مزاج فاسد ہے اس وجہ سے شراب طہور میں ان کو ماء آسن کی بدمزگی اور کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے، اور اسلاف کی شان میں بدگوئیاں ان کا مقدر بن گیا ہے اس وجہ سے ان کو اپنی زبان وقلم پر قابو نہیں رہ گیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ ان کی فحش گوئی کے جواب

میں انه لا یعنینا کہہ کر آگے بڑھ جائیں، اور غیر مقلدین کے لئے دعا بھی فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم دکھائے، وہ ضلالتوں سے نکلیں اور اسلام کی شاہرہ حق پر آجائیں، اس وقت خلوص کے ساتھ غیر مقلدین کے لئے دعاء خیر کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

نماز میں رفع یدین کے بارے میں
ایک خط اور اس کا جواب

مخدومنا المکرم حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

زمزم کے اب تک کے سب شمارے ملے، زمزم کا یہاں ہر ایک کو شدت سے انتظار رہتا ہے اور جس کے ہاتھ لگتا ہے وہ شروع سے آخر تک پڑھے بغیر واپس نہیں کرتا، اہلحدیث حضرات کی پھیلائی ہوئی بہت سی غلط فہمیاں زمزم کے چند ہی شمارے سے رفع ہو گئیں، آپ کا طرز تحریر اور آپ کے دلائل بہت اطمینان پیدا کرتے ہیں، زمزم کا حلقہ وسیع کرنے کی پوری کوشش جاری ہے۔

نماز میں اہلحدیث حضرات تین جگہوں پر رفع یدین کرتے ہیں اور اس بارے میں بخاری شریف کا حوالہ دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بخاری شریف کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ حدیث کی کتابوں میں سب سے صحیح کتاب ہے۔

براہ کرم آپ اس بارے میں کچھ تحریر فرمادیں، ہمیں شدت سے انتظار ہے۔

والسلام محمد علاء الدین کرنول

زمزم!

زمزم کے بارے میں آپ کا تاثر ادارہ زمزم کے لئے باعث مسرت ہے اس کا حلقہ وسیع کرنے کی بہت ضرورت ہے، ادارہ پر مالی بار بہت پڑ رہا ہے۔

جو سوال آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اس بات کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ غیر مقلدین کو آپ اہلحدیث کے نام سے یاد کر رہے ہیں، غیر مقلدوں کے لئے اہلحدیث کا استعمال وضع الشیء فی غیر محلّہ کا مصداق ہے، ان کا نام یا تو غیر مقلد ہے، یا لا مذہب ہے یا آزاد یئے ہے، نہ ان کو سلفی کہنا درست ہے اور نہ اہلحدیث کہنا جائز ہے، جس طرح منکرین سنت کو اہل قرآن کہنا میرے نزدیک سخت معیوب ہے۔

رہا رفع یدین کا مسئلہ تو اس پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ مزید اس پر خامہ فرسائی کی بظاہر کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، پاکستانی عالم مولانا محمد الیاس فیصل مقیم حال مدینہ منورہ کی کتاب نماز پیمبر کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اس کتاب میں نماز کے تمام مشہور مسائل پر کتاب و سنت کی روشنی میں بہت اچھی گفتگو کی گئی ہے۔

آپ کے اس خط کے پیش نظر چند باتیں لکھتا ہوں، خدا کرے مفید ثابت ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کا رفع یدین پر اس درجہ اصرار کرنا کہ سنت کے درجہ سے اٹھا کر واجب کے درجہ تک پہنچا دیا جائے شریعت کی تحریف ہے، جس کا گناہ بہت عظیم ہے، آج کل ان حضرات نے رفع یدین جو ایک سنت عمل تھا، اس کو واجب کا درجہ دے دیا ہے بلکہ آگے بڑھ کر اب یہ کہا جانے لگا ہے کہ رفع یدین چھوڑنے سے نماز ہی باطل ہو جاتی ہے۔ (قرۃ العینین ص ۶۹)

اکابر علمائے غیر مقلدین کے یہاں اس مسئلہ میں وہ شدت نہیں تھی جو آج دیکھی

جارہی ہے۔مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی فتاوٰی نذیریہ میں فرماتے ہیں کہ رفع یدین میں جھگڑا کرنا تعصب اور جہالت کی بات ہے، کیونکہ آنحضور ﷺ سے دونوں ثابت ہیں' دلائل دونوں طرف ہیں۔(ج ا ص ۱۴۱)

نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی جماعت غیر مقلدین کے بڑے اونچے عالم اور مجدد وقت تھے، ان کی کتاب روضۃ الندیہ غیر مقلدین کے یہاں بہت معتبر کتاب ہے، نواب صاحب اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''رفع یدین وعدم رفع یدین نماز کے ان افعال میں سے ہے جن کو آنحضورؐ نے کبھی کیا ہے اور کبھی نہیں کیا ہے، اور سب سنت ہے، دونوں بات کی دلیل ہے، حق میرے نزدیک یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں''۔(ص ۱۴۸)

اور اسی کتاب میں حضرت سید شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں **ولا یلام تارکه وان ترکه مدة عمره (ص ۱۵۰)**

یعنی رفع یدین کے چھوڑنے والے کو ملامت نہیں کی جائے گی اگرچہ پوری زندگی وہ رفع یدین نہ کرے۔

غیر مقلدین کے اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں آنحضورؐ سے ثابت ہے اور دونوں سنت ہے، اب اہلحدیث ہونے کا تقاضا تھا کہ یہ حضرات دونوں سنتوں پر عامل ہوتے مگر ان کا عمل یہ ہے کہ ایک سنت پر تو اصرار ہے اور دوسری سنت سے انکار ہے، بلکہ دوسری سنت پر جو عمل کرتا ہے اس کو برا بھلا کہا جاتا ہے،سنت پر عمل کرنے والوں کو برا بھلا کہنا کتنی بڑی گمراہی ہے، آپ نے

کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کسی حنفی نے رفع یدین کرنے والوں کو اس کے رفع یدین کرنے پر برا بھلا کہا ہو۔ جھوٹ ہے

ایک بات اور غور فرمائیے کہ آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد کہیں منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ لوگو صرف رفع یدین والی سنت پر عمل کرنا میری دوسری سنت عدم رفع یدین پر عمل مت کرنا۔ اب جو غیر مقلدین حضرات دونوں سنتوں میں سے صرف ایک سنت کو اختیار کرتے ہیں یہ ان کی رائے ہے، اگر سنت پر عمل کرنے کا جذبہ ہوتا تو وہ دونوں سنتوں پر عمل کرتے یا کم از کم جو دوسری سنت پر عمل کرتا ہے اس کو برا بھلا نہ کہتے، غرض اس کا ایک سنت پر عمل کرنا اور دوسری سنت پر عمل نہ کرنا یہ محض رائے سے ہے، حالانکہ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ رائے کو دین نہیں بنانا چاہیے۔ اگر ان کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے سے ایک ہی سنت کو اختیار کریں تو دوسرے کو اس کا اختیار کیوں نہیں کہ وہ دوسری سنت کو اختیار کرے۔

آپ نے لکھا ہے کہ غیر مقلدین تکبیر اولی کے علاوہ دو جگہ رفع یدین کرتے ہیں، لیکن رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت، اور کہتے ہیں کہ بخاری میں ایسا ہی لکھا ہے، غیر مقلدین لوگوں کو بہت دھوکا دیتے ہیں، کچھ باتوں کا چھپانا اور کچھ کو ظاہر کرنا ان کا عام شیوہ ہے، یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے، اور انہیں کی روایت بخاری کے اسی صفحہ پر یہ بھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ دو رکعت سے کھڑے ہونے پر بھی رفع یدین کرتے تھے، مگر غیر مقلدین اس چوتھی جگہ کا ذکر نہیں کرتے ہیں اور عموما اس کو چھپا لیتے ہیں، اگر حدیث پر عمل کرنے کا جذبہ ہوتا تو وہ تمام صحیح حدیثوں کو سامنے رکھتے۔

محلی ابن حزم مشہور کتاب ہے، غیر مقلدین حضرات ابن حزم کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں، وہ امام بخاری کی کتاب المفرد سے نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری نقل

فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کئی جگہ رفع یدین کرتے تھے نماز شروع کرتے وقت، رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت، سجدہ کرتے وقت اور ہر دو رکعت کے درمیان۔ دیکھئے اس حدیث میں حضرت ابن عمرؓ کا رفع یدین کا عمل کئی جگہ ثابت ہے، اور امام بخاری کی یہ حدیث سنداً صحیح ہے، مگر غیر مقلدین حضرات امام بخاری کی صرف اس بات کو مانیں گے (اور وہ بھی جو ان کے حسب منشاء ہو) جو بخاری شریف میں ہوگی۔

حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ہے اور بمبئی سے غیر مقلد ادارہ نے اس کو شائع کیا ہے، اس کتاب میں صحیح سند سے یہ اثر منقول ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا ہے حضرت مجاہد عبداللہ بن عمرؓ کے مخصوص شاگرد ہیں اور ان کی صحبت میں کئی سال رہے ہیں، ان کا یہ فرمانا بہت بڑی سند ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا خود معمول یہ تھا کہ وہ صرف ایک بار رفع یدین کرتے تھے۔

(۵) غرض حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کے سلسلہ میں مختلف طرح کی روایات ہیں، صرف ایک دفعہ نماز کے شروع کے وقت، اور دو دفعہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت چوتھی جگہ دونوں رکعت سے اٹھتے وقت، پانچویں جگہ سجدہ کرتے وقت، ان تمام روایات کا انکار کرنا آسان نہیں ہے، صحیح سندوں سے یہ تمام روایتیں ثابت ہیں، مگر غیر مقلدین حضرات جو کہتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں ان کا عمل صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت پر ہے اور بقیہ ساری روایتوں کو وہ چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ ان کو غلط ثابت کرنے کا اہم فریضہ بھی انجام دیتے ہیں اور طعنہ دیں گے مقلدوں کو کہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے ہیں۔

آج کل غیر مقلدین حضرات اس کا بہت پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ ہم وہی مانیں

گے جو بخاری و مسلم میں ہے، حقیقت یہ کہ یہ رجحان انکار سنت کی طرف بہت بڑا قدم ہے، اس کا تو مطلب یہ ہے کہ بخاری و مسلم کے علاوہ احادیث کی جو دوسری کتابیں ہیں ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں، ان کی ساری احادیث غیر معتبر ہیں، یہ رجحان بڑا خطرناک ہے۔

امام بخاری کی منقبت بیان کرتے ہوئے غیر مقلدین کی کتاب الارشاد میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث یاد ہے اور بخاری شریف میں مکرر حدیثوں کو حذف کرنے کے بعد صرف دو ہزار چھ سو تئیس حدیثیں ہیں۔ (ایضا) تو امام بخاری کی بقیہ صحیح احادیث جو ستانوے ہزار سے زیادہ تھیں وہ کیا ہوئیں کیا ان کا کسی اور محدث کو پتہ نہیں لگا، ظاہر بات ہے کہ یہ صحیح احادیث بھی محدثین میں پھیلی ہوں گی خصوصا امام بخاری کے شاگردوں میں تو ضرور پھیلی ہوں گی، تو دوسری کتابوں کی صحیح احادیث کو نظر انداز کئے جانے کا جذبہ کہاں تک معقول ہے۔ غیر مقلدین حضرت کا طرز عمل بڑا عجیب سا ہے جب ان کے مذہب ورائے کے خلاف کوئی صحیح حدیث ہو گی تو وہ اس کو ہزار تاویل سے رد کر دیں گے اور رہیں گے پھر بھی وہی پکے اہلحدیث **الحمد للہ**

مسلم شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے جس میں آنحضورؐ کا یہ حکم موجود ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ غیر مقلدین یوں تو کہیں گے کہ ہم مسلم کی تمام حدیثوں کو صحیح مانتے ہیں، مگر آپ یہ حدیث ان کو سنائیں چہرہ پر شکن پڑ جائیگی منہ بنالیں گے، اور ماننے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوں گے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضورؐ کا یہ حکم تھا کہ گرمی کے دنوں میں نماز ظہر اول وقت میں مت پڑھو تاخیر سے پڑھو، مگر آپ غیر مقلدین کا معمول دیکھیں گے تو مئی اور جون کے زمانہ کی سڑی گرمیوں میں بھی یہ اول ہی وقت میں نماز پڑھیں گے، آپ بتلایئے کہ کیا اس کا نام عمل بالحدیث ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ اللہ نے حق حضرت عمرؓ کی زبان پر نازل کیا تھا اس

سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی زبان سے دین وشریعت کے بارے میں ناحق بات نہیں نکلے گی، مگر تراویح وطلاق والے مسئلہ میں ان حضرات کی تحریر پڑھئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جوان کی زبان درازیاں ہیں اس پر نظر کیجئے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔(۱)

میں نے عرض کیا کہ اکابر غیر مقلدین کو خود اعتراف تھا کہ رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں ہی سنت ہیں، اولیٰ اور غیر اولیٰ ہونے کی بات الگ ہے کسی کے یہاں ان دونوں سنتوں میں سے کوئی اولیٰ ہے اور کسی کے یہاں کوئی اولیٰ ہے مگر سنت پر عمل دونوں گروہوں کا ہے۔

رفع یدین نہ کرنا بھی سنت ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں پیش خدمت ہیں مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز میں لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا یہ تم لوگ ہاتھ کیوں اٹھا رہے ہو، نماز میں سکون اختیار کرو۔

یہ مسلم شریف کی روایت ہے، اور اس میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر آنحضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اور نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس واضح روایت کا غیر مقلدین مختلف تاویلیں کر کے انکار کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ نماز نہ پڑھاؤں جو آنحضور ﷺ کی نماز تھی، پھر آپ نے نماز پڑھائی اور صرف شروع میں ایک

---

(۱) براہ کرم صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا مذہب وعقیدہ جاننے کے لئے مکتبہ اثریہ سے شائع ہونے والا رسالہ ''صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر'' ملاحظہ فرمائیں۔

مرتبہ رفع یدین کیا، امام ترمذی اس روایت کو حسن کہتے ہیں، ابن حزم بھی اس کو صحیح کہتے ہیں، غیر مقلدین کے محدث دوراں شیخ البانی بھی اس روایت کو صحیح کہتے ہیں، اور پاکستانی غیر مقلد عالم مولانا عطاء اللہ حنیف بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے۔ غرضیکہ محدثین کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کا انکار کرنا جائز نہیں ہے، یہ حدیث بالکل صحیح ہے، مگر متعصب غیر مقلدین اس اس صحیح روایت کو گلا پھاڑ کر ماننے سے انکار کرتے ہیں اور پھر بھی کہیں گے کہ ہم اہلحدیث ہیں، ان دو حدیثوں کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کا ذکر یہاں طوالت کی وجہ سے نہیں کیا جا رہا ہے۔ نماز پیمبر اور اختلاف امت اور صراط مستقیم مصنفہ مولانا مفتی یوسف لدھیانوی دیکھ لیں۔

البتہ یہاں پر ایک سوال کر سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی جو روایت ہے اس کے مقابلہ میں ترک رفع یدین کی روایت کو احناف کیوں ترجیح دیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احناف نے اس سلسلہ میں محدثین کے اصول کو پیش نظر رکھا ہے، محدثین کا اصول یہ ہے کہ وہ روایت زیادہ قابل اعتماد ہوتی ہے جس میں راوی سے کئی طرح کی بات منقول نہ ہو، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی بقول مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث تھے، ان کے زمانہ میں علم حدیث ان پر ختم تھا۔ (دیکھو مقدمہ تحفۃ الاحوذی) وہ اپنی مشہور زمانہ کتاب فتح الباری میں ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولم یختلف علی راویھا فی ذلک فکان علیھا الاعتماد (ج ۲ ص ۳۸)

یعنی اس روایت کے راوی سے ایک ہی طرح کی روایت ہے اس اس لئے اسی پر اعتماد ہوگا (اس روایت پر اعتماد ہوگا جو راوی سے کئی

طرح سے مروی ہے)

یہ ہے محدثین کا اصول، اب آپ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھیں کہ احناف نے عدم رفع یدین کے بارے میں اس کا کتنا لحاظ رکھا ہے۔

آپ نے ابھی معلوم کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رفع یدین کے سلسلہ میں کئی طرح کی بات منقول ہے، خود بخاری میں ان سے دوطرح کی روایت ہے، دوسری احادیث کی کتابوں میں کئی جگہ ان سے رفع یدین منقول ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود صرف شروع ہی میں رفع یدین کرتے تھے، ان مختلف احادیث میں سے غیر مقلدین نے بھی سب کو چھوڑ کر صرف تین جگہ والی روایت لی۔

بخلاف ترمذی کی جو حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت ہے ان سے بس ایک ہی طرح سے مروی ہے، یعنی عدم رفع یدین کا عمل، اس لئے محدثین کے قاعدہ واصول کے مطابق ترجیح اس روایت کو حاصل ہوگی جس کا راوی صرف ایک طرح کی بات نقل کرتا ہے، اور وہ راوی جس سے ایک ہی مسئلہ میں کئی طرح کی بات منقول ہے، اس کی روایت مرجوح ہوگی خواہ وہ روایت کہیں بھی ہو۔

بخاری ومسلم کی روایتوں اور تمام احادیث صحیحہ وضعیفہ کو سامنے رکھ کر ہی محدثین نے اصول بنائے ہیں، ان اصول کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر اصول حدیث کا فن ہی بیکار ہوگا۔

رفع یدین کے سلسلہ میں بڑی طویل گفتگو ہے سب کو یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا، اگر میری یہ تحریر انصاف کی نگاہ سے پڑھی جائے گی تو انشاء اللہ آپ کا ذہن مطمئن ہوگا اور آپ احناف کے نقطہ نظر کو زیادہ صحیح قرار دیں گے۔

البتہ اخیر میں ایک بار پھر اس بات کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ رفع یدین کا

مسئلہ حرام وحلال کا نہیں ہے، بلکہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، احادیث سے دونوں عمل ثابت ہیں اس لئے اس پر زیادہ ردوکد نہیں کرنا چاہیئے، اگر مقصود سنت پر عمل کرنے کا جذبہ ہے تو رفع یدین کرنے پر بھی اسی طرح ثواب ملے گا جس طرح نہ کرنے پر۔

غیر مقلدین کے عمل کو مت دیکھئے اپنا عمل سنواریئے، قیامت کے روز آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ غیر مقلدین کیا کرتے تھے، آپ سے آپ کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا۔ **و کل یحاسب علی عملہ**

والسلام

ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کی شرعی حیثیت

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہ ایڈیٹر

دو ماہی مجلہ زمزم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

غیر مقلدین حضرات فجر کی دو رکعت سنت پڑھ کر لیٹنے کو مسنون بتلاتے ہیں، مسجد میں ہوتے ہیں تو بھی لیٹ جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں۔ والسلام

خادم

ابوالمجاہد سرفراز گورکھپور

زمزم!

غیر مقلدین حضرات یوں تو اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا عمل حدیث پر ہوا کرتا ہے، مگر فی الاصل یہ بیچارے نہ حدیث جانتے ہیں نہ ان کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ سنت کیا چیز ہوتی ہے، شرعی مسائل کی سمجھ بوجھ سے یکسر یہ محروم ہوتے ہیں، حدیث میں کوئی بات دیکھ لی بس اس کو سنت سمجھ کر عمل شروع کر دیتے ہیں، اس کی علت اور حکمت کی انہیں معرفت نہیں ہوتی ہے، بیشتر مسائل فقہیہ میں غیر مقلدوں کا حال یہی ہے کہ

ظاہر حدیث کو دیکھا، اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

تفقہ فی الدین اللہ کی بڑی نعمت ہے، یہ نعمت ہر ایک کو نہیں ملتی ہے، اللہ کا خصوصی انعام جن پر ہوتا ہے انہیں کو اس نعمت سے نوازا جاتا ہے، تفقہ فی الدین کی نعمت سے وہ شخص محروم رہتا ہے جو بلا اہلیت وصلاحیت دین کی باتوں میں پڑتا ہے اور شیطان کے بہکاوے میں آکر فقہائے امت اور اکابر دین کے بالمقابل شہ زوری دکھلاتا ہے، صحابہ کرام تک کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور اللہ کے ولیوں سے عداوت ودشمنی رکھتا ہے، غیر مقلدوں کا حال کچھ ایسا ہی ہے اس وجہ سے یہ تفقہ فی الدین کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، اور بلا اہلیت وصلاحیت دین کی باتوں میں پڑتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

کتاب وسنت کی صحیح معرفت حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی صحابہ کرام کے ساتھ حسن عقیدت رکھے اور دین کو جس طرح انہوں نے سمجھا ہے اسی راہ سے دین کو سمجھنے کو کوشش کرے، صحابہ کرام راہ سے ہٹ کر دین کو نہیں سمجھا جا سکتا، تمام اسلاف نے متقدمین ومتاخرین کے ہر فرد نے صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور ان کو دین کے باب میں اپنا مقتدیٰ اور پیشوا جانا اور ان کی عملی زندگی سے روشنی حاصل کر کے دین کو جانا اور سمجھا، اس وجہ سے وہ جادۂ مستقیم پر رہے۔ اور جن فرقوں نے صحابہ کرام سے بغض رکھا، ان کو مقتدیٰ اور پیشوئی نہیں جانا، دینی وشرعی مسائل میں ان کے اسوہ وعمل سے روشنی حاصل نہیں کی وہ راہ مستقیم سے بھٹکے رہے، شیعہ وخوارج کی مثال ہمارے سامنے ہے، غیر مقلدوں کا شمار بھی انہیں باطل فرقوں میں سے ہے جن کو دینی وشرعی امور میں صحابہ کرام پر اعتماد نہیں، اس وجہ سے غیر مقلدین کا فرقہ بھی بھٹکا ہوا اور گم کردہ راہ فرقہ ہے۔ اس لئے دینی وشرعی مسائل میں ان کا اعتبار نہیں، جتنے باطل فرقے ہیں سب کتاب وسنت کا نام لے لے ہی کر دوسروں

کو گمراہ کرتے ہیں، اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مسئلہ پیش آمدہ میں ان کی راہ صحابہ کرام، اکابر اہلسنت کے مسلک سے ملتی ہے تو اس کو مان لیا جائے گا ورنہ اس کو رد کر دیا جائے گا۔

فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کا مسئلہ اکابرامت کے مسلک کے خلاف ہے، اس عمل کو کوئی بھی مسنون نہیں سمجھتا، اگر آدمی تھکا ہوا ہو تو کسلمندی دور کرنے کے لئے اور راحت حاصل کرنے کے لئے بشرط گنجائش وقت لیٹ سکتا ہے، خواہ فجر کی سنت کے بعد لیٹے یا فجر کی سنت کے پہلے، مگر یہ عمل کوئی عبادت نہیں ہے نہ سنت نہ غیر سنت سے اس کا کوئی تعلق ہے، اگر سنت سمجھ کر لیٹتا ہے تو بدعت کا مرتکب قرار پائے گا، اللہ کے رسول ﷺ سے بطریق صحیح ہرگز ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کا امر فرمایا ہو یا اس کو سنت قرار دیا ہو، آپ ﷺ تہجد کی نماز طویل پڑھتے تھے تو کبھی وتر کے بعد اور کبھی سنت فجر سے پہلے آپ لیٹ کر آرام فرما لیتے مگر آپ کا یہ عمل محض راحت کے لئے ہوتا تھا یہ کوئی شرعی وتعبدی عمل نہیں تھا اور نہ یہ آپ کا عمومی عمل تھا کبھی کبھی ایسا کر لیتے اور اس کا مقصد بھی محض رفع تعب (تھکاوٹ دور کرنا) ہوتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ان النبی ﷺ **کان اذا صلی سنة الفجر فان کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع** یعنی نبی اکرم ﷺ جب سنت فجر پڑھ لیتے تو اگر میں بیدار رہتی تو مجھ سے بات کرتے ورنہ لیٹ جاتے (بخاری) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ **وفائدة ذلک الراحة والنشاط لصلوة الصبح** (یعنی اس لیٹنے کا فائدہ اور مقصد یہ تھا کہ صبح کی نماز کے لئے آدمی تازہ دم ہو جائے اور تہجد کی طویل نماز کی وجہ سے جو تھکاوٹ ہو وہ ختم ہو۔ مگر غیر مقلدین اس حقیقت سے بیگانہ رہے اور نماز تہجد ادا کرنے والے اور نہ کرنے والے کا فرق انہوں نے ملحوظ نہیں رکھا اور سب کے لئے فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کو مسنون قرار دے دیا، غیر مقلدین حضرات اس مسئلہ میں آنحضور ﷺ کی اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔

واذا صلی احدکم الرکعتین قبل صلوٰۃ الصبح فلیضطجع علی جنبہ الایمن (ترمذی)

یعنی آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ جب کوئی فجر کی دو رکعت سنت پڑھ لے تو داہنے پہلو لیٹ جائے۔

مگر یہ حدیث بقول ابن تیمیہ باطل ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔

سمعت ابن تیمیۃ یقول ھذا باطل ولیس بصحیح (زادالمعاد جلد ۱ ص ۳۱۹)

یعنی میں نے ابن تیمیہ سے سنا کہ وہ کہتے کہ یہ حدیث باطل ہے صحیح نہیں ہے۔

غیر مقلدین اسی باطل حدیث پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں، چونکہ غیر مقلدین ابن تیمیہ وابن قیم پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں اوران کو سلفیوں کا امام و پیشوا سمجھتے ہیں، اس وجہ سے بہتر ہے کہ میں زادالمعاد ہی سے اس مسئلہ کی پوری تحقیق پیش کر دوں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ سے لیٹنے کا فعل کبھی کبھار ثابت تو ضرور ہے مگر یہ رفع تعب کے لئے ہوتا تھا بطور سنت نہیں، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

ان النبی ﷺ لم یکن یضطجع لسنۃ ولکنہ کان یدأب لیلہ فیستریح (ایضا ج ۱ ص ۳۱۹)

کہ نبی اکرم ﷺ سنت کی وجہ سے نہیں لیٹتے تھے، چونکہ آپ رات بھر نماز میں لگے رہتے اس وجہ سے (لیٹ کر) آرام حاصل کرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا یہ واقعہ ہے، آپ ﷺ ازواج مطہرات

کے گھروں میں شب گذاری کرتے تھے، تہجد کی نماز گھر ہی میں پڑھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے اس لیٹنے کا مقصد کیا تھا خوب سمجھتی تھیں، اس لئے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا یہ لیٹنا بطریق سنت نہیں تھا بلکہ آرام حاصل کرنے کی غرض سے تھا تو حضرت عائشہؓ ہی کا بیان معتبر ہوگا۔ غیر مقلدین اوران جیسے ظاہر پرست لاکھ اس لیٹنے کو سنت قرار دیں اس کی طرف حضرت عائشہ کے اس فرمان کے مقابلہ میں کون ایسا عقل کا مارا ہے جو توجہ دے گا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اتباع سنت کا خاص شوق و جذبہ تھا۔ آپ ﷺ کی کسی ایک سنت کو چھوڑنا بھی آپ کو گوارا نہ تھا، ان کا حال یہ کہ اگر کوئی شخص فجر کی سنت کے بعد لیٹا ہوتا اور آپ اس کو دیکھ لیتے تو کنکر مار کر اٹھاتے اور صاف صاف یہ کہتے کہ یہ بدعت ہے۔ زاد المعاد میں ہے:

وکان ابن عمر یحصبهم اذا راهم یضطجعون علی ایمانهم (ایضا)

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ لوگ لیٹے ہوئے ہیں تو ان کو کنکر مارتے۔

ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ فجر کی دو رکعت کے بعد لیٹے ہوئے ہیں تو آپ نے کسی کو بھیج کر ایسا کرنے سے منع کیا، تو لیٹنے والوں نے کہا کہ ہم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ارجع الیهم واخبر هم انها بدعة (ایضا)

لوٹ کر ان کے پاس جاؤ اور بتلاؤ کہ یہ سنت نہیں ہے بدعت ہے۔

کبھی آپ فرماتے کہ شیطان ان کے ساتھ کھیل کرتا ہے، چنانچہ ابو مجلز فرماتے

ہیں کہ میں نے فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

يلعب بكم الشيطان (ايضا)

یعنی تمہارے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔

کبھی آپ اس عمل کو گدھے کا عمل قرار دیتے، آپ فرماتے کہ:

ما بال الرجل اذا صلى الركعتين يفعل كما يفعل الحمار اذا تمعك (ايضا)

آدمی کو کیا ہو جاتا ہے کہ جب فجر کی دو رکعت پڑھ لیتا ہے تو وہی حرکت کرتا ہے جو گدھا کرتا ہے جب وہ دھول میں لت پت ہو۔

ابن قیم فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر فیصلہ امام مالک وغیرہ کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر راحت کے طور پر کوئی لیٹ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر اس کو سنت سمجھ کر لیٹنا مکروہ ہے۔ (ایضا)

میرا خیال ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اتنا جچا تلا ہے کہ اس کا کوئی صاحب فہم انکار نہیں کرے گا۔ بلاشبہ آنحضور اکرم ﷺ سے کبھی فجر کی سنت کے بعد اور کبھی وتر کی نماز کے بعد لیٹنا ثابت ہے مگر حضرت عائشہؓ کے بقول یہ لیٹنا آرام کی غرض سے ہوتا تھا، آج بھی اگر کسی کو اللہ توفیق دے تہجد کی نماز طویل پڑھے پھر جاگتے ہوئے وقت گذارے اور فجر کی نماز تک جاگتا رہے تو اگر وہ تعب محسوس کر رہا ہے تو موقع ہو تو لیٹ جائے تاکہ فجر کی نماز کے لئے چاق و چوبند رہے اس کا کوئی منکر نہیں، مگر اس عمل کو سنت سمجھنا اور غیر تہجد گزار کے لئے بھی اس کو مستحب اور مسنون قرار دینا اور جو نہ لیٹے اس کو مطعون کرنا یہ حد سے گزر جانے والی بات ہے اور یہ دین نہیں بے دینی کی بات ہے۔

غیر مقلدین سے آپ یہاں ایک سوال یہ بھی کر سکتے ہیں کہ آپ حضرات تو بطور سنت کے فجر کی دو رکعت سنت کے بعد لیٹتے ہیں اور ماشاء اللہ مسجد میں بھی لیٹنے کو مسنون قرار دیتے ہیں، ہم آپ سے قولی یا فعلی صرف ایک حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ صرف ایک حدیث سے یہ ثابت کر دیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فجر کی دو رکعت مسجد میں ادا کر کے مسجد ہی میں لیٹ جاتے تھے، میرا چیلنج ہے کہ پوری دنیائے غیر مقلدیت سر پٹک کر کے رہ جائے گی مگر وہ کوئی ایک حدیث بھی اس طرح کی نہیں پیش کر سکتی کہ اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں فجر کی دو رکعت سنت پڑھ کر مسجد میں لیٹے ہوں۔ اور جب ایسا نہں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر غیر مقلدین مسجد میں دو رکعت سنت فجر پڑھ کر لیٹنے کو کس بل بوتہ پر سنت کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا جو عمل کبھی نہ رہا ہو وہی عمل غیر مقلدین کے مذہب میں سنت قرار پاتا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

غیر مقلدین تو بزعم خود ماشاء اللہ اہلحدیث اور سنت پر عمل کرنے والے ہیں، ہمیں ذرا یہ بتلائیں کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے کبھی فجر کی سنت مسجد میں ادا کی ہے، اگر جواب نفی میں ہے تو غیر مقلدین فجر کی سنت رسول اللہ کے عمل واسوہ کے خلاف مسجد میں کیوں ادا کرتے ہیں، غیر مقلدوں کے عقل کل مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری تو صاف صاف فرماتے ہیں:

لانه صلى الله عليه وسلم كان يصلى سنة الفجر فى البيت (تحفه ص ۳۲۳ ج ۱)

یعنی نبی اکرم ﷺ فجر کی سنت گھر میں پڑھتے تھے۔

تو اللہ کے رسول ﷺ کے اس عمل اور دائمی عمل کے خلاف غیر مقلدین کو کیوں

شوق رہتا ہے کہ وہ فجر کی سنت مسجدوں میں بھی پڑھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مسجدوں میں نہ فجر کی سنت پڑھنا آنحضور ﷺ سے ثابت ہے، اور نہ مسجد میں فجر کی سنت کے بعد سونا آنحضور ﷺ سے ثابت ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے غیر مقلدین فجر کی سنت کے بعد سونے کو ثابت کرتے ہیں وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ باطل اور غیر صحیح ہے تو اب بتلایا جائے کہ غیر مقلدوں کا یہ دعویٰ کہ فجر کی سنت کے بعد سونا مسنون ہے کس قدر درست ہے؟

ایک ہاتھ سے مصافحہ کی حقیقت

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدیر زمزم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بحمدہ تعالیٰ زمزم کا ہر شمارہ پڑھتا رہا، دوست واحباب بھی اس کا مطالعہ بہت شوق سے کرتے ہیں، بلا مبالغہ ومجاملہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے جس انداز میں غیر مقلدوں کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کردیا ہے، اس کی نظیر ہمیں نظر نہیں آتی، غیر مقلدین کے پرچے بھی ہم پڑھتے ہیں، ان پرچوں میں ان کی جھنجھلاہٹ اور جھلاہٹ آسمان چھوتی نظر آتی ہے، گالی گلوچ اور بدگوئیوں سے ان کے سارے پرچے بھرے رہتے ہیں، اس کا اثر خود ان کی جماعت کے افراد پر اچھا نہیں پڑ رہا ہے، میری گفتگو بعض غیر مقلدین سے ہو چکی ہے، اس کی بنا پر یہ لکھ رہا ہوں۔

اس خط کا ایک خاص مقصد ہے، براہ کرم آپ ایک ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالیں۔ المقالۃ الحسنی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا رسالہ ہے۔ اس میں بڑے پرزور طریقہ پر ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کی مشروعیت اور سنیت کو ثابت کیا گیا ہے اور دو ہاتھ سے مصافحہ کو غیر مسنون بتلایا گیا ہے۔ امید ہے ہماری گذارش آپ کی توجہ کا مرکز بنے گا۔

والسلام

عبدالقیوم انصاری۔ سنت کبیر نگر یوپی

زمزم!

المقالۃ الحسنی رسالہ میرے پاس نہیں تھا، آپ کا خط آنے کے بعد میں نے اس کو حاصل کیا اور اس کو پڑھا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اس رسالہ میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کی مشروعیت وسنیت کو ثابت کرنے کی کوشش ضرور کی ہے، مگر دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی عدم مشروعیت کی صراحت کہیں نہیں کی ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر ایک امر مشروع ہو تو اس کے بالمقابل کی چیز غیر مشروع ہو، غیر مقلدین کی خود تصریح ہے کہ رفع یدین بھی سنت ہے اور عدم رفع یدین بھی سنت ہے، ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔ کہ آمین بالجہر اور آمین بالسر دونوں جائز ہیں۔ حکیم صادق سیالکوٹی۔ ''صلوۃ الرسول'' میں لکھتے ہیں کہ تشہد میں انگلی کا ہلانا بھی درست ہے اور نہ ہلانا بھی درست ہے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے یہاں دونوں امر مسنون ہوں، ایک ہاتھ سے مصافحہ بھی اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ بھی۔ اس رسالہ میں مولانا کا سارا زور صرف اس پر ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو غیر مسنون اور بدعت نہ کہا جائے۔ فرماتے ہیں:

''ایک ہاتھ سے مصافحہ کا مسنون ہونا احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے'' ص ۳

مولانا نے حصر کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ ایک ہاتھ ہی سے مصافحہ کرنا احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے، دونوں ہاتھ سے ثابت نہیں ہے۔

اس لئے اس کا امکان ہے کہ مولانا مبارکپوری کے یہاں مسنون تو دونوں امر ہوں یعنی ایک ہاتھ سے مصافحہ بھی اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ بھی، البتہ مولانا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو بہتر اور اولیٰ سمجھتے ہوں، اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو جائز سمجھتے ہوں۔

میں اتنا لکھ چکا تھا کہ اس رسالہ کے ص ۳ پر دوبارہ نظر پڑی تو مجھے اپنے اس خیال سے باز آنا پڑا، اس لئے کہ مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں

''جناب مولانا قطب ربانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا مستحب ہے''

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مولانا مبارک پوری کے نزدیک بطور حصر کے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا مستحب ہے، یعنی دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا مستحب نہیں ہے، یعنی مکروہ ہے، حدیث سے اس کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہے۔

اس لئے ضروری ہو گیا کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے اس دعویٰ کا عقل ونقل کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی کوئی دلیل مولانا مبارکپوری کو بخاری مسلم یا صحاح ستہ کی کسی اور کتاب سے نہیں ملی، اس لئے انہوں نے زمانہ خیر القرون کے کئی صدی بعد کے زمانہ کی کتاب حافظ ابن عبدالبر کی تمہید سے پہلی حدیث جوان کے خیال کے مطابق صحیح (۱)

---

(۱) مولانا کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا محض تعصب کی بنیاد پر ہے، ورنہ اس حدیث کی سند کا ایک راوی محمد بن وضاح ہے جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے، ابن الفرض کو اس پر سخت کلام ہے، اس کا بڑا مرض یہ تھا کہ حدیث رسول کو اپنی عقل کے پیمانہ سے ناپتا تھا جس حدیث کو اس کی عقل قبول نہ کرتی اس کا وہ انکار کر دیتا تھا، ابن الحباب اس کی عقل وغیرہ کی تعریف کرتے تھے مگر احادیث رسول ﷺ کو جو وہ رد کیا کرتا تھا اس پر اس کی نکیر کرتے تھے، مزید تفصیل آئندہ حاشیہ میں دیکھئے۔ ہے ذکر کی ہے، مولانا نے اس حدیث کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے:

''عبیدہ اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ،
تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو میں نے اسی ہاتھ سے رسول
اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے''۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کو میں ایک ذمہ دار عالم سمجھتا تھا مگر جب ان کی کتابیں پڑھنے کا ذرا تفصیل سے موقع ملا تو مجھے ان کے اندر وہ تمام بداحتیاطیاں اور تعصب کی وہ تمام چنگاریاں نظر آئیں جو عام غیر مقلدین علماء کا وطیرہ اور شیوہ ہے، خط کشیدہ عبارت، اس عبارت کا ترجمہ ہے۔

ترون یدی ھٰذہ صافحت بھا رسول اللہ ﷺ

اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو میں نے اس سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے۔

مولانا نے سیدھا سادھا ترجمہ کرنے کے بجائے اسی ایک ہاتھ سے، حصر والا ترجمہ کیا ہے، اور پھر ''ایک'' کا کلمہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، مولانا نے یہ تصرف اس لئے کیا کہ اس حدیث کو اپنے مطلب کے موافق ڈھال لیں۔افسوس محض اپنی غرض کے لئے حدیث رسول کے ترجمہ میں خیانت کی جارہی ہے۔

عربی میں یــــد کا لفظ جنس کے لئے بولا جاتا ہے، خصوصا جب اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہو تو جنس ہی کا معنی عام طور پر لیا جاتا ہے، اور اس موقع پر ایک ہاتھ مراد ہونا ضروری نہیں ہے، کہیں ایک ہاتھ مراد ہوگا اور کہیں دونوں ہاتھ۔قرآن کا ارشاد ہے: ولا تـجـعـل یـدک مغلولۃ الی عنقک اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔یہاں بظاہر ید واحد ہے مگر اس کا مطلب ایک ہاتھ کسی نے نہیں لیا ہے، مولانا مبارک پوری ہوتے تو اس کا ترجمہ کرتے۔تو اپنا ایک ہاتھ داہنا اپنی گردن سے بندھا ہوا مت رکھ۔اور اس

انوکھے مبارک پوری ترجمہ پر دنیائے علم وادب عش عش کرتی۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یعنی مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہاں بھی ید کا لفظ مفرد اور واحد ہی استعمال ہوا ہے، مگر اس کا مطلب ایک ہاتھ لینا حماقت ہوگی۔ البتہ مولانا مبارک پوری ہوتے تو اس کا ترجمہ ایک ہاتھ ہی کرتے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے من رأی منکم منکر افلیغیرہ بیدہ یعنی تم میں سے کوئی آدمی کسی غیر شرعی امر کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اس حدیث میں بھی لفظ ید واحد ہی ہے، مگر اس کا ترجمہ ایک ہاتھ کسی سے نہیں سنا گیا ہے، ہاں مولانا مبارک پوری باحیات ہوتے تو وہ اس کا ترجمہ ایک ہی ہاتھ کرتے اور وہ بھی داہنا۔

غرض جب کتاب وسنت میں لفظ ید مضاف ہو کر ایک جگہ نہیں بار بار استعمال ہوا ہے اور ان جگہوں پر مراد دونوں ہاتھ ہیں۔ تو مولانا مبارکپوری نے عبداللہ بن بسرؓ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں لفظ ید مضاف سے ایک ہی ہاتھ مراد لینا کہاں سے متعین ہوگا اور قطعیت کے ساتھ کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے، کہ اس سے ایک ہی ہاتھ مراد ہے۔

اگر کوئی غیر مقلد یہ کہے ھذہ واحد کا اشارہ اور بھا میں واحد مونث کی ضمیر اس کا قرینہ ہے کہ حدیث میں ایک ہاتھ مراد ہے، تو یہ جواب غیر علمی ہوگا، اس لئے کہ حدیث کی عبارت ھذہ اور بھا کا استعمال لفظ ید کی وجہ سے ہوا ہے جو اصلاً مؤنث ہے جیسے قرآن پاک میں ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک والی آیت میں ہے ولا تبسطھا کل البسط یہاں بھی ضمیر واحد مونث کی استعمال کی گئی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ید سے مراد ایک ہاتھ ہے۔

بہر حال مولانا کی پہلی جو بقول ان کے صحیح حدیث ہے، اس سے کسی طرح بھی

ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون ہے، اگر یہ حدیث اس بارے میں صریح ہوتی تو مولانا کو حدیث کے ترجمہ میں ناجائز تصرف کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

دوسری بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ غیر مقلدین داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں، اور اس حدیث میں داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی کوئی صراحت نہیں مطلق ہاتھ کا ذکر ہے، داہنے اور بائیں کے ذکر سے حدیث خاموش ہے، اب معلوم نہیں کہ حضرت عبید اللہ بن بسرؓ نے اپنا داہنا ہاتھ لوگوں کو دکھلایا تھا کہ بایاں ہاتھ دکھلایا تھا، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا دعویٰ اس وقت اس حدیث سے ثابت ہوتا جب اس حدیث میں داہنے ہاتھ کی صراحت ہوتی، رہا مولانا مبارکپوری کا یہ کہنا کہ چونکہ آنحضور اکرم ﷺ اچھے کاموں میں داہنا ہاتھ استعمال کرتے تھے، اس وجہ سے یہاں بھی داہنا ہی ہاتھ مراد ہوگا۔ یہ قیاس ہے۔ اور قیاس کرنا غیر مقلدین کے نزدیک شرک کا کام ہے، ہاں اگر قیاس کرنا ایمان کا کا بن گیا ہے تو اس کا برملا اعتراف کیا جائے۔

یہ مولانا مبارکپوری کی پہلی صحیح حدیث کا حال ہے، مولانا مبارکپوری کو اس کے صحیح ہونے کا اتنا یقین ہے کہ انہوں نے حاشیہ میں اس کے راویوں کا حال بھی ذکر کیا ہے (۱)

---

(۱) مولانا نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، مگر اس کا ایک راوی محمد بن وضاح ہے، اس کو کسی نے صراحۃً ثقہ نہیں کہا ہے، اس کا حال یہ تھا کہ بہت سی ثابت حدیثوں کو رد کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ نبی کا کلام نہیں ہے، بہت خطا کار تھا اس سے غلطیاں بہت واقع ہوتی تھیں صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کرتا تھا نہ اسے عربیت کا علم تھا اور نہ فقہ کی جانکاری تھی، دیکھو سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۴۵ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۹ افسوس مولانا مبارکپوری نے ان تمام باتوں کو چھپایا اور اس کو ثقہ قرار دیا، بھلا ایسا راوی جس حدیث میں ہو وہ حدیث بھی قابل احتجاج قرار پائے، تعجب ہے۔ اور ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ یہ حدیث مولانا کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی۔

دوسری روایت حضرت انسؓ کی ہے، مولانا نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

''انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے اپنی اس ایک ہتھیلی سے مصافحہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے پس میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ کسی خز کو اور نہ کسی ریشمی کپڑے کو مس کیا۔

حدیث میں ہے: **صافحت بکفی ھذہ کف رسول اللہ ﷺ** ہے، جس کا ترجمہ صحیح یہ ہے میں نے اپنے اس ہتھیلی سے مصافحہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے۔

مولانا نے ایک کا لفظ اپنے طرف سے بڑھا دیا ہے، نیز اس میں بھی صراحت نہیں ہے کہ حضرت انسؓ نے دائیں ہتھیلی سے مصافحہ کیا تھا۔ مولانا نے اس حدیث کی سند بھی نہیں ذکر کی ہے جس سے اندازہ لگتا ہے کہ خود مولانا کو اس کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہے، پہلے مولانا اس کی سند ذکر کر کے اس کی صحت ثابت کرتے پھر استدلال کرتے تو شاید کچھ بات بنتی، بلکہ مولانا مبارکپوری نے آگے چل کر خود اعتراف کرلیا ہے کہ یہ حدیث قابل احتجاج واستدلال نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی اسناد کے کئی طریق ہیں، بعض طریق اگرچہ قابل احتجاج واستشہاد نہیں مگر بعض طریق قابل استشہاد ضرور ہے اور ہم نے اس روایت کو احتجاجا پیش نہیں کیا ہے بلکہ استشہادا''

یعنی یہ حدیث کسی طرح پر بھی قابل حجت نہیں ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو بطور حجت و دلیل پیش نہیں کیا ہے بلکہ اس سے استشہاد کیا ہے، یعنی بطور شاہد کے یہ حدیث مولانا نے پیش کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا مبارکپوری کے نزدیک شاہد کے لئے عادل اور ثقہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ یہ بات قرآن کے بیان کے

صریح خلاف ہے، قرآن میں شاہد کے لئے عادل ہونے کی شرط رکھی گئی ہے، مگر غیر مقلدین محدثین کی تقلید میں قرآنی حکم کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث ایسی نہیں ہے کہ اس کو بطور شاہد کے بھی پیش کیا جائے اس لئے کہ اس کی سند انتہائی کمزور ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مولانا نے اس کی سند پر کلام کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بلا سند ذکر کئے ہوئے چپکے سے گزر گئے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ یا کسی اور مشہور حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، مولانا کتابوں نے اس کو غیر معروف سے نقل کیا ہے۔

مولانا کی تیسری روایت یہ ہے۔

''ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلام کی تمامی ہاتھ کا پکڑنا ہے اور مصافحہ داہنے ہاتھ سے ہے''

مولانا نے اس روایت کو بھی بلا سند نقل کیا ہے، اس لئے کہ مولانا کو معلوم ہے کہ یہ روایت بھی نہایت کمزور اور واہی سند سے مروی ہے، پہلے مولانا اس روایت کی صحت ثابت کریں پھر اس سے استدلال کریں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی نظر میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کی کل جمع پونجی یہی تین حدیثیں ہیں، جن میں سے کسی سے بھی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اور غیر مقلدین کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، دعویٰ پورا یہ ہے ایک ہاتھ اور وہ بھی داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون ہے۔ آخر والی حدیث میں بلاشبہ داہنے کا لفظ ہے مگر وہ حدیث جیسا کہ عرض کیا گیا ناقابل اعتبار ہے، دوسری حدیث نہایت کمزور اور غیر صریح ہے، پہلے حدیث بھی غیر صریح ہے، اور مولانا مبارکپوری کے نزدیک کسی شرعی مسئلہ کے ثبوت کے لئے مرفوع صحیح اور صریح ہی حدیث کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

غیر مقلدین اس بات پر بڑا زور صرف کرتے ہیں کہ جہاں لفظ ید واحد ہو اس کا مطلب ایک ہی ہاتھ ہوتا ہے، مگر ان کا یہ دعویٰ کتاب وسنت کی روشنی میں بالکل بے بنیاد ہے جیسا کہ سابق میں عرض کیا گیا، مزید دیکھئے حدیث میں آتا ہے۔

وقبل ابولبابة وكعب بن مالك وصاحباه يدالنبی ﷺ حين تاب الله عليهم (فتح الباری ج ١١ ص ٥٦)

یعنی حضرت ابولبابہ کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں نے اس وقت آنحضور ﷺ کے ہاتھ کا بوسہ لیا جب اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کیا۔

اس حدیث میں بھی ید کا لفظ مفرد اور واحد ہے۔ تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ ان صحابہ کرام نے آنحضور ﷺ کے ایک ہاتھ کا بوسہ لیا تھا۔

ایک حدیث میں ہے:

وقبل ابوعبيده يدعمر حين قدم

(فتح الباری ج ١١ ص ٥٧)

یعنی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کے ہاتھ کا بوسہ لیا، جب (مدینہ) تشریف لائے۔

یہاں بھی ید واحد ہے، مگر کوئی عقلمند اس سے صرف ایک ہاتھ بوسہ لینا نہیں سمجھے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے پاس دو یہودی آئے اور انہوں نے آنحضورؐ سے نو آیتوں کے بارے میں سوال کیا، آپ نے ان کا جواب دیا تو

فقبلا يده ورجله (ايضا)

تو انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں کا بوسہ لیا۔

اس حدیث میں ید بھی واحد ہے اور رجل کا لفظ بھی واحد ہے مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان یہودیوں نے آپ کے صرف ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا بوسہ لیا، ایسا جو سمجھے وہ دماغی خلل کا شکار قرار پائے گا۔

حضرت ابواسامہ بن شریک کی حدیث میں ہے۔

قمنا الی النبی ﷺ فقبلنایده (ایضا)

یعنی ہم آنحضور ﷺ کی طرف بڑھے اور ہم نے آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

یہاں بھی لفظ ید واحد ہے مگر کیا کوئی اس سے یہ سمجھے گا کہ بوسہ لینے والوں نے آنحضور ﷺ کے صرف ایک ہاتھ کا بوسہ لیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ

وقبل ید العباس ورجله (ایضاً)

انہوں نے حضرت عباس کے ہاتھ اور پیر کا بوسہ لیا۔

اس حدیث میں ید اور رجل دونوں واحد ہیں مگر کسی محدث نے اس کا یہ مطلب نہیں لیا ہے کہ حضرت علی نے حضرت عباس کے صرف ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا بوسہ لیا تھا۔

اس طرح کا استعمال عربی زبان میں عام ہے۔ید، رجل، اذن، بصر سمع وغیرہ کا لفظ واحد بولا جاتا ہے مگر اس کا مطلب دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں آنکھ اور دونوں کان ہی لئے جاتے ہیں الا یہ کہ کوئی ایسا واضح قرینہ ہو جس سے ان اعضاء میں سے ایک ہی مراد لیا جائے۔

اللہ کے رسول کی مشہور دعا کے الفاظ میں آتا ہے۔

اللهم اجعل فی بصری نورا وفی سمعی نورا

اے اللہ میری آنکھ میں روشنی پیدا کردے اور میرے کان میں روشنی پیدا کردے۔

دیکھئے یہاں بصر اور سمع واحد استعمال ہوا ہے مگر اس کا ترجمہ کسی نے ایک آنکھ اور ایک کان نہیں کیا ہے، اگر غیر مقلدین ایک کان اور ایک آنکھ کا ترجمہ کرتے ہوں تو مجھے معلوم نہیں۔

اور جہاں ایک ہی مراد ہوتا ہے تو پھر اس کی عبارت بدل جاتی ہے مثلاً عبدالرحمٰن بن رزین کی حدیث ہے کہ

قال اخرج لنا سلمه بن الاکوع کفاله ضخمة کانها کف بعیر فقمنا الیها فقبلنا ها.

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۷)

انہوں نے فرمایا کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے اپنی ایک موٹی ہتھیلی نکالی وہ ہتھیلی گویا اونٹ کی ہتھیلی تھی ہم اس کی طرف لپکے اور ہم نے اس کا بوسہ لیا۔

یہاں چونکہ ایک ہی ہتھیلی کا ذکر تھا اس لئے بلا اضافت ذکر کیا گیا اور کف کو نکرہ لایا گیا جس سے عربی میں ایک کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ کفالہ کہا گیا نہ کہ کفہ۔

بہرحال مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کے سلسلہ میں جو تین حدیثیں ذکر کی ہیں، ان سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، تیسری حدیث اگر صحیح ہوتی تو یہ تیسری حدیث بلاشبہ غیر مقلدین کے مسلک کے لئے حجت بنتی مگر جیسا کہ عرض کیا گیا وہ بالکل واہی سند سے مروی ہے۔ اگر غیر مقلدین میں دم خم ہے تو اس کی تصحیح کسی

محدث سے ثابت کریں۔

مولانا مبارکپوری کے پاس جو حدیث کا ذخیرہ تھا اس میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کے لئے بس کل یہی تین حدیثیں تھیں، اور خود مولانا مبارکپوری کو احساس ہے کہ یہ تینوں حدیثیں ان کے اثبات مدعا کے لئے ناکافی ہیں، اس لئے انہوں نے اب بیعت والی حدیثوں کا ذکر کرنا شروع کیا، مولانا فرماتے ہیں:

''واضح ہو کہ جس طرح ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مسنون ہے اسی طرح مردوں سے بیعت لینے کے وقت بھی مصافحہ کرنا مسنون ہے'' ص ۱۲

یہ ایک مقدمہ ہوا، یعنی قیاس کا صغریٰ

دوسرا مقدمہ مولانا کا یہ فرمان ہے۔

''اور یہ بھی واضح ہو کہ بیعت کے وقت ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کا مسنون ہونا احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے'' ص ۱۶

یہ قیاس کا دوسرا مقدمہ یعنی کبریٰ ہے۔

اب مولانا قیاس کے صغریٰ اور کبریٰ کو ملا کر نتیجہ نکالتے ہیں۔

''پس انہیں احادیث سے مصافحہ عند الملاقات کا بھی ایک ہی ہاتھ سے مسنون ہونا آفتاب کی طرح ظاہر ہے'' ص ۱۶

غیر مقلدین جب چت ہو جاتے ہیں تو بالآخر لوٹ آتے ہیں اسی قیاس کی طرف جس کو وہ شرک، کفر، شیطان کا کام اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔

ہماری اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ پہلے غیر مقلدین قیاس کو شرعی دلیل تسلیم کریں، اور قیاس کو کار شیطان کہنے سے توبہ کریں پھر قیاس سے کسی مسئلہ کو ثابت کریں، تو ان کی بات قابل تسلیم بھی ہو، ایک طرف قیاس شرک بھی ہو، اور کار شیطان بھی ہو اور پھر اسی

قیاس سے کسی شرعی مسئلہ کو ثابت بھی کیا جائے، کیسا مذاق ہے۔

مولانا نے بیعت والی متعدد حدیث ذکر کر کے اس سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کا اثبات کیا ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری خدا اور رسول کے ارشاد سے یہ ثابت کر دیں کہ مصافحہ عندالملاقات اور مصافحہ عندالبیعت کی حقیقت اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے، اگر کتاب وسنت سے اس کا ثبوت مہیا نہ فرما سکیں اور انشاء اللہ قیامت تک نہ فرما سکیں گے تو کسی صحابہ کے قول سے ثابت کر دیں کہ مصافحہ عندالملاقات اور مصافحہ عندالبیعۃ دونوں کا حکم اور دونوں کی حقیقت ایک ہے اور اگر یہ نہ کر سکیں تو کسی فقیہ محدث کے قول سے ثابت کریں کہ دونوں کی حقیقت ایک ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

اس کے بغیر مولانا کی وہ ساری حدیثیں مفید مدعا نہیں ہوسکتی ہیں جن کا تعلق بیعت سے ہے، اس لئے مولانا کی اس کاوش کو ہم مہمل سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں۔ حدیث میں ملاقات کے وقت کے مصافحہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کوئی بھائی اپنے بھائی سے ملاقات کرتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو ان دونوں کے گناہ سوکھے درخت کے پتوں کی طرح سے جھڑ جاتے ہیں، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے، کیا بیعت کے وقت مصافحہ کے بارے میں اس طرح کی کوئی حدیث ہے، اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو بیعت اور ملاقات کے مصافحہ کو ایک قرار دینا نری زبردستی ہے۔

غیر مقلدین جب ہر طرف سے عاجز ہو جاتے ہیں تو پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی سہارا لیتے ہیں، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری بھی فرماتے ہیں:

''جناب قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول، آپ اپنی بے نظیر کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں''

یستحب لہٗ تناول الاشیاء بیمینہ والاکل والشرب والمصافحۃ

مسلمان کے لئے چیزوں کا لینا اور کھانا پینا اور مصافحہ کرنا داہنے ہاتھ سے مستحب ہے۔

اگر مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ زندہ ہوتے تو شیخ عبدالقادر کے اقوال سے استدلال کرنے سے توبہ کرتے اس لئے کہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین محققین کی تحقیق یہ ہے کہ جن کو مولانا مبارکپوری قطب ربانی کا لقب دیتے ہیں وہ خرافاتی اور وحدۃ الوجودی تھے، یعنی مشرک تھے، شیخ عبدالقادر جیلانی نظریہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور یہ نظریہ غیر مقلدین کے مذہب وعقیدہ میں مشرکانہ نظریہ ہے، ایک غیر مقلد محقق لکھتا ہے:

اور غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، اور الفتح الربانی کے مصنف شیخ جیلانی اس نظریہ (یعنی نظریہ وحدث الوجود) کے جھنڈے اٹھائے پھر رہے ہیں۔ (فضیحت ننگ ص ۱۸۵)

از ابوالقاسم عبدالعظیم سلفی

غنیۃ الطالبین کو مولانا مبارکپوری بہت معتبر کتاب سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کتاب میں ضعیف احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، نیز میں کہتا ہوں کہ جن کے نزدیک صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کا قول وفعل حجت نہیں ان کے نزدیک شیخ جیلانی کا قول کسی دلیل سے حجت ہوگیا، کیا شیخ جیلانی نے صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کے لئے کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش کی ہے؟ یا یہ ان کی اپنی رائے ہے، کل تک غیر مقلدین گلے پھاڑ پھاڑ کر یہ

شور مچاتے تھے کہ ہم صرف وہی مانیں گے جو کتاب وسنت سے ثابت ہوگا، امتی کی تقلید حرام ہے، آج وہ ایک امتی کی پناہ میں آنے کی کوشش کر رہے ہیں.......... غرض پہلے غیر مقلدین یہ ثابت کریں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب غنیۃ ضعیف احادیث سے پاک کتاب ہے، اور معتبر ہے۔ ثانیا یہ ثابت کریں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول شرعی حجت ہے، بلا اس کے ان کا دعویٰ محقق نہیں ہوسکتا۔ ثالثا، یہ ثابت کریں کہ یہاں مصافحہ سے مراد عندالملاقات مصافحہ ہے عندالبیعۃ نہیں ہے۔ شیخ جیلانی بھی پیری مریدی دیوبندیوں کی طرح سے کرتے تھے، ان کا یہ قول بیعت والے مصافحہ کے لئے ہے ملاقات والے مصافحہ کے لئے نہیں ہے۔

غنیۃ میں لکھا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے اور وتر تین رکعت ہے مگر غیر مقلدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی یہ بات نہیں مانتے، مگر ان کا اصرار ہے کہ ہم احناف شیخ کی ایک ہاتھ سے مصافحہ والی بات مان لیں اگرچہ اس بارے میں کوئی صریح اور صحیح حدیث نہ ہو، اور اگرچہ اس کا احتمال ہو کہ غنیۃ میں مصافحہ سے مراد مصافحہ عندالبیعۃ ہو۔

غنیۃ میں لکھا ہے کہ ماہ محرم میں عاشوراء کے روز بال بچوں پر وسعت کرنی چاہئے، یعنی ان کو اچھا اچھا کھلانا پہنانا چاہیئے۔ کیا غیر مقلدین کا اس پر عمل ہے، اگر نہیں تو پھر شیخ کا کوئی قول ہم پر کیسے حجت ہوسکتا ہے، اگر آپ مصافحہ کے سلسلہ میں امام بخاریؒ اور عبداللہ بن مبارک جیسے محدثین کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں تو پھر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بات، ہم سے کس بل بوتہ پر تسلیم کرانے کا حوصلہ ہوگیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کے پاس ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی کوئی پختہ شرعی حجت نہیں ہے، مسلمانوں کا تعامل ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ ملاقات کے وقت دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے، ایک ہاتھ سے مصافحہ کا رواج کم از کم ہندوستان میں انگریزوں کی

آمد کے بعد ہوا ہے، انگریز آئے تو وہ اپنی عادت و رسم کے مطابق ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے، ان سے یہ مصافحہ ان کے خیر خواہ نیچریوں نے لیا اور پھر انگریزوں ہی کی اتباع وتقلید میں غیر مقلدین کے بزرگوں نے بھی مسلمانوں میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کا رواج ڈالا، اور اس کو زبردستی شرعی مسئلہ بنا کر مسلمانوں میں افتراق وانتشار کا ماحول پیدا کیا، کسی غیر مقلد عالم کے بس کی بات نہیں ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمانوں میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کا رواج دکھلائے۔

ہندوستان میں شوافع بھی شروع سے رہے ہیں، مگر ان کے یہاں بھی ایک ہاتھ سے مصافحہ کا کبھی رواج نہیں رہا ہے۔

اب آیئے دیکھئے کہ جن مسلمانوں نے دو ہاتھ سے مصافحہ کو اختیار کیا ہے ان کے پاس اس کی سند کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع بخاری شریف میں باب باندھا ہے۔

''باب المصافحة''یعنی ملاقات کے وقت مصافحہ کیسے کیا جائے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ وہ آنحضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کو تشہد کی تعلیم فرمائی اور حال یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

وکفی بین کفیه یعنی میری ہتھیلی آنحضور اکرم ﷺ کے دونوں ہاتھ کے بیچ تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت جو مصافحہ ہوا تھا وہ وضع دیر تک قائم رہی، آنحضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ سے جب کوئی مصافحہ کرتا یا جب کوئی بات کرتا تو جب تک وہ خود اپنا ہاتھ الگ نہ کرتا یا اپنا چہرہ نہ موڑتا یا اپنی بات پوری نہ کر لیتا

آنحضور اکرم ﷺ از کمال شفقت از خود ان چیزوں کی ابتدا نہ کرتے اور اللہ کے رسول ﷺ سے جو صحابی مصافحہ کرتا ہوگا اس کی بھی خود خواہش ہوگی کہ آپ ﷺ کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ دیر تک چپکا رہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی صورتحال یہی تھی کہ ملاقات کے وقت آنحضور ﷺ سے ان کا جو مصافحہ ہوا تھا اس میں دیر تک اللہ کے رسول نے ان کا ہاتھ تھامے رکھا تھا اور اسی درمیان آپ ﷺ نے ان کو تشہد کی تعلیم بھی فرما دی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو مصافحہ کے باب میں بطور خاص ذکر کیا ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تو ایک ہی ہتھیلی آنحضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا۔ مگر یہ غیر مقلدین کی فقہی عدم بصیرت کی بات ہے اور ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ صحابہ کرام کا معاملہ آنحضور ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کے کس درجہ کا تھا۔ یہ کس کے تصور میں بات آسکتی ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ تو مصافحہ کیلئے اپنا دونوں ہاتھ بڑھائیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسا آنحضور ﷺ کا پیارا خادم صرف ایک ہاتھ بڑھائے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو مقام صحابہ سے واقف نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو بطور خصوص اپنی اس ہتھیلی کا ذکر کر رہے ہیں جو آنحضور ﷺ سے مصافحہ کے وقت آپ کے دونوں ہاتھ میں تھی، ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا اور نہ اس کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ سے انہوں نے صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا جب کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھائے تھے۔

اس باب کے بعد امام بخاری نے ایک دوسرا باب باندھا ہے جس کا عنوان باب

الاخذ بالیدین (۱) یعنی اس کا بیان کہ (مصافحہ میں) دونوں ہاتھ پکڑا جائے گا۔ اس باب میں حدیث تو وہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی مفصل ذکر کی، مگر یہ بتلانے کے لئے کہ محدثین کے مابین اس زمانے میں دونوں ہاتھ ہی سے مصافحہ مروج تھا، فرماتے ہیں۔

وصافح حماد بن زیدؒ ابن المبارکؒ بیدیہ

یعنی حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا۔

حماد بن زید اور عبداللہ بن مبارک کا ترجمہ امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ میں دیکھ لیا جائے، یہ دونوں اپنے وقت کے عظیم القدر و جلیل الشان محدث تھے، ان کی عظمت کا اندازہ اسی سے لگایئے کہ امام بخاری جیسا محدث بھی ان کے عمل سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کی مشروعیت پر دلیل لا رہا ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخاری کے ابواب ہی میں اپنا مذہب بھی بیان کر دیتے ہیں اس لئے خود امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مصافحہ مسنون دونوں ہاتھ سے ہوگا۔

اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کی مسنونیت اور مشروعیت امام بخاری کے نزدیک محقق ہوتی یا اس بارے میں اسلاف کا یہی معمول ہوتا یا آنحضور ﷺ سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کی کوئی صحیح حدیث ہوتی تو امام بخاری اس کو ضرور ذکر کرتے، امام بخاری کا ایک ہاتھ سے مصافحہ کی بات کو بالکل نظر انداز کر دینا اور دو ہاتھ سے مصافحہ کے عمل کو ثابت کرنا اور اس پر محدثین کے تعامل سے دلیل لانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اسلاف میں معمول امام بخاری کی تحقیق میں دونوں ہاتھ ہی سے مصافحہ کرنا تھا۔

اس دو اور دو چار کی طرح واضح حقیقت کے باوجود غیر مقلدین کے اکابر علماء بھی ایک ہاتھ سے مصافحہ کو تو مسنون سمجھتے ہیں اور دو ہاتھ سے مصافحہ کو خلاف مسنون بتلاتے ہیں، اس دھاندلی اور واضح حقیقت سے چشم پوشی کا کیا علاج، کبھی غیر مقلدین مستی میں

آئیں گے تو امام بخاری کے ساتھ بعد از خدا بزرگ توئی کا معاملہ کریں گے اور کبھی جب غیر مقلدیت جوش مارے گی تو امام بخاری کی تحقیق کی بھی دھجیاں اڑادیں گے اور ان کے مقابلہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے مجمل اور مبہم قول سے استدلال کریں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہوتا ہے، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بھی اپنے اس رسالہ المقالۃ الحسنٰی میں خوب دھجیاں اڑائی ہیں بلکہ صاف صاف یہ کہہ دیا ہے کہ امام بخاری کا یہ مقصود کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے ہوگا کسی حدیث مرفوع صریح صحیح سے ہرگز ثابت نہیں۔ (ص ۴۶) چلئے امام بخاری کا یہ مذہب بھی بلا حدیث ہوگیا۔

دیکھئے اختصار کے باوجود بھی آپ کے خط کا جواب بہت طویل ہوگیا، خدا کرے میری یہ تحریر آپ کے لئے اور زمزم کے دوسرے قارئین کے لئے مفید ثابت ہو۔

موانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے امام بخاری کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

> ''امام بخاری کا یہ مقصد (یعنی دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا) کسی حدیث مرفوع صریح صحیح سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا''

اب اگر کوئی غیر مقلد ایک ہاتھ سے مصافحہ کی مشروعیت کے سلسلہ میں بحث کرے اور اس کو مسنون بتلائے تو آپ بھی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ہی کا نسخہ استعمال کریں اور اس سے مطالبہ کریں کہ تم ایک ہاتھ سے مصافحہ پر کوئی حدیث مرفوع صریح، صحیح پیش کرو، پھر دیکھئے گا غیر مقلدین کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔ مرفوع کا مطلب ہے جس کی سند آنحضور ﷺ تک بلا انقطاع کے پہنچے، صریح کا مطلب ہے جس میں کسی اور طرح کا احتمال نہ ہو، صحیح کا مطلب ہے کہ وہ حدیث ہر طرح کے ضعف سے خالی ہو اور محدثین کے نزدیک اس کی سند کے تمام رواۃ ثقہ ہوں۔

مسئلہ رفع یدین میں

غیر مقلدین کی غلط بیانیاں

محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید کہ جناب والا کا مزاج بخیر ہوگا

عرض ہے کہ جناب والا کی کتابیں اور زمزم کے شمارے بعض احباب کے توسط سے ریاض پہنچے، ہم غریب الوطن قاسمی برادران کے لئے یہ نہایت گراں قدر علمی تحفہ تھا، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، غیر مقلدین کا تعاقب اس انداز میں اب تک ہماری طرف نہیں کیا گیا تھا، کتابیں اور زمزم کے شمارے احباب بڑی دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں اور سب کو زبان پر داد وتحسین کے کلمات ہیں، ایک صاحب نے غالباً آپ ہی کا مصرع شیخ جمن مدینہ سے باہر ہوئے کو ایک مجلس میں سنایا۔ شیخ جمن آجکل ریاض میں ہیں، ایک پرائیویٹ مکتبہ سے متعلق ہیں۔

پاکستان سے ایک کتاب ۱۲ مسائل نامی آئی ہے، کسی غیر مقلد کی لکھی ہے۔ اس میں رفع یدین کی بحث میں لکھا ہے:

''نماز کے اندر دونوں ہاتھوں کا اٹھانا چار مقامات پر وارد ہے۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع کے ارادہ سے تکبیر کہتے وقت

(۳) رکوع سے سر اٹھاتے وقت (۴) اگر تین یا چار رکعت کی نیت ہو تو دو رکعت پوری کر کے تیسرے رکعت کے لئے کھڑے ہو کر"

پھر لکھا ہے:

"ان چار مقامات میں سے پہلی رفع الیدین کے بارے میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں لیکن باقی تین مقامات پر رفع الیدین کے سنت ہونے میں احناف بزرگوں نے اختلاف کیا ہے، جب کہ احناف کے سوا پوری امت کے مسلمان اور ان کے تمام فقہی مسالک فکر یعنی اہلحدیث، مالکی شافعی اور حنبلی سب کے سب ان چاروں مقامات پر رفع الیدین کو سنت سمجھتے ہیں"

مصنف کے اس دعویٰ کی حقیقت آپ کے قلم سے ظاہر ہو جائے تو بہتر ہے زمزم میں اس کا شائع ہونا مفید تر ہوگا، احباب کا سلام قبول کیجئے، ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، غیر مقلدین کی آپ کے خلاف جو تحریریں شائع ہو رہی ہیں ان سے آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں، صبر جمیل سے کام لیں، اپنا کام جاری رکھیں۔

ایم، اے قاسمی حیدر آبادی

ریاض سعودی عرب

زمزم!

مکہ مکرمہ سے ہمارے ایک دوست نے یہ کتاب ہمیں بھی بھیجی ہے ہم نے اس کے کچھ صفحات کا مطالعہ کیا ہے، اس پر ہمارا ایک مفصل مضمون انشاء اللہ کسی موقع سے آئے گا۔

آپ نے اس کتاب سے جو عبارت نقل کی ہے، اس میں کئی جھوٹ ہیں

غیر مقلدین علماء کا شیوہ عموماً جھوٹ بول کر اپنی بات کو پیش کرنا ہے، رفع یدین کی بحث شریعت کا کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے کہ بغیر جھوٹ بولے اس پر خامہ فرسائی نہ کی جا سکے، مگر غیر مقلدین کا طبقہ اپنی عادت سے مجبور ہے، جھوٹ بولے بغیر اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔

رفع یدین پر زمزم کے شمارہ نمبر ۷ میں ہماری ایک تحریر شائع ہو چکی ہے اس کو دیکھ لیں، انشاء اللہ بہت سے خلجان رفع ہو جائیں گے اور رفع یدین کے سلسلہ میں اکابر غیر مقلدین کا مسلک بھی معلوم ہو جائے گا۔ ایک ہی بات کو بار بار دھرانا مشکل ہے، یہ کام غیر مقلدین کا ہے، ان کی ساری توانائیاں چند فقہی مسئلوں میں خرچ ہوتی ہیں، اللہ ان کو دین کا شعور اور فہم عطا کرے۔

آپ کی نقل کردہ عبارت میں مصنف نے فریب اور جھوٹ سے جو کام لیا ہے میں اس کو واضح کرتا ہوں۔

(۱) مصنف کا یہ کہنا کہ رفع یدین صرف چار مقامات پر وارد ہے، سفید جھوٹ ہے، احادیث پر جن کی نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ان چار مقامات کے علاوہ کچھ اور جگہوں پر بھی احادیث سے رفع یدین ثابت ہے۔

(۲) دوسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کا ذکر ہے، مثلاً حدیث وائل بن حجر واذا رفع راسه من السجود (ابو داؤد ص ۱۰۵)

(۳) بعض روایات میں دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کا ذکر ہے، مثلا حدیث ابن عباس (ابوداؤد ص ۱۰۸ انسائی ص ۱۷۲)

(۴) بعض روایات میں ہر اونچ نیچ پر (عند کل رفع و خفض) رفع یدین کا ذکر ہے مثلاً حدیث عمر ابن ابی حبیب ابن ماجہ ص ۶۲ یرفع یدیه مع کل تکبیر

گویا رفع یدین کا ذکر ان تین جگہوں کو ملا لیا جائے تو احادیث میں سات جگہوں

پر ہے، پھر یہ کہنا کہ رفع یدین صرف چار مقامات پر وارد ہوا ہے جھوٹ نہیں تو کیا ہے رفع یدین کی یہ تمام صورتیں سلف کے یہاں معمول بہا تھیں، مگر چونکہ غیر مقلدین صرف تین یا چار جگہوں پر رفع یدین کے قائل ہیں، اس لئے بقیہ تین جگہوں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا بلکہ جھوٹ بولتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا جھوٹ اس عبارت میں یہ ہے کہ مصنف کہتا ہے کہ تمام مسلمان ان چار جگہوں پر (احناف کے سوا) رفع یدین کو سنت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بھی جھوٹ ہے۔ بہت سے محدثین تو رفع یدین کو واجب سمجھتے ہیں۔ کالا وزاعی وبعض اھل الظاھر

(ص ۲۲۰ ج ۲ فتح الباری)

(۳) مصنف کہتا ہے کہ ان چاروں مقامات پر اہلحدیث، مالکی، حنفی، شافعی، اور حنبلی رفع یدین کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بھی کھلا جھوٹ ہے، بہت سے محدثین اور فقہاء بلکہ غیر مقلدین کے اکابر بھی صرف تین مقامات پر رفع یدین کو سنت سمجھتے ہیں، اور بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ہر تکبیر کے موقع پر رفع یدین کرنا سنت ہے۔

(۴) ایک بہت بڑا جھوٹ اس عبارت میں یہ ہے کہ مصنف امام مالک کا بھی مذہب یہ بتلاتا ہے کہ وہ رفع یدین کے قائل تھے، جبکہ امام مالک سے مشہور روایت عدم رفع یدین کی ہے، مالکیہ کی مشہور کتاب المدونۃ میں ہے۔

"قال مالک لااعرف رفع الیدین فی شیء من تکبیر الصلوۃ لافی خفض ولا فی رفع الافی افتتاح الصلوٰۃ

(المدونۃ ص ۷۱ جلد ۱)

یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ نماز کے شروع کے علاوہ کسی اور موقع پر رفع یدین کرنے کو نہیں جانتا۔

اور اس کے بعد ابن قاسم کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

قال ابن القاسم و کان رفع الیدین عند مالک ضعیفا

یعنی ابن قاسم کہتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک رفع یدین ضعیف تھا۔

ابن رشد مالکی بدایۃ المجتھد میں فرماتے ہیں۔

فمنھم من اقتصر بہ علی تکبیرۃ الاحرام فقط ترجیحا لحدیث عبداللہ

یعنی کچھ فقہا نے رفع یدین کرنے کو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت منحصر کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود و حدیث البراء بن عازب وھو مذھب مالک لموافقۃ العمل بہ (ص ۹۷ جلد ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اور یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے کیونکہ اہل مدینہ کا عمل اسی کے موافق ہے۔

ابن رشد کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عموماً اہل مدینہ کا عمل بھی ترک رفع یدین ہی پر تھا اور یہی مذہب امام مالک کا بھی رہا ہے۔

الفقہ علی المذاھب الاربعۃ کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔

المالکیۃ قالوا رفع الیدین حذو المنکبین عند تکبیرۃ الاحرام مندوب و فیما عداذلک مکروہ.

(ص ۲۵۰ جلد ۱)

یعنی مالکیہ کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت تو رفع یدین مستحب ہے،

اوراس کے سوا بقیہ جگہوں پر مکروہ ہے۔

اور حافظ ابن عبدالبر رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین کے بارے میں فرماتے ہیں:

فان رفع یدی حسن والا فلاحرج (ص ۲۰۶ الکافی)

یعنی اگر اس وقت دونوں ہاتھ اٹھائے بہتر ہے اور اگر نہ اٹھائے تو کوئی حرج نہیں۔

اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کے بارے میں فرماتے ہیں:

وان شاء رفع یدیه وان شاء لم یرفع . (ص ۲۰۷ ایضاً)

یعنی اگر چاہے تو اس وقت رفع یدین کرے اور چاہے تو نہ کرے۔

یہ ہے امام مالک کے مذہب کی تفصیل خود علمائے مالکیہ کی زبانی، اور ۱۲ مسائل والی کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ مالکی بھی چاروں مقامات پر رفع یدین کو سنت سمجھتے ہیں، امام مالک کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دو رکعت سے اٹھنے کے موقع پر بھی رفع یدین کو سنتے سمجھتے ہیں جھوٹ پر جھوٹ ہے۔

(۵) ۱۲ مسائل کا مصنف کہتا ہے کہ رفع یدین کے سنت ہونے میں احناف بزرگوں نے اختلاف کیا ہے جب کہ احناف کے سوا پوری امت کو مسلمان رفع یدین کو سنت سمجھتے ہیں۔ شاید دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہ بولا گیا ہو، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ:

وبه یقول غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفة

یعنی یہی ترک رفع یدین بہت سے صحابہ و تابعین کا مذہب ہے، اور یہی سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا مذہب ہے۔

سفیان ثوری جلیل القدر محدث ہیں، یہ حنفی نہیں تھے مگران کا مذہب بھی ترک رفع یدین ہی کا ہے، امام ترمذی کے بیان سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے علاوہ کوفہ کے تمام فقہاء و محدثین کا یہی مذہب تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ کوفہ دار العلم تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے پٹا پڑا تھا۔ اگر میں تفصیل میں جاؤں تو پچاسوں محدثین کا نام لے سکتا ہوں جن کا مذہب ترک رفع یدین رہا ہے۔

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے علماء کیسے اتنے دھڑے سے شرعی مسائل میں جھوٹ بولتے ہیں، رفع یدین اور عدم رفع یدین کے مسئلے میں شروع ہی سے علماء و محدثین کا نقطہ نظر الگ الگ رہا ہے، ایک جماعت رفع یدین کی قائل تھی اور ایک جماعت کی رائے اس کے خلاف تھی، کچھ لوگ ایک جگہ رفع یدین کرتے تھے، کچھ لوگ تین جگہ، کچھ لوگ چار جگہ، اور کچھ لوگ چار جگہوں کے علاوہ پانچویں چھٹی اور ساتویں جگہ بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ احادیث سے رفع یدین کا ثبوت سات جگہوں پر ہے۔

غیر مقلدین نے تین جگہوں میں رفع یدین کا انکار کیا ہے، حالانکہ ان تین جگہوں کے بارے میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے بعض بالکل صحیح ہیں، مثلاً نسائی کی یہ روایت۔

عن مالک ابن الحویرث انه رأی النبی ﷺ یرفع یدیه فی صلوته اذا رکع واذا رفع راسه من رکوعه واذا سجدواذارفع راسه من سجوده حتی یحاذی بهما فروع اذنیه (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۲۳)

مالک بن حویرث فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو اپنی نماز میں رکوع کے وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے ہو دیکھا اور اسی طرح

رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور اسی طرح سجدہ کرتے وقت اور سجدہ
سے سر اٹھاتے وقت آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں تک
لیجاتے۔

اس حدیث کے آخری حصہ کو اسی سند کے ساتھ مسلم نے بھی ذکر کیا ہے، پس یہ حدیث سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے، مگر غیر مقلدین اس صحیح سند والی حدیث پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں اور شوق ہے کہ ان کو اہلحدیث کہا جائے، تین تین اور چار چار جگہوں پر خود رفع یدین نہیں کریں گے اور طعنہ دیں گے احناف کو کہ وہ صرف ایک جگہ پر رفع یدین کرتے ہیں، جو حدیث کے خلاف ہے، خود حدیث کے خلاف یہ کچھ بھی کریں ان کی اہلحدیثیت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑتا اور اگر احناف احادیث ہی کی روشنی میں مختلف فیہ مسائل میں کسی پہلو کو راجح قرار دیکر اس پر عمل کریں تو یہ غیر مقلدین احناف کے خلاف بدزبانیوں کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔

اندازہ لگائیے کہ جو شخص چند سطروں کی عبارت میں اس قدر جھوٹ بولے اور فریب سے کام لے اس نے پوری کتاب میں کتنا فریب کیا ہوگا اور کتنا جھوٹ بولا ہوگا۔

محمد ابوبکر غازی پوری

رفع یدین کے بارے میں

خط اور اس کا جواب

مکرمی مولانا محمد ابوبکر صاحب ایڈیٹر مجلّہ زمزم

تحیۃ وسلاماً

میں برائے بحث نہیں بلکہ از راہ تحقیق آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ رفع یدین کے بارے میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل کیا تھا، اور رفع یدین کے قائل تھے یا حنفیوں کی طرح عدم رفع یدین کے قائل تھے، براہ کرم آپ جو جواب دیں تحفۃ الاحوذی میں اس مسئلہ پر جو لکھا گیا ہے اس کو سامنے ضرور رکھیں۔ والسلام

زبیر احمد السلفی بستی

زمزم!

اگر آپ نے زمزم کا شمارہ نمبر ۷ جلد ۲ دیکھا ہوتا تو آپ کو یہ سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس مسئلہ پر میں نے اس شمارہ میں کافی روشنی ڈالی ہے۔

آپ پوچھتے ہیں کہ رفع یدین کے سلسلہ میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل کیا تھا، میرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ میں جمہور صحابہ وتابعین کا عمل احناف کے مذہب کے موافق تھا، یعنی صحابہ کرام وتابعین عظام کی اکثریت خصوصاً ان میں جو فقہاء تھے عدم رفع یدین کے قائل تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین والی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وبهذا يقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ

یعنی رفع یدین کے قائل اہل علم صحابہ میں سے کچھ ہی تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث کا یہ اعتراف ہے کہ رفع یدین کے قائل صحابہ کرام میں سے کچھ ہی تھے، اگر اہل علم سے مراد فقہاء لئے جائیں تو امام ترمذی کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے جو فقہاء تھے ان میں سے کچھ ہی رفع یدین کے قائل تھے اگر غیر مقلدین کی تشریح کے مطابق اہل علم سے مراد محدثین لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرامؓ میں سے جو اصحاب حدیث تھے ان میں کچھ ہی رفع یدین کے قائل تھے اور اگر اہل علم سے مراد اصحاب فقہ اور اصحاب حدیث دونوں مراد ہوں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے جو اصحاب فقہ وحدیث تھے ان میں سے کچھ ہی کا مذہب رفع یدین کا تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو صاحب تحفۃ الاحوذی بالکل نظر انداز کر گئے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جزء رفع یدین رسالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ تمام صحابہ کرام کے مذہب رفع یدین کا تھا، مگر آپ خود سوچیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کہ تمام صحابہ کرام رفع یدین کے قائل تھے، ذرہ برابر بھی باوقعت اور باوزن ہوتی تو امام ترمذی جو ان کے شاگرد خاص ہیں ان کی بات کے برخلاف اپنا فیصلہ یہ نہ سناتے کہ رفع یدین کے قائلین اصحاب علم میں سے کچھ صحابہ کرام تھے۔ (۱) حضرت امام بخاری کا رفع یدین کے بارے میں مسلک کچھ اور تھا غیر مقلدین زبردستی ان کو اپنا ہم نوا سمجھتے ہیں اس کی تفصیل شمارہ نمبر۱ اور جلد نمبر۳ میں، دیکھئے۔

مولانا مبارکپوری نہایت متعصب اور غیر امین غیر مقلد عالم تھے، وہ تحقیق سے زیادہ تحقیق کا منہ چڑاتے ہیں، ہم ان کی کتابیں پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، آپ برا نہ مانیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع یدین والی حدیث ذکر کی ہے، اور اس کو حسن کہا ہے، اور پھر فرماتے ہیں:

وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃ

یعنی عدم رفع یدین اہل علم صحابہ کرام اور تابعین عظام کی بڑی تعداد کا مذہب تھا اور یہی امام ثوری اور تمام کوفہ والوں کا مذہب ہے۔

آپ صرف اس پر غور کریں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین والی حدیث کے بعد جو صحابہ و تابعین کا مذہب بتلایا ہے تو وہاں بعض اہل العلم من الصحابہ کی عبارت لائے ہیں، اور عدم رفع یدین کی حسن حدیث ذکر کرنے کے بعد **وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین** کی عبارت لائے ہیں اور اہل علم حضرات خوب جانتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسری عبارت سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عدم رفع یدین صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا مذہب تھا۔

''**بعض اہل العلم** ''اور **غیر واحد من اہل العلم** کے بارے میں آپ خود اپنے علماء سے تحقیق کرلیں کہ پہلے عبارت کے مقابلہ میں اس دوسری عبارت میں کثرت کا معنی زیادہ ہے کہ نہیں، اور پہلے کے مقابلہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری عبارت زیادہ پرزور ہے یا نہیں، اگر آپ کے علماء میں عربیت کا ذوق ہوگا اور انصاف و دیانت سے کام لینا ان کا مذہب ہوگا تو وہ میری بات کی ضرور تصدیق کریں گے، اور پھر

آپ کو یہ تسلیم کر لینا ہوگا کہ امام ترمذی نے (بزعم غیر مقلدین) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا نوٹس لئے بغیر یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ عدم رفع یدین اکثر صحابہ وتابعین کا مذہب تھا، اور رفع یدین کچھ صحابہ وتابعین کا مذہب تھا۔

آپ کے مبارکپوری صاحب کے تعصب کا عالم تو یہ ہے کہ جس امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب کی شرح لکھ رہے ہیں، امام ترمذی نے جب حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث جس میں عدم رفع یدین کا ذکر ہے اس کو حسن کہا تو برافروختہ ہو کر اسی امام ترمذی کے خلاف یہ تک کہہ دیا کہ اگر ترمذی کسی حدیث کو حسن کہیں تو اس پر اعتماد نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

ان حديث ابن مسعود ليس بصحيح ولا بحسن بل هو ضعيف لايقوم بمثله حجة، واما تحسين الترمذی فلا اعتماد عليه لمافيه من التساهل

یعنی (امام ترمذی نے عبداللہ بن مسعود کی جس حدیث کو حسن کہا ہے) نہ وہ صحیح ہے اور نہ حسن ہے، بلکہ وہ ضعیف ہے، اس طرح کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی، رہا ترمذی کا اس حدیث کو حسن کہنا تو ترمذی کے حسن کہنے پر اعتماد نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں تساہل تھا۔

اللہ اللہ یہ ہے مبارکپوری صاحب کا طنطنہ اور زمزمہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب کی حقیقت کیا ہے، اور ہمت اور حوصلہ یہ ہے کہ وہ امام ترمذی پر حملہ کر رہے ہیں اور ان کے خلاف فیصلہ سنا رہے ہیں اور صحیح حدیث رسول کو رد کر رہے ہیں اور جو مذہب بقول امام ترمذی صحابہ کرام میں سے اہل علم صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا تھا جس کو تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا اس کے خلاف شہ زوری دکھلا رہے ہیں اور قلم چلا رہے ہیں۔

اگر اللہ نے آپ کو عقل سلیم عنایت فرمائی ہے تو آپ غور فرمائیں کہ ایک ایسا مسئلہ جو صرف راجح اور مرجوح کا ہے، جس کے بارے میں خود آپ کی جماعت کے اکابر کو یہ تسلیم ہے کہ رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں سنت ہیں، احادیث دونوں طرح کی ہیں، اس مسئلہ میں محض اس بنا پر کہ ایک محدث نے آپ کی رائے کے خلاف فیصلہ دیا ہے، اس جلیل القدر محدث کے خلاف یہ بکواس کہ ہم امام ترمذی کی بات نہیں مانیں گے، ان کی تحسین پر اعتماد نہیں کریں گے وہ حدیث کے بارے میں سہولت پسندی سے کام لیتے تھے۔ کیا یہ مناسب فیصلہ ہے۔

اگر امام ترمذی کی تحسین پر آپ کا اعتماد نہیں ہے تو پھر ترمذی شریف کی تمام حسن روایتوں کا آپ کو انکار کر دینا چاہئے، اور پھر سوال یہ ہے کہ جب ان کی تحسین پر اعتماد نہیں ہے تو تصحیح پر کیا اعتماد ہوگا، بلکہ ان کی کسی حدیث کے بارے میں ضعیف اور غریب کہنے پر کیا اعتماد ہوگا اور ترمذی شریف میں ساری روایتیں اسی قسم کی ہیں، صحیح، حسن، ضعیف، غریب، گویا ترمذی شریف کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں رہی، جب امام ترمذی ایک جگہ نا قابل اعتماد قرار دے دیئے گئے تو ان کا اعتبار کہیں اور کیونکر ہوگا اور پھر ان کی کتاب ترمذی کی قیمت کیا باقی رہ جائے گی، اور پھر ایسے معاذ اللہ بے اعتبار محدث کی بے اعتبار کتاب کی شرح مولانا مبارکپوری کو کیوں لکھنے کی ضرورت پیش آئی؟

آپ حضرات کی اسی قسم کی باتوں سے انکار حدیث کا دروازہ کھلتا ہے اور منکرین حدیث کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ معاذ اللہ احادیث کی کتابوں کا اعتبار نہیں، محدثین کی تحقیقات نا قابل وثوق ہیں۔

آیئے دیکھئے کہ اس مسئلہ رفع یدین کو آڑ بنا کر مولانا مبارکپوری نے کتنی حدیثوں کو رد کر دیا ہے، جو کچھ میں نقل کر رہا ہوں مولانا مبارکپوری کی کتاب تحفہ ہی سے نقل کر رہا

ہوں۔

(۱) امام طحاوی اور محدث ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

عن الاسود قال رأیت عمر بن خطاب یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق کو دیکھا کہ شروع تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں۔

مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں، یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ محفوظ نہیں ہے

(۲) امام طحاوی، محدث ابن ابی شیبہ اور محدث بیہقی نے حضرت علی کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیاً کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة من الصلوة ثم لایرفع

یعنی عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شروع تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں۔

اس کے بارے میں مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علی کا یہ اثر صحیح نہیں ہے عاصم بن کلیب ثقہ محدث ہیں مگر امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ مرجئ تھے، اس طرح اس ثقہ محدث کو ضعیف قرار دیا حالانکہ مبارکپوری صاحب کو خود اعتراف ہے کہ ان کو یحیٰی بن معین جیسے محدث نے ثقہ کہا ہے، اور ایک جگہ حافظ ابن حجر نے ایک راوی کے بارے میں کہا کہ وہ مرجی تھا تو مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ رمی بالا رجاء لیس بعلة قادحة یعنی ارجاء سے مہتم ہونا کوئی علۃ قادحہ نہیں ہے۔ (ص ۴۸۸ ابکار)

یہاں چونکہ اس راوی کو قبول کرنا تھا اس وجہ سے ارجاء یعنی مرجی ہونا علۃ قادحہ نہیں رہا۔

(۳) حضرت امام طحاوی محدث ابن ابی شیبہ اور محدث بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يرفع يديه الافي تكبيرة الاولىٰ من الصلوة

حضرت مجاہد تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے صرف نماز کی تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کیا۔

آپ کے مبارکپوری صاحب اس کورد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن عمر کا یہ اثر ضعیف ہے اس اثر کی سند ابوبکر عن حصین سے شروع ہوتی ہے، یہاں مبارکپوری صاحب امام وکیع کا مقام بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ **ان امام هذا الشان يحيى بن معين قال حديث ابى بكر عن حصين توهم منه لا اصل له** یعنی فن حدیث کے امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں کہ وہم ہے اس کی کوئی اصل نہیں، اور انہیں یحیٰ بن معین نے اوپر والی سند کو صحیح کہا تھا اور عاصم بن کلیب کی توثیق کی تھی اور ان کو ثقہ کہا تھا تو وہاں اس امام ھذا الشان کا کلام مبارکپوری صاحب نے رد کر دیا تسلیم نہیں کیا، اس تعصب کا کوئی ٹھکانا ہے اور یہ ایماندارانہ طرز گفتگو ہے۔

(۴) مسلم شریف کی روایت جابر بن سمرہ رضی اللہ کی ہے، اس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کرنا گواری کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بارے میں مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں رفع یدین کے منع پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

ان روایات کا تو مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی میں انکار کیا ہے، اور ابکار المنن جوان کی کتاب ہے اس میں مندرجہ ذیل روایتوں کا مختلف بہانوں اور حیلوں سے

انکار کیا ہے۔

(۵) امام طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لایرفع یدیہ فی شیء من الصلوۃ الافی افتتاح

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں رفع یدین صرف نماز کی ابتداء میں کرتے تھے۔

اس کے بارے میں مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے راوی حسین بن عبدالرحمٰن کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہوگیا تھا، اس لئے یہ حدیث قابل رد ہے یعنی اگر کسی کا آخر عمر میں حافظہ خراب ہو جائے تو اس کی کوئی حدیث قبول نہیں۔ کیا بڑھاپے میں قوی جسمانیہ وذہنیہ جوانی کے زمانہ جیسے ہی رہتے ہیں؟ کم ہی ایسے اللہ کے بندے ہوں گے جن کا حافظہ بڑھاپے میں بھی ایسا ہی رہتا ہو جیسا کہ جوانی میں رہتا ہے، مگر مبارکپوری صاحب کا فیصلہ یہی ہے کہ انہیں محدثین کی روایت قبول کی جائے گی جن کا حافظ بڑھاپے میں بھی جوانی کے زمانہ جیسا ہو۔

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند سے یہ روایت ہے۔

کان اصحاب عبداللہ واصحاب علی رضی اللہ عنہما لایرفعون ایدیھم الافی افتتاح الصلوۃ

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگرد صرف شروع نماز ہی میں رفع یدین کرتے تھے۔

اور ظاہر بات ہے کہ یہ شاگرد اپنے اساتذہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا عمل دیکھ کر ہی اور ان سے سیکھ کر ہی صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے،

اور جگہوں پر رفع یدین نہیں کرتے تھے، یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے، جس کا کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا مگر مولانا مبارکپوری کا تعصب یہ ہے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''لیس ممایلتفت الیه''یعنی یہ لائق توجہ بات نہیں ہے''

مولانا مبارکپوری نے ان احادیث و آثار کا انکار تو کیا ہی ہے۔ مندرجہ ذیل روایتوں کا بھی انکار کیا ہے۔

(۷) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

عن الحسن وابن سیرین انهما کانا یرفعان ایدیهما بین السجدتین.

یعنی حضرت حسن بصری اور امام سیرین سے منقول ہے کہ یہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کرتے تھے۔

چونکہ آپ حضرات غیر مقلدین کا مذہب دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنے کا نہیں ہے اس وجہ سے مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے

(۸) نسائی شریف میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے۔

انه رأی النبی ﷺ رفع یدیه فی صلوته اذا رکع واذارفع راسه من الرکوع واذاسجد واذا رفع راسه من السجود حتی یحاذی بهما فروع اذنیه

یعنی حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں رکوع میں جاتے وقت بھی کانوں کی لوتک رفع یدین کرتے تھے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی اور سجدہ میں جاتے وقت بھی اور سجدہ سے سر اٹھاتے

وقت بھی۔

اس حدیث کا ایک ایک راوی صحیح ہے مگر چونکہ یہ صحیح حدیث مولانا مبارکپوری کے مذہب کے خلاف ہے اس وجہ سے اس صحیح حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس کی سند میں قتادہ محدث ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

اور قتادہ وہ راوی اور محدث ہیں جن کی روایتوں سے مسلم اور بخاری کی کتابیں بھری ہیں مسلم و بخاری جن کا اعتبار کریں وہ محدث مبارکپوری صاحب کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے، منکرین حدیث آپ حضرات کی انہیں باتوں سے فائدہ اٹھا کر حدیث کا بالکلیہ انکار کر دیتے ہیں۔

(۹) صحیح سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه فی الرکوع والسجود

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے

مبارکپوری صاحب نے اس حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ **کیف یکون اسناده صحیحا وفیه حمید الطویل وهو مدلس** یعنی اس کی سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ اس کا راوی حمید الطویل مدلس ہے۔

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه عند التکبیر للرکوع وعند التکبیر حین یهوی ساجدًا

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے وقت تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور سجدہ کی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

محدث ہیثمی نے اس کی سندکو صحیح کہا ہے، مگر مبارکپوری صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں ہیثمی پر اعتماد نہیں ہے، فرماتے ہیں **ولا یطمئن القلب علی تصحیح الھیثمی** یعنی محدث ہیثمی نے جو اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے تو ان کی تصحیح پر قلب کو اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ اللہ اکبر آپ کا زعم یہ ہے کہ آپ جو کہہ دیں ہم اس کو بلا چوں چرا تسلیم کرلیں خواہ اس سے انکار حدیث کا دروازہ ہی کھل جائے اور محدثین کی ساری کاوشیں رائیگاں چلی جائیں، حدیث کا جو زبردست ذخیرہ ہے اس کی کوئی حدیث اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک مبارکپوری صاحب سے اس کے صحیح ہونے کا سارٹیفکٹ نہ مل جائے حالانکہ محدث ہیثمی کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب کی جو حیثیت ہے اس سے مبارکپوری صاحب بھی خوب واقف ہیں۔

(۱۱) سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔

قال رأیت رسول اللہ ﷺ یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ حذو منکبیہ حین یفتتح الصلوٰۃ وحین یرکع وحین یسجد

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو نماز کے ساتھ کے وقت اور رکوع کرتے وقت اور سجدہ کرتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا۔

یہ روایت بالکل صحیح سند سے مروی ہے، مگر امام طحاوی کا دامن پکڑتے ہوئے پہلے تو اس کو ناقابل حجت قرار دیا لیکن چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اس لئے اس کی تاویل یہ کی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سجدہ میں جارہے ہوتے تب رفع یدین کرتے۔

(۱۲) حضرت وائل بن حجر کی مشہور صحیح روایت دارقطنی کی ہے، حضرت وائل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

أنه رأى رسول الله ﷺ يرفع يديه حين يفتتح الصلوة واذا ركع و اذا سجد

انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ نماز کے شروع کرتے وقت اور نماز میں رکوع میں جاتے وقت اور سجدہ کرتے وقت رفع یدین کر رہے تھے۔

اس صحیح حدیث کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں حصین بن عبدالرحمٰن نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے، اور اس کا حافظہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا۔

(۱۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ جزرفع یدین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ صحیح حدیث ذکر کی ہے۔

عن يحيى بن ابى اسحاق قال رأيت انس بن مالك يرفع يديه بين السجدتين

یعنی یحییٰ بن ابی اسحٰق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے تو اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور اس کی سند کو بلا چوں چرا صحیح تسلیم کر لیا مگر مبارکپوری صاحب کا جذبہ انکار حدیث یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں حماد بن سلمہ ہے اور اس کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا اس لئے اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے، اگر حماد بن سلمہ جیسا راوی بھی ضعیف قرار دے دیا جائے تو پھر کسی محدث پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور صحاح ستہ کی احادیث ناقابل اعتبار قرار پائیں گی۔

مہربان من، آپ فرمائیں کہ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ اتنا ہی اہم ہے

کہ اس کو بنیاد بنا کر بڑے بڑے محدثین عظام کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی جائیں اور احادیث صحیحہ کا انکار پر انکار کرتے چلا جایا جائے، آپ فرمائیں کہ کیا یہ عوام کو احادیث رسول و آثار صحابہ سے برگشتہ کرنے کی سعی ناپاک نہیں ہے، یہ سنت رسول کی طرف دعوت دینا ہے یا اس سے برگشتہ کرنا ہے۔

آپ نے اپنے خط میں بلا وجہ مبارکپوری صاحب کا نام لیا ہے، ورنہ آپ کا جواب تو چند سطروں کا تھا، مبارکپوری صاحب تو وہ غیر مقلد عالم ہیں کہ انہوں نے احادیث رسول سے عوام کو بدظن کرنے کی زبردست سازش رچائی ہے، انہوں نے محدثین کی قدر و قیمت گھٹانے اور ان کو غیر معتبر بنانے کے لئے اپنی روشنائی و قلم کا غیر مناسب استعمال کیا ہے، اپنی ساری صلاحیتوں کو اس پر خرچ کیا ہے کہ اللہ کے رسول کی احادیث مشکوک ہو جائیں، عوام کا اعتماد ان پر سے ختم ہو جائے، محدثین مجروح قرار پائیں اور ان کی کسی بات پر کوئی بھروسہ نہ کرے، یہ کون سی دین کی خدمت ہے، بخاری و مسلم کی راویوں پر بھی دوسروں کی نقالی میں مبارکپوری صاحب زبردست نقد کرتے ہیں۔

مبارکپوری صاحب کا حال تو یہ ہے کہ وہ امام شعبہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثقة، حافظ متقن كان الثورى يقول هو امير المؤمنين فى الحديث، وهو اول من فتش بالعراق عن الرجال و ذبعن السنة و كان عابدا، وقال احمد بن حنبل كان شعبة امة واحدة فى هذا الشان يعنى فى الرجال و بصره بالحديث وقال الشافعى لو لا شعبة لماعرف الحديث بالعراق.

(تحفه ص ۱۴ ج ۱)

یعنی شعبہ ثقہ حافظ اور پختہ کار محدث ہیں، سفیان ثوری فرماتے تھے کہ وہ حدیث کے علم فن امیر المومنین (سارے مسلمانوں کے امیر) ہیں، امام شعبہ ہی نے عراق میں پہلے پہل رجال حدیث یعنی سندوں کی چھانٹ پھٹک کی، انہوں نے سنت کا دفاع کیا اور اس کی حفاظت ہر طرح کی، یہ بہت عبادت گزار بھی تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ فن حدیث میں امام شعبہ تنہا ایک امت ہیں یعنی رجال حدیث اور حدیث کی ان کو خوب معرفت وبصیرت حاصل ہے، امام شافعی فرماتے تھے کہ اگر عراق میں شعبہ جیسا محدث نہ ہوتا تو عراق میں حدیث کا فن غیر معروف رہتا۔

مولانا مبارکپوری کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محدثین میں امام شعبہ کا کتنا عظیم ورفیع مقام تھا اور فن حدیث مین ان کا پایہ کتنا بلند تھا، امام احمد بن حنبل جیسا آدمی یہ کہتا ہے کہ وہ علم حدیث میں تنہا ایک امت کے قائم مقام تھے، امام شعبہ کی روایتوں سے صحاح ستہ کی کتابیں بھری ہیں، بخاری ومسلم کے لئے امام شعبہ کی روایتیں قابل فخر ہیں۔

اور یہی امام شعبہ جن کا ابھی ابھی آپ نے خود مولانا مبارکپوری کے کلام سے حدیث میں مقام اور وقعت اور عظمت کا اندازہ لگایا، جب سورہ فاتحہ کے بعد آہستہ آمین کہنے کی روایت ذکر کرتے ہیں تو مولانا مبارکپوری صاحب کا ان کے حق میں انداز بدل گیا اور ان کو حدیث اور رجال حدیث میں ناقابل اعتبار قرار دینے پر پورا زور صرف کر دیا، اب اس امام شعبہ کے بارے میں مولانا مبارکپوری دوسروں کی تقلید میں فرماتے ہیں۔

(۱) ان شعبہ کان یخطی فی الرجال کثیرا

کہ شعبہ تو سند میں بہت غلطی کرتے تھے۔

(۲) ان شعبہ کان شاکا یشک کثیرا فی الاسانید والمتون

یعنی شعبہ شکی تھے اور احادیث کے متن اور ان کی سندوں میں بہت زیادہ شک کرتے تھے۔

(۳)سفیان احفظ من شعبة

یعنی شعبہ سے زیادہ سفیان حافظ تھے۔

(۴)قد تقران شعبه اذا خالف سفیان فالقول قول سفیان

معلوم ہو چکا ہے کہ اگر شعبہ سفیان کی مخالفت کریں تو سفیان کا قول معتبر ہوگا۔سفیان کی

(۵)حدیث سفیان ثلثون الف و حدیث شعبه عشرة الاف.

حدیثیں تین ہزار ہیں اور شعبہ کی حدیثیں دس ہزار ہیں۔

اور اس طرح وہ امام شعبہ جوفن حدیث اور فن اسماء رجال میں عظمت کے بلند ترین مینار پر تھے دھڑام سے نیچے آ گئے، یہاں تک کہ مبارکپوری صاحب نے دوسروں کی تقلید میں جن کی باتیں ان کے نزدیک وحی آسمانی سے کم نہیں امام شعبہ جیسے محدث کوشکی اور احادیث کے بیان میں بہت زیادہ غلط کار ٹھہرا کے دم لیا اور ان کا قصور کیا تھا بس یہ کہ انہوں نے سرا آمین کی حدیث کیوں روایت کی۔

میں نے یہاں صرف ایک مثال سے مبارکپوری صاحب کی ذہنیت پر روشنی ڈالی ہے، میری کتاب غیر مقلدین کے لئے لمحہ فکریہ کا آپ مطالعہ کریں اس میں بہت سی اس قسم کی مثالیں آپ کو ملیں گی، اور پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ مبارکپوری صاحب نے خدمت حدیث کے نام پر منکرین حدیث کے لئے کتنا مواد فراہم کردیا ہے۔

اور کبھی کبھی تو ہم مبارکپوری صاحب کی حدیث صحیح کے رد کردینے کی جرأت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ ان صاحب کو صحیح حدیث کے رد کرنے کا کتنا شوق ہوتا

ہے اور اس کے لئے وہ کیسا کھیل کھیلتے ہیں، مثلا امام ترمذی نے جہرا آمین والی حدیث کو سند کے اعتبار سے سراوالی حدیث پر ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ سند کے اعتبار سے جہراوالی حدیث جو سفیان ثوری کی سند سے ہے وہ سراوالی حدیث جو شعبہ کی سند سے ہے اصح ہے، یعنی صحت سند کے اعتبار سے سفیان والی حدیث کا پلہ بھاری ہے، امام ترمذی نے اصح کا لفظ استعمال کر کے شعبہ کی حدیث کو بھی صحیح بتلایا ہے، کہ ایک سند اصح اور دوسری سند صحیح ہے اصح کا مطلب زیادہ صحیح ہوتا ہے زیادہ صحیح کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ کی چیز صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں امر صحیح ہیں البتہ ایک صحت کے اعتبار سے راجح ہے اور دوسرا صحت کے اعتبار سے مرجوح۔

مگر مبارکپوری صاحب کی منطق نرالی ہے اور اب وہ عربی زبان میں دادا جتہاد دینے کا سوق رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے جو اصح فرمایا ہے اس کا مطلب صحیح ہے، اور امام ترمذی کا مطلب یہ ہے کہ سفیان والی حدیث صحیح ہے اور شعبہ والی حدیث ضعیف ہے، مبارکپوری کے الفاظ یہ ہیں۔

واراد بقوله اصح الصحیح والمعنی ان حدیث سفیان صحیح وحدیث شعبه لیس بصحیح (ص ۲۰۹ ج ۱ تحفه)

یعنی امام ترمذی نے اصح سے مراد صحیح لیا ہے اور ان کا مطلب یہ ہے کہ سفیان کی حدیث صحیح ہے اور شعبہ کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مبارکپوری صاحب کو امام ترمذی کے درس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، اور انہوں نے اپنے کان سے امام ترمذی کو یہ بتلاتے ہوئے سنا ہے کہ میری میراد یہاں اصح سے صحیح ہے۔

خدارا آپ بتلائیں کہ یہ سب حرکتیں کیا ہیں، اور ان کا مقصد کیا ہے یہی تو کہ

ایک ثابت شدہ صحیح حدیث کو محض سند کا بہانہ لے کر رد کر دیا جائے، حالانکہ مبارکپوری صاحب جب ان کے مطلب کی بات ہوتی ہے تو دوسروں کو یہ قاعدہ سناتے ہیں کہ سند کے ضعیف ہونے سے متن کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

کیا خوب امام ترمذی تو سفیان والی حدیث کے بارے میں فرمائیں کہ اس کو اصح زیادہ صحیح کہو اور مبارکپوری صاحب فرمائیں کہ نہیں صرف صحیح کہو زیادہ صحیح مت کہو تاکہ اس کے بالمقابل والی حدیث کو ضعیف قرار دے دیا جائے۔(۱)

اپنے اکابر کی اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر اب کے غیر مقلدین احادیث رسول کے ساتھ وہ بھونڈا مذاق کرتے ہیں کہ دیانت وامانت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

مثلاً ایک غیر مقلد صاحب نے اپنی کتاب میں رفع یدین کے بارے میں ایک حدیث کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے۔

ثم جئت بعد ذلک فی ذمن فیه برد شدید فرأیت الناس

اگر چہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک سند کے اعتبار سے سفیان والی حدیث زیادہ صحیح ہے، مگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو مبارکپوری صاحب کا یہ قاعدہ کہ سند کے صحیح ہونے سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ ابکار ص ۲۲۵) یہاں خوب فٹ آتا ہے، اس وجہ سے کہ سفیان ثوری جو آمین بالجہر والی حدیث کے راوی ہیں اور انہیں پر اس حدیث کے صحیح ہونے کا مدار ہے، وہ خود آمین بالجہر کے قائل نہیں ہیں، اور راوی حدیث جب اپنی روایت پر خود عمل نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ روایت اگر چہ سندا صحیح ہے مگر قابل عمل نہیں ہے اور اس کی وجہ اس کے یہاں غالبا یہی ہوگی کہ اس کے زمانہ میں یا اس کی تحقیق میں عام طور پر یہ حدیث صحابہ وتابعین اور محدثین وفقہاء امت میں معمول بہ نہیں رہی ہے، اگر اس حدیث پر عام طور پر عمل رہا ہوتا تو راوی حدیث اس حدیث پر عمل کرنے سے باز نہ رہتا۔

علیهم جل الثیاب تحرک ایدیهم تحت الثیاب

یعنی روایت کرنے والے نے فرمایا کہ میں اس کے بعد شدید سردی کے زمانہ میں آیا تو دیکھا کہ لوگوں پر موٹے موٹے کپڑے ہیں اور کپڑوں کے نیچے اون کے ہاتھ حرکت کر رہے ہیں۔

یہ تو ہے اس کا ترجمہ اور اب غیر مقلد صاحب کا ترجمہ دیکھئے وہ ترجمہ کرتے ہیں:

''جب (اگلے برس) میں دوبارہ آیا تو موسم اتنا سرد تھا کہ لوگوں نے بوجھل کپڑے اوڑھ رکھے تھے مگر رفع یدین بدستور ہی کپڑوں کے نیچے سے (ہاتھ باہر نکال کر) کرتے تھے'' (۱۲ مسائل ص ۲۷ از حکیم عبدالرحمٰن خلیق)

یہ ہے تحرک ایدیہم تحت الثیاب کا فاضلانہ اور غیر مقلدانہ ترجمہ

ایک صاحب نے آمین بالجہر کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے رسالہ میں ذکر کی ہے وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ ماحسد تکم الیهود علی شئی ماحسد تکم علی امین فاکثروا قول امین.

یعنی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود تم سے اتنا کسی چیز پر حسد نہیں کرتے جتنا تمہارے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں سو تم آمین زیادہ کہا کرو۔

اور ان غیر مقلد صاحب کا ترجمہ ہے۔

''یہود نے اتنا حسد تم سے کسی بات پر نہیں کیا جتنا آمین پکار کر کہنے پر کرتے ہیں، سو تم بہت آمین کہو تا کہ اور زیادہ جلیں، (رسالہ اثبات آمین از نور گھر جاکھی ص ۱۸)

خط کشیدہ جملوں پر غور کرلیں ان کو حدیث میں (اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو) کہیں نام ونشان نہیں ہے مگر ہمارے فاضل غیر مقلد صاحب بڑی شان سے رسول اکرم ﷺ کی طرف اس بات کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے منسوب کر رہے ہیں، گویا بوقت واحد صحابی پر بھی افترا کیا اور رسول ﷺ کی ذات گرامی پر بھی افتراء کیا۔

میں کہتا ہوں کہ آمین بالجہر کو زیادہ سے زیادہ آپ سنت کہیں گے مگر صحابی ورسول کی طرف ان باتوں کو منسوب کرنا جو انہوں نے نہیں فرمائی ہیں یہ تو حرام ہے، ایک سنت کو ثابت کرنے کے لئے آپ حرام کا ارتکاب کریں اور وہ بھی ایسے حرام کا جس کا مرتکب مستحق جہنم ہے، اس کو کون سی شریعت جائز قرار دیتی ہے۔

خط کا جواب ضرورت سے زیادہ طویل ہوگیا، خدا کرے یہ سطریں آپ کے لئے مفید ہوں۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا بلا اس تحریف وخیانت کے رفع یدین نہیں ہوسکتا؟

ہم جب غیر مقلدین یعنی اہلحدیث اور بقلم خود سلفی حضرات کی کتابیں پڑھتے ہیں تو ہمیں عجیب عجیب حادثات سے گذرنا پڑتا ہے، ہم خیران وششدر رہ جاتے ہیں کہ کتاب وسنت کا نام لے کر عوام کو گمراہ کرنے والا یہ فرقہ دیانت وامانت اور شرافت سے اتنا محروم کیوں ہے، اور خداوند قدوس نے صدق وراستبازی اختیار کرنے کی توفیق اسے کیوں نہیں عطا کی۔

ہمارا اپنا خیال اور مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ اسلاف کے دشمنوں کو امانت ودیانت اور صدق وراستبازی کی دولت سے محروم کردیا جاتا ہے، اور اس کی مثال ہمارے سامنے شیعوں اور قادیانیوں کی ہے، شیعوں کے یہاں دین کے نام پر دغا کرنا بے ایمانی کرنا، دھوکا اور فریب دینا، جھوٹ بولنا عین ایمانداری اور دینداری اور ان کے دھرم کا جزء ہے، اسی طرح قادیانیوں کا معاملہ ہے، ان کے باطل مذہب کی بنیاد بھی جھوٹ، فریب، افتراء پر ہے، اور یہ دونوں فرقے اسلاف کے شدید دشمن ہیں، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، پس اللہ نے ان کو صدق وراستبازی کی دولت سے محروم کردیا اور جھوٹ بولنا، فریب دینا ان کے مذہب کا جز بن گیا۔

کچھ اسی طرح کا حال بقلم خود اہلحدیثوں اور سلفیوں کا ہے کہ انہوں نے بھی

چونکہ اسلاف کے بارے میں طعن و تشنیع اور سب وشتم کو اپنا شیوہ وشعار بنالیا ہے بلکہ سب سے بڑا اہلحدیث اور سلفی وہی قرار پاتا ہے جو اسلاف اور ائمہ دین اور فقہائے امت کی شان میں سے زیادہ گستاخ ہو، تو پروردگار عالم نے ان سے بھی صدق راستبازی اور حق گوئی کی نعمت کو سلب کرلیا اوران کا کام دغا اور فریب سے اپنے افکار وخیالات کی اشاعت بن گیا ہے، یہ کتاب وسنت کے ساتھ ایسا کھیل کرتے ہیں کہ دیانت وامانت سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں اور کتاب وسنت کی ایسی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ شیطان بھی ان کو شاباشی دینے لگتا ہے۔

اختلافی مسائل میں سے مشہور مسئلہ نماز میں ابتداء صلوٰۃ کے علاوہ کچھ اور جگہوں پر رفع یدین کرنے کا بھی ہے، بقول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام اور تابعین میں سے کچھ لوگوں کا یہ عمل رہا ہے کہ ابتداء نماز کے علاوہ اور بھی کچھ جگہوں پر رفع یدین کرتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین والی حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں:

وبھذا یقول بعض اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ یعنی نماز میں ابتداء صلوٰۃ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرنے کے کچھ صحابہ قائل تھے، ناظرین غور فرمائیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ بعض کا لفظ استعمال کررہے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں آپ ''کچھ'' کرلیں یا اسی لفظ کو اردو میں استعمال کریں یعنی یہ کہیں کہ بعض صحابہ قائل تھے، بہرحال دونوں کا حاصل یہی نکلے گا کہ صحابہ کرام کی اکثریت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول رفع یدین کی قائل نہیں تھی، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو لطیف اشارہ میں ظاہر بھی کردیا ہے چنانچہ جب انہوں نے عدم رفع یدین والی حدیث ذکر کی ہے تو وہاں انہوں نے غیر واحد کا لفظ استعمال کیا ہے۔ فرماتے

ہیں:

وبہ یقول غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ یعنی صرف نماز میں ایک ہی جگہ نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرنا (جیسا کہ احناف اور مالکیہ کا مذہب ہے) بہت سے صحابہ کرام کا مذہب تھا، اور جن کو بھی ذوق عربیت ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ بعض کا کلمہ عربی زبان میں قلت کو بتلانے کے لئے ہوتا ہے اور جب عدد کا بیان غیر واحد سے ہو تو اس میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے، امام ترمذی نے رفع یدین کی حدیث ذکر کرنے کے بعد بعض کا لفظ استعمال کیا ہے اور عدم رفع یدین کی حدیث ذکر کرنے کے بعد غیر واحد کا لفظ استعمال کیا ہے اس لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ امام ترمذی جیسے عظیم الشان محدث کی تحقیق کے مطابق صحابہ کرام میں رفع یدین کے قائلین کم تھے اور رفع یدین نہ کرنے والے زیادہ تھے، مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری امام ترمذی کے بارے میں فرماتے کہ **الترمذی من ائمة هذا الشان** یعنی امام ترمذی فن حدیث کے اماموں میں سے ہیں ایک جگہ اس بات کو اس طرح کہتے ہیں **انه من ائمة الفن** غرضیکہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کو علم حدیث میں امام ترمذی کی امامت اور جلالت قدر وشان کا پورا پورا اعتراف ہے، اور رفع یدین اور عدم رفع یدین کا مسئلہ بھی چونکہ حدیث ہی سے تعلق رکھتا ہے اس وجہ سے امام ترمذی کا اس بارہ میں جو فیصلہ ہے اس پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے رفع یدین کے مسئلہ کو بہت زیادہ قابل نزاع بنانا اور خوامخواہ کی بحثوں کو پھیلانا قطعاً مناسب نہیں ہے اور نہ اہل علم کی شان ہے، جب صحابہ کرام سے دونوں عمل ثابت ہے تو دونوں پر عمل کرنا سنت ہی پر عمل کرنا ہوگا اور یہ ماننا ہوگا کہ آنحضور اکرم ﷺ سے رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں ثابت ہے، اور اسی وجہ سے غیر مقلدین کے مقتدی اور پیشوا میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ نذیریہ میں لکھا ہے کہ

رفع یدین اور دم رفع یدین کے بارے میں جھگڑا کرنا قرب قیامت کی علامات میں سے ہے، اور یہ دونوں سنت سے ثابت ہے (ج ا ص ۱۴۱)

جس مسئلہ کی حقیقت اہل علم کے نزدیک صرف اتنی سی تھی غیر مقلدین نے اسی کو اپنی دھما چوکڑی کا سب سے بڑا میدان بنالیا، اور حق اور ناحق کا معیار قرار دیا، اور ان تمام ناگفتنیوں اور ناکردنیوں کا مظاہرہ کیا جن سے علم ودیانت پناہ مانگتے ہیں اور انسانی شرافت توبہ کرتی ہے، اور ان کا طغیان وطوفان اتنا بڑھا کہ صحابہ کرام ائمہ دین کو بھی نہیں بخشا اور اس طغیان وطوفان کی انتہا یہ ہوئی کہ انہوں نے احادیث رسول ﷺ کیساتھ ایسا فریب ودھوکا دہی کا معاملہ کیا کہ شیطان نے کہا واہ، واہ میں اس کی مثال بلکہ مثالیں ابھی دوں گا۔

پہلے یہ معلوم کیجئے کہ ان کا رویہ اسلاف کے ساتھ کس طرح کا ہوتا ہے تو ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے فن حدیث کا امام کہا تھا، مگر جب انہوں نے عدم رفع یدین والی حدیث ذکر کر کے اس کو حسن قرار دیا تو یہ غیر مقلد محدث صاحب امام ترمذی پر پلٹ پڑے اور صاف صاف کہہ دیا کہ ترمذی کے حسن کہنے پر ہمیں اعتماد نہیں ہے اور یہ صاحب غصہ میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ یہ نہیں کہا کہ ہمیں امام ترمذی کے اس خاص حدیث عدم رفع یدین کو حسن کہنے پر اعتماد نہیں ہے تا کہ کچھ گنجائش بھی رہتی بلکہ مطلقا کہہ دیا کہ اما تحسین الترمذی فلا اعتماد علیہ (تحفص ۲۲۰ ج ا) یعنی ترمذی کے حسن کہنے پر ہمیں اعتماد نہیں ہے۔ یعنی اب ان غیر مقلد محدث کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں جس جس حدیث کو حسن قرار دیا ہے وہ سب ناقابل اعتبار ہے۔

جی ہاں یہ ہیں عاشقان رسول اور اہلحدیث نام کے بہروپے اور کتاب وسنت کے عاشق زار جنہوں نے اپنے ایک نشانہ میں ترمذی شریف کی تمام حسن حدیثوں کو کالعدم

قرار دیا۔

اور پھر یہی نہیں بلکہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی جرأت اتنی بڑھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم کا بھرا پیالہ کہا کرتے تھے جن سے عدم رفع یدین والی روایت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے نقل کی ہے، اس جلیل القدر صحابی کے بارے میں مبارکپوری صاحب نے دوسروں کی اندھی تقلید میں کہہ دیا کہ یہ نماز کی بہت سی باتوں کو بھول گئے تھے اسی طرح یہ رفع یدین کو بھی بھول گئے۔ مولانا مبارکپوری کی اس تحقیق کی داد شیطان نے دی اور کہا واہ واہ۔

اور پھر اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی جرأت مزید بڑھی اور عہد اول کے عام لوگوں کے بارے میں جن میں صحابہ وتابعین بھی ہیں یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ رفع یدین اس لئے نہیں کرتے تھے کہ ان میں نماز کے بارے میں سستی وکاہلی پیدا ہوگئی تھی، غیر مقلدین کے بہت بڑے محدث حافظ محمد گوندلوی فرماتے ہیں۔

لیکن ایسا بھی زمانہ آگیا کہ رفع یدین میں سستی کرنے لگے جس طرح تکبیرات انتقال میں سستی کرنے لگے تھے" (التحقیق الراسخ ص ۹۴)

نیز فرماتے ہیں کہ:

"صحابہ کے زمانہ میں لوگوں نے تکبیرات انتقال چھوڑ دی تھیں یہاں تک کہ عکرمہ جیسے جلیل القدر تابعی کو بھی اس کی سنیت بلکہ اباحت میں شبہ تھا"۔ (ایضاً)

اور آگے تو ان محدث صاحب نے حد ہی کر دی، صحابہ وتابعین کے زمانہ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہوتا ہے:

"غرضیکہ طرح طرح کے تغیر ہو گئے تھے تعدیل ارکان تکبیرات

انتقال، اوقات صلوٰۃ وغیرہ کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا''۔

(ص۹۴ ایضاً)

انا اللہ وانا الیہ راجعون یہ ہے غیر مقلدین حضرات کی تحقیق صحابہ کرام اور تابعین عظام کے بارے میں۔ اندازہ لگایئے کہ مسئلہ رفع یدین میں ان غیر مقلدین کے غلو نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا کہ اسلام کے عہد اول کی روشن تاریخ ہی پر زبردست حملہ کر کے صحابہ کرام و تابعین عظام کے کردار کو مشکوک بنا دیا۔

خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے کردار پر حملہ کرتے ہوئے یہ صاحب فرماتے ہیں:

''بعض خلفائے بنوامیہ کی تو خصوصاً یہ عادت ہو چکی تھی کہ وہ اوقات نماز کی چنداں پرواہ نہیں کیا کرتے تھے، ان کی دیکھ دیکھی حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی انہی کے نہج پر چلنے لگے''

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں ان محدث مغیر مقلد صاحب کا یہ زبردست افتراء ہے کہ وہ اوقات نماز کی پابندی نہیں کرتے تھے، انہوں نے حوالہ دینے میں زبردست گھپلا کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کا جھوٹ نہ کھلے انہوں نے فتح الباری سے جو عبارت نقل کی ہے اس کا ترجمہ کرنے کی ان کو ہمت نہ ہو سکی اس لئے کہ اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور دور پتہ ہی نہیں ہے بلکہ انہیں کے حوالہ والی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت کی نماز میں صرف ایک دن کبھی تاخیر ہو گئی تھی نہ یہ کہ یہ ان کی معاذ اللہ عادت تھی جیسا کہ محدث گوندلوی صاحب نے ان کے بارے میں یہ تاثر دینا چاہا ہے خود ان کے حوالہ میں یہ عبارت موجود ہے۔

قال ابن عبدالبر ظاهر سياقه انه فعل ذلك يوما لاان ذلك كان عادة له ص ۹۵

یعنی حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ عبارۃ کا ظاہر سیاق یہ بتلاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک دن تاخیر ہوگئی تھی نہ یہ کہ یہ ان کی عادت تھی۔

بھلا بتلائیے کہ بات کیا ہے اور یہ غیر مقلد محدث صاحب نے اس کو کیسا بتنگڑ بنا کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسی اسلام کی قابل فخر و نادرۂ روزگار شخصیت کو مجروح اور مطعون کرنے کی کوشش کی ہے انا للہ و انا الیہ راجعون کسی وجہ سے اگر کسی سے ایک روز نماز کے کسی وقت میں تاخیر ہو جائے جب کہ وہ امیر و والی بھی ہے جس کو مختلف کام پیش آتے رہتے ہیں تو کیا یہ کہنا جائز اور مبنی بر انصاف ہوگا کہ اس کو نماز مؤخر کر کے پڑھنے کی عادت تھی۔

یہ غیر مقلدین رائی کا پہاڑ اور پر کا کوا کیوں بناتے ہیں اس وجہ سے کہ ان کو اپنے مسلک میں بیجا غلو بہت ہوتا ہے اور غیر مقلدیت کی وجہ سے ان کو اسلاف پر طعن و تشنیع کرنے میں باک اور جھجھک نہیں ہوتی۔

احادیث رسول میں غیر مقلدین علماء کی خیانتیں

اور اپنے مسلک وعقیدہ کا یہی غلوان کو اس پر بھی آمادہ کرتا ہے کہ وہ بلا تکلف احادیث رسول میں خیانتیں کر ڈالتے ہیں اور ناواقف عوام کو دھوکہ دیکر اپنی حقانیت کا جھوٹا اظہار کرتے ہیں۔

چونکہ اندازہ سے زیادہ میری گفتگو طویل ہوگئی ہے اس وجہ سے میں یہاں مسئلہ رفع یدین کے سلسلہ کی احادیث رسول کے باب میں ان کے تین بڑے بڑے علماء کی تین خیانتیں ظاہر کرتا ہوں، اور ناظرین کو دعوت عبرت دیتا ہوں، ان سے گذارش کرتا ہوں کہ خدارا آپ بتلائیں کہ احادیث رسول فداہ ابی وامی ﷺ کے باب میں ایسے بے دھڑک اور

بے باک اور خائن لوگوں کا شمار جماعت اہلحدیث میں کسی بھی درجہ میں جائز ہوسکتا ہے۔ اور کیا کسی مسلمان کا ضمیر یہ گوارا کرے گا کہ وہ ان غیر مقلدوں کو اہلحدیث کہے؟

لیجئے پہلے مثال انہیں حافظ محمد گوندلوی صاحب کی وہ اپنی اسی کتاب التحقیق الراسخ میں فتح الباری سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں

واسلم العبارات قول ابن المنذر لم يختلفوا ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة "

اور اس عبارت کو حافظ صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے۔

یعنی اگرچہ مذاہب تو پہلی رفع یدین میں مختلف ہیں لیکن اس بارے میں اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے۔

میں حیران ہوں کہ حافظ صاحب نے اس عبارت کا یہ جو ترجمہ کیا ہے اس کی داد کن الفاظ میں دوں، یہ غیر مقلدین کے بہت بڑے محدث ہیں جن کے تقویٰ و دینداری اور علمی قابلیت کی جماعت غیر مقلدین میں دھوم ہے اور ایسے بڑے آدمی نے اتنے زبردست فراڈ والا ترجمہ کیا ہے۔

کیا رفع یدین کا مسئلہ بغیر اس فراڈ و خیانت کے حل نہیں ہوسکتا؟ اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

اور صحیح ترین بات ابن منذر کا یہ قول ہے کہ اس بارے میں لوگوں کا اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو رفع یدین کرتے تھے۔

دیکھئے حافظ ابن حجر کی عبارت کا مطلب کیا ہے اور حافظ محدث گوندلوی نے اس کو کیا بنا دیا ہے۔

شاید ناظرین یہ سوچتے ہوں کہ حافظ صاحب کو یہ حرکت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو میں بتلاتا ہوں، یہ ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس عبارت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ احناف نے جو صرف ابتداء صلوۃ میں رفع یدین کو راجح قرار دیا ہے وہ غیر اختلافی بات ہے، یعنی سب کے نزدیک اس پر اتفاق ہے کہ ابتداء نماز میں رفع یدین ہوگا، اور غیر مقلدین جو تین یا چار جگہ رفع یدین کرتے ہیں وہ اختلافی مسئلہ ہے، صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس کی قائل تھی اور ایک بڑی جماعت اس کی قائل نہیں تھی، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ کے بیان سے شروع مضمون میں معلوم ہوا۔ جب کہ غیر مقلدین کا دعوی یہ ہے کہ رفع یدین کے قائلین تمام صحابہ و تابعین تھے اور رفع یدین کا مسئلہ (نماز میں تین جگہ ہے) صحابہ کے درمیان غیر اختلافی تھا، چونکہ ابن منذر کا قول غیر مقلدین کے اس دعویٰ کو رد کر رہا تھا اس وجہ سے محدث حافظ گوندلوی صاحب نے ابن منذر کے کلام کا ترجمہ نہایت عیاری سے اور پوری غیر مقلدانہ شان کے ساتھ وہ کیا جس کا نمونہ ناظرین نے دیکھ کر عبرت حاصل کی ہوگی۔

اب آیئے اسی مسئلہ رفع یدین میں غیر مقلدین کے ایک دوسرے بڑے عالم مولانا محمد اسماعیل سلفی کا کارنمانہ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی کی ایک کتاب رسول اکرم ﷺ کی نماز کے نام سے غیر مقلدین حلقہ میں معروف و مشہور ہے، مولانا سلفی نے اس کتاب میں رفع یدین کے مسئلہ کے سلسلہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عن عبداللہ بن عمر قال رأیت النبی ﷺ افتتح التکبیر فی الصلوۃ فرفع یدیہ حین یکبر حتی یجعلھما حذو منکبیہ واذا کبر للرکوع فعل مثلہ واذاقال سمع

اللہ لمن حمدہ فعل مثلہ و اذا قال ربنا لک الحمد فعل مثلہ الخ ص ۴۸)

اس حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ فداہ ابی وامی کو دیکھا جب شروع نماز میں تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ ہی کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو اسی طرح کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمد کہتے تو بھی اس طرح کرتے اور جب ربنا لک الحمد کہتے تو بھی اسی طرح کرتے۔

ناظرین آپ اس حدیث کے ترجمہ میں غور فرمائیں اس حدیث میں سجدہ میں جانے سے پہلے چار جگہ رفع یدین کا ذکر ہے، دو جگہ رکوع سے پہلے (نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے پہلے) اور دو جگہ رکوع کے بعد رفع یدین کا ذکر ہے (سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت اور ربنا لک الحمد کہتے وقت اور چونکہ غیر مقلدین سجدہ سے پہلے صرف تین جگہ رفع یدین کرتے ہیں، اس لئے مولانا محمد اسماعیل صاحب نے نہایت دیانتداری سے اور پوری شان غیر مقلدیت کے ساتھ اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

''عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے آنحضو ﷺ فداہ ابی وامی کو دیکھا جب شروع نماز میں تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ ہی کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے حدیث کے ترجمہ میں کیسا گھپلا کیا ہے، حدیث کے الفاظ کچھ ہیں اور آپ کا ترجمہ کچھ ہے، حدیث میں سجدہ سے پہلے چار جگہ کا ذکر ہے اور آپ نے اپنے ترجمہ میں اس کو تین جگہ کر کے اس حدیث کو اپنے

مطلب کے موافق بنالیا ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی شیخ الحدیث صاحب کے اس ترجمہ کی داد شیطان نے دی اور کہا واہ واہ۔

اب آیئے اس سلسلہ کی تیسری مثال کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رفع یدین کے سلسلہ میں ایک بہت مشہور رسالہ ہے جس کا نام جزء رفع یدین ہے، اس کو غیر مقلدوں نے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے، ہمارے پاس اس کا پاکستانی اڈیشن ہے اس میں امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

ابن جریج اخبرنی نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنهما
کان یکبر بیدیه حین یستفتح وحین یرکع وحین
یقول سمع اللہ لمن حمده وحین یرفع راسه من الرکوع
وحین یستوی قائما۔

اس حدیث میں سجدہ سے پہلے پانچ جگہ رفع یدین کا ذکر ہے (۱) نماز کے شروع کے وقت (حین یستفتح) (۲) رکوع کے وقت (حین یرکع) (۳) سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہیں (حین یقول سمع اللہ لمن حمده) (۴) رکوع سے سر اٹھاتے وقت (حین یرفع راسه من الرکوع) اور رکوع کے بعد بالکل سیدھا کھڑے ہونے پر (حین یستوی قائمًا)

چونکہ یہ حدیث غیر مقلدین کے مطلب کے خلاف تھی اس وجہ سے غیر مقلد مترجم نے وحین سمع اللہ لمن حمده وحین یرفع راسه من الرکوع وحین یستوی قائما کا یہ فاضلانہ غیر مقلدانہ ترجمہ کیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں اور غیر مقلدین کی دیانتداری وایمانداری کی داد دیں۔ مترجم صاحب ترجمہ فرماتے ہیں۔

''اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے رکوع سے سر اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہوجاتے......

سبحان اللہ کیسا مبارک ترجمہ ہے۔ دیانت وامانت علم وفقہ، شرافت ومروت سب کا جنازہ نکال کر کے رکھ دیا اور میدان میں خم ٹھوک کر کھڑے ہیں، ہم اہلحدیث ہیں ہم سلفی ہیں، کتاب وسنت پر عمل کرنے والے ہیں گلزار محمدی کے بلبل نالاں ہیں۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زریں ہمہ درگردن خری بینم

ناظرین کرام آپ نے اندازہ لگایا کہ رفع یدین کا مسئلہ جو صحابہ کرام کے زمانہ سے اب تک اختلافی رہا ہے اور اختلاف بھی اولیٰ اور غیر اولیٰ سے زیادہ کا نہیں ہے، مگر غیر مقلدین کے غلو اور افراط نے اس مسئلہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، حتی کہ کتاب وسنت اور اسلاف امت کی آبرو کو بھی روند ڈالا، اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی شخصیات پر بھی ناروا حملے کئے، ہم اس طرح کے غلو سے ہزار بار پناہ مانگتے ہیں اور خدا سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ بار الٰہی ہمیں تو رشد وہدایت کے راستہ پر لگائے رکھ، اور ہمارے کسی عمل کو شیطان کے خوش کرنے کا ذریعہ نہ بنا

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ
وصحبہ اجمعین

کن شرطوں کے ساتھ عورتیں نماز کے لئے مسجدوں میں جائیں

مکرمی مولانا نورالدین صاحب زاد فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مدیر زمزم حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب مدظلہٗ کے پاس میں نے بعض سوالات بھیجے تھے، ان کا جواب زمزم میں شائع نہیں ہوا، ہمارے یہاں یہ مسئلہ اٹھایا جارہا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونا فی زمانہ ضروری ہے، اس بارے میں براہ کرم آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیں۔ اگر حدیث میں اس کی اجازت ہے تو احناف اس سے کیوں منع کرتے ہیں۔

والسلام

نعیم الدین شیخ گونڈہ

مدیر زمزم کے پاس آپ کے سوالات پہنچے نہ ہوں گے، یا زمزم کے شماروں میں آپ کے سوالات ہی جیسے سوالوں کا جواب شائع ہو چکا ہوگا، اس وجہ سے آپ کے سوالات کا جواب زمزم میں شائع نہ ہوسکا۔

بعض امور اپنی ذات کے اعتبار سے تو مباح ہوتے ہیں، مگر بعض خاص وجھوں سے ان کی اباحت ختم ہو جاتی ہے، جیسے امرد لڑکوں کو بالغ نمازیوں کے بغل میں کھڑا ہونا فی

نفسہ مباح ہے، لیکن اگر اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور نمازیوں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہو تو ایسے لڑکوں کا بالغ مردوں کے ساتھ کھڑا ہونا مباح نہ ہوگا۔

اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا اس وجہ سے شریعت میں ممنوع اور حرام ہے کہ اس سے دوسرا فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، ورنہ فی نفسہ یہ کوئی حرام کام نہیں ہے، اس طرح کی مثالیں شریعت میں بہت ہیں۔

عورتوں کا مسجد میں جانا اصلا مباح ہی ہے۔ آنحضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں آنا جانا تھا، نماز کے لئے بھی اور غیر نماز کے لئے بھی، مگر آپ کے زمانہ میں بھی ان کے لئے بہتر یہی تھا کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں، خود آنحضور اکرم ﷺ کا عورتوں کے بارے میں ارشاد تھا کہ عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

آنحضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جو عورتیں مسجدوں میں جاتی تھیں ان کے لئے کچھ شرائط تھیں، وہ عورتیں ان شرطوں کو پورا کرتی تھیں تو ان کے لئے مسجد میں نماز پڑھنا روا رکھا گیا تھا۔

آنحضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے بعد جب حالات میں تغیر شروع ہوا اور زمانہ خیر سے شر کی طرف بڑھتا رہا تقویٰ اور تدین مسلمانوں میں کم ہوتا گیا تو عورتوں کی عصمت و عفت کی حفاظت کے پیش نظر فقہائے اسلام نے عورتوں کو مساجد میں نمازوں کے لئے جانے کو اچھا نہیں سمجھا، ان فقہائے کرام میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ جیسے صحابہ کرام بھی ہیں، حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ میں عورتوں کا مسجدوں میں جانا پسند نہیں کیا تھا، اس کی وجہ وہی تھی کہ زمانہ سے شر کی طرف بڑھ رہا تھا، اور عورتوں کے مساجد میں آنے کی وجہ سے فتنوں کے دروازے کھلنے کا اندیشہ تھا۔ مساجد میں آنے والی عورتوں

میں ان شرطوں کا لحاظ بھی کم ہوتا جارہا تھا، جن شرطوں کے ساتھ عورتوں کو مسجدوں میں حاضر ہونے کو گوارا کیا گیا تھا۔

غیر مقلدین حضرات اس مسئلہ میں بلا وجہ ادھم مچائے ہوئے ہیں، بخاری کی صریح روایت ہے کہ عورتوں کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اب معلوم نہیں کیوں غیر مقلدین کو اس کا شوق ہو گیا ہے کہ جس بات کو آنحضور ﷺ نے عورتوں کے لئے افضل قرار دیا ہے اس کو تو غیر افضل قرار دیں اور اس پر نکیر کریں اور دعوت اس بات کی دیں جس کو آنحضور ﷺ نے اپنے زمانہ میں بھی افضل اور اولیٰ نہیں بتلایا ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے کی رغبت دلائی ہو یا اس کو افضل قرار دیا ہو، تو جو کام آنحضور اکرم ﷺ کی مرضی ومنشاء کے خلاف ہے غیر مقلدین اہلحدیث بن کر اسی کی دعوت دے رہے ہیں۔ غیر مقلدین کی اس فہم کو کیا کہا جائے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھد یھم طریق الھا لکینا (۱)

پھر تعجب تو یہ ہے کہ غیر مقلدین اپنے علماء کی کتابوں سے بھی جاہل ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علماء کی تحقیقات سے بھی بے پرواہ ہو گئے ہیں، اگر ان بیچاروں اس کا علم ہوتا کہ اس مسئلہ میں کہ عورتوں کو مسجد میں نماز کے لئے جانا چاہئے کہ نہیں، اگر جانا چاہتے تو اس کی شرطیں کیا ہیں، ان کے بڑوں نے کیا لکھا ہے تو عورتوں کی مسجد میں لیجانے کے لئے جو آج کل یہ دھما چوکڑی غیر مقلدین نے مچا رکھی ہے، اس کا رنگ یہ نہ ہوتا

---

(۱) جب کوا کسی قوم کا رہنما بن جائے تو ہلاکت ہی اس قوم کا مقدر ہے

اور ان کا جوش وخروش ٹھنڈا پڑ جاتا۔

صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مشہور غیر مقلد محدث کا یہ بیان غیر مقلدین آنکھ کھول کر پڑھ لیں، انشاءاللہ عورتوں کو مسجدوں میں لیجانے کی دعوت میں جو موجودہ تیزی ہے وہ کم ہو جائے گی۔ مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں:

''تم جانو کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اوراس کے باوجود بھی اگر کوئی عورت مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت حاصل کرے (یعنی شوہر سے) تو اس کو روکنا نہیں چاہئے بلکہ (شوہر کی طرف سے) اس کو اجازت دی جانی چاہئے، لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں جن کا بیان احادیث میں آیا ہے، ان کا لحاظ ضروری ہے''۔

اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب نے امام نووی کے حوالہ سے ان شرطوں کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) جو عورت نماز کے لئے مسجد میں جائے وہ خوشبو نہ لگائے (۲) بن سنور کر نہ جائے (۳) پاؤں میں آواز والا پازیب نہ پہنے (۴) اچھے کپڑے پہن کر نہ جائے (۵) مردوں سے ملے جلے نہیں (۶) نوجوان نہ ہو یا نوجوان کی طرح نہ ہو (۷) راستہ میں عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کا فتنہ نہ ہو۔

آپ ان شرطوں میں غور فرمائیں کہ کیا مساجد میں جانے والی اہلحدیث گھرانہ کی عورتیں موجودہ زمانہ میں ان شرطوں کا لحاظ رکھتے ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ان کا مسجد میں جانا اگر چہ نماز ہی کے لئے ہو کیونکہ جائز ہوگا۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ محدثین اور فقہاء نے احادیث ہی کی روشنی میں عورتوں کو

مسجدوں میں جانے کے لئے یہ شرطیں مقرر کیں ہیں، ان شرطوں کا احادیث میں مذکور ہونا ہی ہے، یہ دلیل ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی شریعت نے حوصلہ افزائی نہیں فرمائی ہے۔

مگر آج کل کے غیر مقلدین ڈھولک بجا بجا کر اپنی عورتوں کو مساجد میں لا رہے ہیں جوانوں کو بھی اور نو جوانوں کو بھی، بوڑھیوں کو بھی اور ادھیڑیوں کو بھی اور کہا یہ جا رہا ہے کہ ہم سنت پر عمل کرنے والے لوگ ہے۔

باندھی ہے سب نے زیر فلک جھوٹ پر کمند
شاید بگڑ گیا ہے کہیں پاٹ نیل کا

ائمہ احناف رحمہم اللہ کی نگاہیں کسی مسئلہ کی صرف ایک ہی گوشہ پر نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ مسئلوں کا ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہیں پھر کتاب وسنت اور عقل سلیم اور عادات متوارثہ سے لگتا ہوا جو فیصلہ ہوتا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں، ان کی نگاہ میں مسئلہ متعلق تمام احادیث ہوتی ہیں اور ان کی روشنی میں جو ان کا فیصلہ ہوتا ہے وہ ایسا جچا تلا اور حق سے قریب ہوتا ہے کہ کسی عقل سلیم والے کو اس کے انکار کی بشرط انصاف گنجائش باقی نہیں رہتی۔

میں نے آپ کے جواب میں اختصار سے کام لیا ہے اس لئے کہ اس موضوع پر حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت باکاتہم کی ایک مفصل تحریر شائع ہونے والی ہے وہ تحریر تیار ہے موقع آنے پر شائع ہوگی۔

والسلام

نورالدین نوراللہ الاعظمی

خط اور اس کا جواب

احرام کے لئے دو رکعت نماز

محترم المقام حضرت مولانا غازی پوری صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا گرامی قدر ترجمان اہلحدیث جناب کی نظر سے گزرتا ہوگا، اس کے ہر شمارے میں آپ کے خلاف نہایت گھٹیا زبان میں کئی کئی مضامین ہوتے ہیں ۲۴؍شوال والے شمارہ میں ایک فتویٰ کے جواب میں لکھا ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ سے کوئی بھی قولی، فعلی یا تقریری حدیث مروی نہیں ہے۔ جس میں آپ نے اپنی امت کے لئے احرام باندھتے وقت دو رکعت نماز مشروع قرار دی ہو۔

براہ کرم آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں کرم ہوگا۔

حبیب الرحمٰن نیازی کٹک

زمزم!

مجھے اپنے ایک متعارف عزیز سے یہ شمارہ ملا، انہوں نے بھی اتفاق سے اسی مسئلہ کی طرف توجہ دلائی، میرا گھرانہ اس وقت ایک شدید حادثہ سے متاثر ہے۔ طبیعت میں نشاط نہیں ہے کہ میں کوئی تفصیلی گفتگو کروں، اختصاراً عرض یہ ہے کہ عام طور پر محدثین، فقہاء اور جماہیر مسلمین کا مذہب یہی ہے کہ دو رکعت نماز کے بعد احرام باندھنا افضل ہے، فرض نماز کے بعد چاہے باندھے ورنہ دو رکعت نفل نماز ادا کرے، اور احرام باندھے، اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے بعد ہی احرام باندھا اور تلبیہ کہا ہے، بخاری شریف میں ہے:

فلما صلى فى مسجدذى الحليفة ركعتين واجب من مجلسه فاهل بالحج (بخارى مع فتح البارى ص ۴۰۱)

آپ ﷺ نے جب مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی اس وقت احرام باندھا اور لبیک کہا۔

اور بخاری ہی میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت نافع فرماتے ہیں۔

كان ابن عمر رضى الله عنه اذا ارادالخروج الى مكة ادهن بل هن ليس له رائحة طيبة ثم يأتى مسجد ذى الحليفة فيصلى ثم يركب واذا استوت به راحلته قائمة احرام ثم قال هكذا رأيت النبى ﷺ يفعل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ کے لئے تشریف لے جاتے تو بلا خوشبو کا تیل استعمال کرتے پھر مسجد ذوالحلیفہ میں آ کر نماز ادا کرتے پھر سواری پر سوار ہو کر تلبیہ کہتے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

اور مسلم شریف کی روایت ہے

ان عبد الله بن عمر كان يقول كان رسول الله ﷺ يركع بذى الحليفة ركعتين ثم اذا ستوى الناقة قائمة عند مسجدذى الحليفه اهل بهولاء الكلمات

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ دو رکعت نماز پڑھ کر تلبیہ کہتے تھے۔

مسلم شریف ہی میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے آنحضور اکرم ﷺ کے حج کا قصہ سنایا تو اس میں یہ فرمایا فصلی رسول اللہ ﷺ فی المسجد یعنی آنحضور ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور اس کے بعد آپ نے تلبیہ کہا۔ نسائی و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اھل فی دبر الصلوٰۃ یعنی نماز کے بعد آپ نے احرام باندھا۔

ان احادیث کی روشنی میں آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ اللہ کے رسول ﷺ باندھنا اور تلبیہ کہنا نماز کے بعد تھا یا نہیں؟

مشہور سلفی حنبلی عالم شیخ عبدالعزیز الحمید السلمان اپنی کتاب الاسئلة والاجوبة الفقهية میں لکھتے ہیں۔

وسن احرام عقب رکعتین فرض اور کعتین نفلا (ج ۲ ص ۲۲۵)

یعنی دو رکعت فرض یا دو رکعت نفل نماز کے بعد حرام باندھنا مسنون ہے۔

حافظ ابن عبدالبر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہیں۔

ویستحب له ان یکون احرامه باثر صلوة یصلیها قاصدالذالک ولو احرام باثر صلوة مکتوبة او نافلة اجزأه (الکافی ج ۱ ص ۳۶۴)

یعنی حاجی کے لئے مستحب ہے کہ اس کا احرام نماز کے بعد اسی مقصد کے لئے وہ نماز ادا کرے اگر فرض یا نفل نماز کے بعد بھی وہ احرام باندھتا ہے تو بھی کافی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول اللہ ﷺ مکث بالمدینۃ تسع سنین لم یحج، ثم اذن فی الناس فی العاشرۃ ان رسول اللہ ﷺ حاج فقدم المدینۃ بشر کثیر فخرج حتی اتی ذالحلیفۃ فاغتسل وتطیب وصلی رکعتین فی المسجد ولبس ازارا ورداء واحرم ولبی (حجۃ اللہ ج ۲ ص ۶۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ نو سال تک مدینہ میں رہے اور آپ نے حج نہیں کیا پھر دسویں سال آپ نے حج کا اعلان کیا آپ کا اعلان سن کر بہت سے لوگ مدینہ آ گئے۔ آپ ﷺ مدینہ سے نکلے ذوالحلیفہ آئے غسل کیا خوشبو لگائی اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی ازار باندھا، چادر لپیٹی اور احرام باندھ کر لبیک کہا

شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں:

وکان اول اھلالہ حین صلی رکعتین و انما اغتسل وصلی رکعتین لان ذلک اقرب لتعظیم شعائر اللہ (ایضا)

یعنی آپ نے احرام دو رکعت پڑھنے کے بعد باندھا، آپ ﷺ نے اس لئے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی کہ اس میں شعائر اللہ کی زیادہ تعظیم ہے۔

ہماری اس مختصر سی گفتگو کے بعد آپ کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ غیر مقلدین حضرات کا یہ کہنا کہ احرام کے لئے دو رکعت نماز پڑھنا مشروع نہیں ہے اور یہ کہ اس بارے میں کوئی قولی فعلی یا تقریری حدیث مروی نہیں ہے، غیر تحقیقی اور بے وزن

بات ہے، عام مسلمانوں کا عمل دو رکعت نماز کے بعد ہی احرام باندھنے کا شروع ہی سے رہا ہے، اور ان کا یہ عمل احادیث اور صحابہ کرام کے فعل کی روشنی میں ہے، غیر مقلدین کا مزاج متفق علیہ مسائل کے خلاف فتویٰ بازی کر کے عوام میں انتشار پیدا کرنے اور اسلاف امت سے بدظن کرنے کا شروع ہی سے رہا ہے، پہلے بھی انہوں نے یہی کیا اور آج بھی ان کا یہی وطیرہ ہے۔

احرام باندھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا غیر مقلدین کے نزدیک بلا دلیل ہے مگر انڈے اور مرغ کی قربانی کرنا بادلیل ہے، فتاویٰ ستاریہ میں ہے۔

سوال نمبر ۲۹۰: معروض آنکہ زمانہ حال میں چیزوں کی گرانی حد سے بڑھ گئی ہے کسی صحیفہ میں نکل چکا ہے کہ مرغ کی قربانی بھی جائز ہے''۔

آپ مرغ کی قربانی جائز سمجھتے ہوں تو بندہ کی تحقیق کروادیں۔ ''شرعاً مرغ کی قربانی جائز ہے'' جواب نمبر ۲۹۰ (ص ۷۲ جلد دوم طبع حدیث منزل کراچی نمبر ۱ اور اسی فتاویٰ ستاریہ کی جلد چہارم میں ہے

سوال نمبر ۶۲۴ مرغ اور انڈے کی قربانی ہوسکتی ہے؟

(جواب) حدیث جمعہ میں آیا ہے کہ جو شخص سب سے پہلے آیا اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا، اور اس کے بعد آنے والے کو گائے کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آئے اس کو بکرے بھیڑ کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آیا اس کو مرغ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد بھی آیا تو اس کو انڈے کی قربانی کا ثواب ملے گا'' ص ۱۴۰

اس حدیث سے غیر مقلدین حضرات کے مجتہدین و علماء کرام و مفتیان عظام

انڈے اور مرغ کی قربانی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، کیسا شاندار استدلال ہے۔

یہ حضرات غیر مقلدین (اللہ ان کو ہدایت دے) احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قسم کا بھونڈا مذاق کرتے ہیں اس پر ہمیں بہت زیادہ تعجب اس لئے نہیں ہوتا کہ عدم تقلید کے نتائج اس سے بھی زیادہ خطرناک ہمارے سامنے آچکے ہیں۔

جب آدمی بلا اہلیت مجتہد بن جاتا ہے تو وہ کیا کچھ کہہ ڈالے اور کیا کچھ لکھ ڈالے نہیں کہا جاسکتا، جس مسئلہ کے بارے میں ایک نہیں متعدد احادیث ہوتی ہیں اس کا تو یہ انکار کرتے ہیں اور جس مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں ہوتی اس کو یہ حضرات شرعی مسئلہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

اب اخیر میں یہ عرض ہے کہ ترجمان اہلحدیث دہلی میں ہمارے بارے میں جو کچھ لکھا اور کہا جارہا ہے اس پر آپ تعجب نہ کریں، اس قسم کی زبان اور تحریر غیر مقلدین کی علمی میدان میں پسپائی کی دلیل ہے، یہ بیچارے اسی طرح کی طبیعت کے مالک ہیں، بس ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے رہیں کہ ہمارے بس میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

جمعہ کی اذان عثمانی کو بدعت کہنا گمراہی ہے

مکرمی زاد مجدھم.................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

الحمدللہ زمزم کے شماروں کا بالاستیعاب مطالعہ کا شرف حاصل کر چکا ہوں، اس کی دو سالہ فائلیں میرے پاس ایک قیمتی سرمایہ کے طور پر محفوظ ہیں۔

زمزم نے ہماری آنکھیں روشن کردی ہیں اور احناف رحمہم اللہ کے بارے میں ہر قسم کے شک وشبہہ سے دل ودماغ پاک وصاف ہیں، اللہ تعالیٰ دارین میں آپ کو جزائے خیر دیں۔ غیر مقلدیت کے طوفان کے لئے زمزم سد سکندری بن گیا ہے، آپ کی ذات گرامی ہم قاسمی برادران کے لئے باعث صد افتخار ہے۔

ہمارے یہاں آج کل بعض سلفی حضرات نے جمعہ کی اذان عثمانی کو بدعت عثمانی کہنا شروع کر دیا ہے، غالباً زمزم کے شماروں میں اس مسئلہ پر کوئی مضمون شائع نہیں ہوا ہے برائے کرم اس بارے میں آپ اپنی معلومات سے ہم کو فائدہ پہنچایئے۔

والسلام

نظام الدین قاسمی بہرائچ

زمزم!

جمعہ کی اذان عثمانی کو بدعت کہنا حضرت عثمان خلیفہ راشد داماد رسول اللہ ﷺ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے، اس طرح کی بات کوئی مسلمان زبان سے نہیں نکالے گا، اللہ تعالیٰ سلفی حضرات کو دین کی سمجھ دیں، یہ حضرات جب صحابہ کرام کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں تو میں کانپ جاتا ہوں، ذرا سوچیں اگر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین ہی بدعت کو ایجاد کرنے والے اور بدعتی بن جائیں تو پھر اس دین کا کیا بنے گا، اس کی بنیاد ہی صحابہ کرام کے دعوت وتبلیغ پر ہے، اللہ نے صحابہ کرام ہی کو ساری امت تک دین کے کا ذریعہ بنایا ہے۔

ان سلفی حضرات نے اپنا نام سلفی رکھ تو لیا ہے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو صحابہ کرام کے بارے میں اس قدر بدعقیدہ ہو کہ ان کو بدعت کا ایجاد کرنے والا اور بدعتی قرار دے وہ سلفی کیسے ہوگا، سلف کا سلسلہ تو صحابہ کرام ہی سے شروع ہوتا ہے، صحابہ کرام کو جو اپنا سلف نہ مانے وہ رافضی اور شیعہ تو ہوگا مگر سلفی نہیں ہوسکتا، اگر کوئی شیعہ اس قسم کی بات کرے تو سمجھ میں بھی آتا ہے کہ شیعوں کا عقیدہ ہی صحابہ کرام سے تبری وبرأت کا ہے، مگر سلفی نام رکھ کر کسی ادنی درجہ کے صحابی کے بارے میں اس قسم کی بات کرنا چہ جائیکہ کسی خلیفہ راشد کی بات ہو سلفیت کا مذاق اڑانا ہے۔

اگر جمعہ میں اذان عثمانی کو بدعت احناف کی ضد میں کوئی صاحب فرماتے ہیں تو شاید ان کو معلوم نہیں کہ اس اذان کی مسنونیت کے قائل صرف احناف نہیں ہیں بلکہ تمام محدثین وفقہاء اور پوری امت اسلامیہ اس اذان کو مسنون مانتی ہیں اور پورے عالم اسلام میں صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک اس اذان پر عمل ہو رہا ہے، اہلسنت کی تمام مساجد میں جمعہ کی دو اذانیں ہوتی ہیں، البتہ امت کے اس اجماعی عمل کے خلاف شیعوں

نے اس اذان پر بدعت ہونے کا حکم لگایا ہے، انہیں کی اتباع وتقلید میں غیر مقلدین بھی اس اذان کو بدعت قرار دیتے ہیں اور نام رکھے ہوئے ہیں اپنا اہلحدیث اور سلفی

چمن میں رونق فصل بہاراں دیکھنے والو
چمن ہی کے کسی گوشہ سے ہوتی ہے خزاں پیدا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے کتاب منہاج السنہ جلد ثالث ص ۲۰۴ وص ۲۰۵ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شیعہ رافضی کا یہ کہنا کہ جمعہ کی اذان عثمانی بدعت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بدعت تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس بدعت کو ختم کیوں نہیں کر دیا، اگر یہ اذان بدعت تھی تو کسی صحابی نے اس پر انکار کیوں نہیں کیا؟

اگر شیعہ اور رافضی یہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے بدعت ہے کہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، حضرت عثمان نے اس کو بلا دلیل شرعی جاری کیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان رافضیوں اور شیعوں کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اس کو بلا دلیل شرعی جاری کیا؟ اگر تمہیں اس کی دلیل شرعی نہیں معلوم تو کیا ضروری ہے کہ حضرت عثمانؓ کو بھی اس کی دلیل شرعی نہ معلوم ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عثمانؓ کا یہ وہ فعل تھا جس کو ساری امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے، چاروں مذاہب والوں کا اس پر عمل ہے جیسا کہ تمام امت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح والے عمل کو ایک امام کے پیچھے باجماعت تراویح پڑھنا بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور آج تک ساری امت اسی طرح تراویح پڑھتی ہے''۔

ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں:

و کلهم متفقون علی اتباع عمر و عثمان فیما سناه

یعنی ساری امت حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مسنون و جاری کردہ عمل کو بالاتفاق قابل اتباع سمجھتی ہے۔

تعجب ہے کہ جماعت غیر مقلدین شیعوں کی اتباع و تقلید میں ایک ایسے عمل کو بدعت قرار دیتی ہے جس کو ساری امت نے سنت سمجھ کر قبول کیا ہے، اور اس لئے اس کو سنت سمجھا ہے کہ خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت نہیں ہوتا ہے بلکہ بحکم رسول اللہ وہ سنت ہی ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین** اس حدیث شریف میں اللہ کے رسول نے خلفائے راشدین کے دینی و شرعی عمل و طریقہ کو بھی سنت قرار دیا ہے، جناب رسالت میں کس قدر گستاخی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جس چیز کو سنت قرار دیں غیر مقلدین اس پر بدعت ہونے کا حکم لگائیں۔

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی　　　کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

حالانکہ امت کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ خلفائے راشدین کا عمل سنت متبعہ ہے، یعنی ایسی سنت جس کی اتباع و پیروی لازم ہے، حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

فان کان من الخلفاء الراشدین فهو سنة متبعة (فتح الباری جلد ۲ ص ۴۰۰)

یعنی اگر کوئی عمل زمانہ نبوت میں نہیں تھا، اور اس کو خلفائے راشدین نے جاری کیا تو وہ سنت ہے، اور اس کی اتباع ضروری ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کا عمل لغۃ بدعت تو کہلائے گا مگر شریعت میں وہ عمل مسنون ہوتا ہے، اور اس کی وجہ ہے کہ:

لانهم سنوه بامر الله ورسوله فهو سنة (فتاویٰ جلد ۲۲ ص ۲۳۵)

یعنی خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ میں جس چیز کو جاری کیا وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے جاری کیا ہے اس لئے وہ سنت ہی ہے۔

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ اذان کو بدعت شرعی قرار دینا کسی اہلسنت والجماعت سے متصور نہیں ہوسکتا، یہ صرف شیعوں رافضیوں اور غالی اور متشدد قسم کے غیر مقلدوں کا عقیدہ ہے، میں نے غالی اور متشددین کی بات اس لئے کی ہے کہ سنجیدہ غیر مقلدین بھی اس اذان عثمانی کو بدعت نہیں قرار دیتے ہیں، بلکہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ نذیریہ میں ہے:

سوال: جمعہ کی اذان ثانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد۱ ص۵۷۴)

اگر غیر مقلدین کا یہ فرمان تسلیم کرلیا جائے کہ جمعہ کے روز کی اذان عثمانی بدعت ہے اور بدعت سے مراد ان کی بدعت شرعی ہو تو میاں صاحب کے بارے میں ان حضرات کا کیا فتویٰ ہوگا جو ایک بدعت کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کل بدعة ضلالة یعنی ہر بدعت گمراہی ہے، گمراہی کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا تو موجب کفر ہے۔

غیر مقلدین بلا سوچے سمجھے فتویٰ بازی کی مہم میں لگ جاتے ہیں اور ان کو پتہ بھی

نہیں چلتا کہ ان کے فتویٰ کی زد میں ان کے اکابر بھی آ جاتے ہیں۔

جب غیر مقلدین کو تمام امت اور تمام فقہاء ومحدثین کے خلاف مذہب اختیار کرنے اور شیعوں سے ہم عقیدہ وہم مذہب ہونے کی وجہ سے احساس کمتری ستاتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ نادم وپشیماں ہو کر اپنے باطل مذہب سے رجوع کریں اور مسلک اہل حق کو اختیار کریں، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد مبارک علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین کی عجیب وغریب تاویل کرتے ہیں کہ علم وعقل سر پیٹ کر رہ جائیں، چنانچہ دیکھئے اسی مسئلہ میں غیر مقلدوں کے محدث اعظم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے علیکم بسنتی والی حدیث کی کیسی عجیب تاویل فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

ليس المراد بسنة الخلفاء الراشدين الاطريقتهم الموافقة لطريقة ﷺ (تحفه جلد ۱ ص ۲۶۹)

یعنی حدیث شریف (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین) میں خلفاء راشدین کی سنت سے مراد ان کا وہ طریقہ ہے جو آنحضور کے طریقہ کے موافق ہو۔

پھر فرماتے ہیں۔ چونکہ حضرت عثمان والی اذان حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہیں رہی یہ ان کا اجتہادی فعل تھا اس وجہ سے اس کو امر مسنون قرار دینا محل نظر ہے۔

ممکن ہے کہ مولانا مبارکپوری کی اس غیر عالمانہ ومتعصّبانہ اس حدیث کی شرح وتفسیر سے غیر مقلدین اور شیعوں کو خوشی ومسرت حاصل ہو اور یہ سمجھیں کہ ہمارے غیر مقلد مولانا نے بڑا اہم نکتہ پیدا کر دیا ہے، مگر اہل علم وصاحب عقل وشعور تو اس شرح وتفسیر کا مذاق اڑائیں گے، بلکہ ان کے علم وعقل پر سر پیٹ کر رہ جائیں گے۔

مولانا کی اس شرح وتفسیر کی اتباع میں منکرین سنت کہیں گے کہ ہمیں اللہ نے

رسول کی انہیں امور میں اتباع کا حکم دیا ہے جن میں آپ ﷺ خدا کے حکم کے موافق حکم فرمائیں اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر موجود نہیں ہے جس کا آپ ﷺ حکم فرماتے ہیں یا جس کو آپ سنت قرار دیتے ہیں تو اس حکم کا ماننا اور اس سنت کی اتباع ہمارے لئے ضروری نہیں، اور آپ ﷺ کی ایسی سنت کو سنت شرعی نہیں کہا جائے گا۔ اس لئے کہ مطاع حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ ہی شارع حقیقی ہے اس لئے آنحضور ﷺ کا ایسے کسی حکم کو ماننا اور کسی سنت پر عمل کرنا جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو بے دینی کی بات ہوگی۔

معلوم نہیں مولانا مبارکپوری اور ان کے متبعین منکرین سنت سے جب وہ ان کو انہیں کی تیار کردہ چھری سے ذبح کریں گے تو کس طرح اپنی جان بچائیں گے۔

ہمیں یہاں کہنے دیجئے کہ غیر مقلدین علماء کی اسی طرح کی باتوں نے فتنہ انکار سنت کو جنم دیا ہے۔ اور جتنے بھی منکرین سنت ہوئے ہیں سب اسی غیر مقلدیت کے راستہ سے اس راہ انکار سنت پر چلے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن غیر مقلد صاحب تو اپنی شان غیر مقلدیت کا اظہار کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے عمل کو غیر مسنون کہہ کر اپنا سینہ ٹھنڈا کر لیا مگر انہوں نے یہ نہیں جانا کہ صحابہ کرام اور خلیفہ راشد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جس عمل کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کر لیا ہو اور اس کو سنت ہی سمجھ کر قبول کیا ہو اس کی مخالفت کا نعرہ بلند کرنا خود اپنی علمیت و قابلیت کا مرثیہ پڑھوانا ہے، اور آپ ﷺ کے ارشاد مبارک لاتجتمع امتی علی الضلالة (۱) میری امت گمراہی پر نہیں جمع ہو سکتی۔ کا صریح انکار ہے۔

مولانا مبارکپوری کے جب کلام کا جائزہ لیا جائے تو اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ خلفائے راشدین کی مستقل سنت کوئی چیز نہیں ہے، حالانکہ اس کے قائل امت محمدیہ میں

صرف رافضی یا ان جیسے دوسرے بعض فرقے ہیں، اہلسنت والجماعۃ کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت مستقل حجت ہے، اور جس طرح پر آپ ﷺ کی سنت واجب الاتباع ہے اسی طرح خلفائے راشدین کی بھی سنت واجب الاتباع ہے۔ حافظ ابن حجر کی یہ بات پھر ایک بار ذہن میں تازہ کر لیجئے فان کان من الخلفاء الراشدین فھو سنة متبعة یعنی جو امر خلفائے راشدین مسنون فرمائیں وہ بھی سنت ہے اور اس کا اتباع ضروری ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ حضرت ابن عمر نے اس کو بدعت کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کا اس کو بدعت کہنا یہ بدعت اصطلاحی نہیں بلکہ یہ بدعت لغوی ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح باجماعت کو بدعت کہنا بدعت اصطلاحی نہیں بدعت لغوی تسلیم کرنے پر ساری امت کا اتفاق ہے حتی کہ غیر مقلدین بھی اسکو بدعت لغوی ہی پر محمول کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انکا اس بدعت پر بلا تکلف عمل ہے، اب معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ حضرت عمر والی بدعت پر تو ان کا عمل ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ والی بدعت سے ان کو نفور ہے۔ اس تضاد کو غیر مقلدین ہی حل کریں گے۔

اذان عثمانی کو بدعت قرار دینا یہ غیر مقلدین کا شوق عمل بالحدیث نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تمام محدثین وفقہاء اور تمام اہلسنت کو گمراہ اور بدعتی قرار دینا ہے اور ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جو خود سب سے بڑا گمراہ اور عقل وفہم سے عاری ہو۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان غور سے ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

وعمل اهل المدينة الذی يحتج به ما كان فی زمن الخلفاء الراشدين یعنی اہل مدینہ کا وہی عمل قابل حجت ہے جو

خلفائے راشدین کے زمانہ میں پایا جاتا رہا ہو۔

(زادالمعاد ج اص ۲۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جو عمل بھی رائج ہوا خواہ خلفائے راشدین نے اسے خود جاری کیا ہو یا ان کے زمانہ میں مسلمانوں میں وہ عمل پایا جاتا رہا ہو اگر چہ اس کا عملاً ثبوت عہد نبوی میں نہ پایا جاتا رہا ہو مگر خلفائے راشدین کا اس عمل کو جاری یا باقی رکھنا اور اس پر نکیر نہ کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وہ مسنون عمل ہے اور وہ امر شرعی ہے، اس لئے کہ اگر خدانخواستہ وہ عمل شریعت سے تعلق نہ رکھتا ہوتا تو خلفائے راشدین اس کو اپنے زمانہ میں باقی نہ رہنے دیتے اور اس کو بزور طاقت ختم کر خلفائے راشدین کے زمانہ میں امر منکر کا شیوع ان کی راشدہ خلافت کو داغدار کرتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ اذان کو بدعت کہنا جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں بڑی جرأت اور بڑی جسارت اور خلفائے راشدین کی شان میں نہایت گستاخی کی بات ہے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت اور آپ کا صریح معارضہ ومقابلہ ہے کہ جس میں کو آپ ﷺ سنت قرار دیں اس کو بدعت کہا جائے۔ اللہ کے رسول کی شان میں اس سے بڑھ کر گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے۔

کاش غیر مقلدین حضرات زبان سے کسی چیز کے بارے میں سنت و بدعت کا فتویٰ جاری کرنے سے پہلے اس کے انجام وعواقب کا بھی اندازہ کر لیتے تو سمجھداری کی بات ہوتی۔

نہ ادھر ادھر کی تو بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے راہزنوں سے غرض نہیں تری رہبری کا سوال ہے

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو صحابہ کرام کے بارے میں حسن عقیدہ بنائے اور ان کی

محبت پر ہم سب کا خاتمہ فرمائے۔ ربنا لا تجعل فی قلوبنا غلاللذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم.

محمد ابو بکر غازی پوری

نورالدین نوراللہ الاعظمی

نماز میں قدم سے قدم ملانے کا مسئلہ

غیر مقلدوں کی مسجد میں جن کو نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو وہاں اسے یہ بھی تماشا دیکھنے میں آیا ہوگا کہ یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو خوب پاؤں پھیلا کر اور بغل والے مصلی کے پاؤں کی کانی انگلی سے اپنے پاؤں کی کانی انگلی ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے لئے بار بار وہ اپنے پاؤں کو حرکت بھی دیتے ہیں، اور اگر اتفاق سے ان کے بغل میں کوئی حنفی کھڑا ہو گیا تو ان کا یہ عمل ایسا مستمر ہوتا ہے کہ وہ حنفی بیچارہ سوچنے لگتا ہے کہ وہ کہاں آ پھنسا، اس کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔

غیر مقلدین حضرات بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کا یہی مسنون طریقہ ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی کسی ایک حدیث سے ثابت نہیں کہ جماعت میں کھڑے ہونے والے مصلی پاؤں کی کانی انگلی ملا کر اور دونوں پاؤں چیر کر کھڑے ہوں نہ خود آپ ﷺ کا یہ عمل تھا اور نہ دوسروں کو آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا، غیر مقلدین حضرات اس بارے میں صحیح حدیث تو کیا ضعیف حدیث بھی پیش نہیں کر سکتے۔

نماز میں کھڑے ہونے کا یہ نہایت مکروہ طریقہ ہے، مگر اس مکروہ طریقہ قیام پر ہمارے برادران غیر مقلدین کو اتنا اصرار ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں یقیناً آنحضور ﷺ کا کوئی واضح ارشاد اور حکم بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں موجود ہے، حالانکہ بخاری و مسلم تو کیا کسی بھی حدیث کی کتاب میں نماز میں کھڑے ہونے کی اس کیفیت کا ذکر

نہیں ہے، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت سے تو ان کا عمل اس کے خلاف منقول ہے، مصنف عبدالرزاق میں حضرت نافع سے مروی ہے۔

ان ابن عمر کان لایفرسخ بینھما ۔یعنی حضرت عبداللہ بن عمر دونوں پاؤں کو پھیلا کر اور چیز کر نہیں کھڑے ہوتے تھے۔ (ج ۲ص ۲۴۶) مگر اہلحدیث کہلوانے والے لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے برخلاف جماعت میں کھڑے ہو کر پاؤں کی کانی سے کانی انگلی ملانے اور دونوں پاؤں پھیلانے ہی کو مسنون سمجھتے ہیں۔ **فیا للعجب**

آیئے ہم اس مسئلہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی روشنی میں دیکھتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا علم حدیث میں جو مقام ہے وہ ہر طرح کے شبہ سے بالاتر ہے، رہے حافظ ابن حجر تو ان کے بارے میں مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

والحافظ ابن حجر ھذا ھو امام الحفاظ فی زمانہ......

فلم یکن فی عصرہ حافظ سواہ

یعنی حافظ ابن حجر اپنے زمانہ میں حفاظ حدیث کے امام تھے۔ان کے زمانہ میں ان کے سوا کوئی دوسرا حافظ حدیث نہیں تھا۔

غرض حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ باعتراف علماء غیر مقلدین اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث، سب سے بڑے محدث اور اول نمبر کے اہلحدیث تھے، اس لئے ان کی کسی تحقیق کو غیر مقلدین حضرات کو قبول کرنے میں قطعاً تردد نہ ہونا چاہیئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یہ قائم کیا ہے۔

باب الصاق المنکب والقدم بالقدم فی الصف

یعنی یہ باب اس مسئلہ کو بتلانے کے لئے ہے کہ نماز کی صف میں
کاندھے سے کاندھا اور قدم سے قدم ملانا چاہیئے۔

اول تو میں ناظرین سے یہ گذارش کروں گا کہ وہ حضرت امام بخاری کے اس کلام میں غور فرمائیں کہ انہوں نے صف میں کھڑے ہونے کے لئے نہ اس کا ذکر کیا ہے نہ پاؤں چیر کر اور خوب پھیلا کر کھڑے ہوں اور نہ یہ فرمایا ہے کہ پاؤں کی کانی انگلی کو دوسرے کے پاؤں کی کانی انگلی سے ملا کر کھڑے ہوں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کا حاصل صرف یہ ہے کہ صف میں کاندھے سے کاندھا ملا کر اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونا چاہیئے۔

اب ذرا اس پر بھی آپ غور کر لیں کہ نماز میں پاؤں پھیلا کر اور پاؤں کی کانی انگلی کو دوسرے کے پاؤں کی کانی انگلی سے ملا کر کھڑے ہونے کی شکل میں کیا کاندھے سے کاندھا مل سکتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس شکل میں کبھی کاندھے سے کاندھا مل ہی نہیں سکتا، ہم اپنی ان سطور کو پڑھنے والوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ تجربہ کر کے میری بات کی تصدیق کر لیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو کاندھے کے علاوہ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونے کو مسنون قرار دے رہے ہیں اور ہمارے برادران غیر مقلدین پاؤں کی چھوٹی انگلی (یا انگلیوں کو ملا کر کھڑے ہوتے ہیں پورا قدم ملا کھڑے ہونے کا منظر ان کی مساجد میں نظر نہیں آتا، یاد رہے کہ قدم کہتے ہیں پاؤں کے پورے نچلے حصہ کو

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

رأیت الرجال یلصق منا یلرق کعبہ بکعب صاحبہ

یعنی میں نے دیکھا کہ ہم میں کا آدمی اپنے ٹخنہ کو اپنے بغل

والے ساتھی کے ٹخنہ سے ملا کر کھڑا ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ یہ تھا کہ جب لوگ نماز میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے تھے تو نمازی بغل والے نمازی کے ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوتا تھا، ٹخنہ کہتے ہیں اس ہڈی کو جوایڑی کے اوپر اور پنڈلی کے نیچے ابھری ہوتی ہے۔

اب آپ جائیے غیر مقلدین حضرات کی مساجد میں اور دیکھئے کہ کیا وہ جماعت میں اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں، یعنی کیا ایک مصلی کا ٹخنہ دوسرے مصلی سے ملا ہوتا ہے، یا وہ پاؤں پھیلا کر اور چھوٹی انگلی ملا کر کھڑے ہوتے ہیں، میرا چیلنج ہے کہ آپ کو ایک مصلی بھی اس طرح کھڑا نظر نہیں آئے گا جو بغل والے مصلی کے ساتھ ٹخنہ ملا کر کھڑا ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو نقل کرنے کے بعد امام بخاری نے اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے وہ یہ ہے۔

عن انس عن النبی ﷺ قال: اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری، وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا، لوگو اپنی صفوں کو سیدھا رکھو اس لئے کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں (کہ تم اپنی صفوں کو سیدھی رکھتے ہو یا نہیں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم میں کا نمازی اپنے کاندھے کو اپنے ساتھی کے کاندھے اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔

اس حدیث میں ایک بات تو یہ غور کرنے کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پاؤں کی

انگلی سے انگلی ملا کر کھڑے ہونے کی بات تو در کنار کاندھا ملانے اور قدم ملانے کا بھی حکم نہیں دیا ہے، آپ کا صاف صاف تو حکم یہ ہے کہ اپنی صفوں کو سیدھی رکھو کاندھا سے کاندھا ملا کر یا قدم سے قدم ملا کر کھڑا ہونا یہ صحابہ کرام کا عمل تھا، اور غیر مقلدین کے یہاں نہ صحابہ کرام کا عمل حجت ہے نہ ان کا قول حجت ہے، اس لئے صحابہ کرام کے عمل سے ان حضرات کا استدلال کرنا خود ان کے عقیدہ خلاف ہے۔

اور ہمارا کہنا یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد صرف اتنا تھا کہ نماز میں صف بالکل سیدھی ہو، صحابہ کرام اسی کا لحاظ رکھتے تھے، جس کی تعبیر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ نمازی اپنے ٹخنوں سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوتا اور اس کی تعبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ نمازی اپنے ساتھی کے کاندھا سے کاندھا اور قدم ملا کر کھڑا ہوتا، حضرت انس اور حضرت نعمان دونوں کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ ہم لوگ نماز میں اپنی صفوں کو بالکل سیدھی رکھتے تھے جو آنحضور ﷺ کی تعلیم وارشاد کا مقصود تھا۔

ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ کاندھا سے کاندھا ملانے یا قدم سے قدم ملانے یا ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے کا حکم آنحضور اکرم ﷺ نہیں فرما رہے ہیں، آپ کا ارشاد تو صرف اتنا ہے کہ نماز میں صف کو سیدھی رکھو، اور چونکہ نماز میں صفوں کا سیدھی رکھنا اور مل کر کھڑا ہونا اور دو آدمیوں کے درمیان خلل کا نہ ہونا یہ نماز کا حسن اور شریعت کا مطلوب ہے اس وجہ سے آپ ﷺ صحابہ کرام کو ان امور کی بڑی تاکید فرماتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد تھا۔

اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدو الخلل ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله اللہ ومن قطع صفا قطعه اللہ

صفوں کو سیدھا رکھو، کاندھا کو کاندھے کے مقابلہ میں رکھو، صفوں کے
درمیان خلل کو بند کرو اور شیطان کے لئے جگہ مت چھوڑو، جو صف کو
جوڑ کر کھڑا ہوتا ہے اللہ اس کو جوڑے رکھتا ہے اور جو صف کو کاٹ کر
کھڑا ہوتا ہے اللہ اس سے اپنا ناطہ توڑ لیتا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر کی ایک روایت ہے جس کو ابوداؤد نے ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح بتلایا ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

**اقبل رسول الله ﷺ بوجهه فقال اقيموا صفوفكم ثلاثا
والله لتقيمن صفوفكم اوليخالفن الله بين قلوبكم**

یعنی آنحضور ﷺ نے اپنا چہرہ ہماری طرف کرتے ہوئے فرمایا، اپنی
صفوں کو سیدھی رکھو، یہ تین بار فرمایا، اور پھر فرمایا خدا کی قسم تم اپنی
صفوں کو ضرور ضرور سیدھی رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے
درمیان اختلاف پیدا کردے گا۔

غرض اللہ کے رسول ﷺ کا نمازیوں کو جو حکم تھا وہ یہ کہ ان کی صفیں بالکل سیدھی ہوں اور دو آدمیوں کے بیچ جگہ چھوٹی ہوئی نہ ہو اور ایک نمازی کا کاندھا دوسرے کے کاندھے کے بالمقابل ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کے انہیں ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی کیفیت کو بطور مبالغہ صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہم لوگ اپنی صفوں کو اس طرح سیدھی رکھتے تھے کہ ہمارا کاندھا سے کاندھا ملا ہوا کرتا تھا، کسی نے یہ کہا کہ ہم کھڑے ہوتے تو ہمارا ٹخنہ سے ٹخنہ ملا ہوتا اور کسی نے یہ کہا کہ ہم قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہوتے اور مقصود سب کا یہی تھا کہ نماز میں ہماری صفیں سیدھی ہوا کرتی تھیں۔

اب جو میں نے یہ عرض کیا کہ صحابہ کرام کے یہ ارشادات اقامت صف اور تسویہ صف کی کیفیت کا بطور مبالغہ اظہار اور بیان ہے نہ کہ یہی شریعت کا حکم ہے، اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑے ہونے کا بھی ذکر ہے، اور ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہونا یہ ممکن نہیں ہے، اسی طرح الزاق المنکب یعنی کاندھا سے کاندھا ملا کر کھڑے ہونے کا بھی امکان نہیں ہے، الزاق کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی چیز کا کسی چیز سے چپکانا اور سٹانا، کیا بلا تکلف کے یہ ممکن ہے کہ نماز میں قدم سے قدم بھی ملا ہو اور کاندھا سے کاندھا بھی چپکا ہو اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض صف کے سیدھی رکھنے کی تاکید تھی نہ کہ الزاق کے حقیقی معنی پر عمل کرنے کا حکم تھا، مگر برا ہو ان لوگوں کی سمجھ کا جو الفاظ کے ظواہر کو دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے حقیقت اوجھل رہتی ہے اور شریعت کا مقصود گم ہوتا ہے۔

میں یہ جو کہہ رہا ہوں کہ شریعت کا مقصود نماز میں صرف صفوں کو سیدھی رکھنے کی تاکید ہے اور آنحضور ﷺ کے ارشادات کی تعبیر صحابہ کرام نے اپنے اپنے انداز میں بطور مبالغہ کی تھی یہی بات حافظ ابن حجر جو اپنے زمانہ کے علم حدیث کے سب سے بڑے تاجدار تھے وہ بھی فرمارہے ہیں۔ امام بخاری کے اس ارشاد الـزاق الـمنـکـب بـالمنکـب والقدم بالقدم کی شرح میں وہ فرماتے ہیں

المـراد بـذلک الـمبـالغة فی تعدیل الصف وسد خلله

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۱)

یعنی اس سے مراد امام بخاری کی یہ ہے کہ آدمی کو صف سیدھی رکھنے اور بیچ کی جگہ نہ چھوڑنے میں اہتمام اور مبالغہ سے کام لینا چاہئے

غرض اللہ کے رسول اور شریعت کا منشا تو بس اتنا ہے کہ نمازیوں کو اپنی صف بالکل سیدھی رکھنی چاہئے، دو آدمی کے درمیان فاصلہ نہ ہونا چاہئے اور اس میں جتنا اہتمام ہو سکے

اسے کرنا چاہئے۔

غیر مقلدین حضرات نے شریعت کے منشاء و مقصود کو تو سمجھا نہیں اور صحابہ کرام نے صفوں کو سیدھی رکھنے کی جس کیفیت کو مبالغہ بیان کرنے کے لئے جو پرایہ بیان اختیار کیا تھا اسی کو اصل منشاء شریعت اور مراد رسول ﷺ سمجھ لیا اور پھر لگے نماز میں اپنے دونوں پاؤں پھیلانے اور پاؤں کی کانی انگلی سے اپنی کانی انگلی ملانے جس کا نہ اللہ نے حکم دیا نہ اللہ کے رسول نے اور جو نہ صحابہ کرام کا طریقہ و عمل تھا، اور اس عقل و فہم پر غرہ اتنا ہے کہ ہم جو نماز پڑھتے ہیں وہی اصل اہل سنت والی نماز ہے ور جو لوگ نماز میں پاؤں پھیلا کر اور کانی انگلی سے کانی انگلی ملا کر نہیں کھڑے ہوتے ہیں ان کی نماز خلاف سنت اور خلاف شریعت ہے، مولانا صادق سیالکوٹی صاحب مشہور غیر مقلد عالم صلوۃ الرسول لکھتے ہیں۔

''پیر ٹخنے ایڑیاں پنڈلیاں اور مونڈھے خوب جوڑ کر کھڑے ہوا کرو'' ص ۲۲۷

پیر ٹخنے ایڑیاں پنڈلیاں اور مونڈھے خوب جوڑ کر اور بقول مولانا صادق صاحب کے چپکا کر اگر کھڑا ہونا ممکن ہے تو غیر مقلدین حضرات ذرا اس کیفیت پر عمل کر کے دکھلا دیں ہم ابھی عمل کرنے کے لئے تیار ہیں، غیر عملی باتوں کو زبردستی عملی قرار دینا معلوم نہیں یہ کس شریعت کا حکم ہے۔

نماز میں صف سیدھی رکھنے کے بارے میں بعض ارشادات رسول یہاں مزید ذکر کر رہا ہوں، ان ارشادات رسول میں وہ باتیں کہاں ہیں جن کا ذکر مولانا صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ آپ خود بھی غور کرلیں۔

عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ رصوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق (ابوداؤد)

یعنی آنحضور ﷺ کا ارشاد تھا کہ تم اپنی صفوں کو جوڑے رکھو اور ان کو

قریب قریب بناؤ اور گردنوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔

عن النعمان بن بشير عن النبی ﷺ قال عباد الله تسوون صفوفكم اوليخالفن اللہ بين قلوبكم. (مسلم)

آنحضور ﷺ نے فرمایا، اے اللہ کے بندو اپنی صفوں کو سیدھی رکھو ورنہ اللہ تمہارے مابین اختلاف پیدا کر دے گا۔

عن انس عن النبی ﷺ قال سووا صفوفكم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلوة (بخاری)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ لوگو صفوں کو سیدھی رکھو اس لئے کہ صفوں کا سیدھی رکھنا نماز کو ٹھیک طرح سے پڑھنے کا ایک حصہ ہے۔

ان تمام ارشادات رسول میں آپ غور فرمائیں کہ وہ باتیں کہاں ہیں جن کا ذکر مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب صلوۃ الرسول میں کیا ہے، یعنی ٹخنہ سے ٹخنہ ملانا، ایڑیاں سے ایڑیاں ملانا، مونڈھے خوب جوڑ کر کھڑا ہونا۔

چونکہ غیر مقلدین یعنی جن کو اہلحدیث ہونے کا زعم ہے ان کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، ان سے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ان ارشادات رسول کے بالکل خلاف آپ حضرات جو نماز میں پاؤں پھیلا کر اور انگلی سے انگلی ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اس کا ذکر کتاب وسنت میں کہاں ہے۔ تو کیا ان کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟

آپ حضرات کا تو عقیدہ ہے ''قول صحابی حجت نیست'' یعنی صحابی کا قول حجت نہیں ہے۔ **وافعال الصحابة لاتنهض الاحتجاج بها** صحابہ کے عمل سے دلیل نہیں

پکڑی جا سکتی۔ **وفهم الصحابي ليس بحجة** اور فہم صحابی حجت نہیں ہے۔ تو آخر احادیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر نماز میں کھڑے ہونے کی کیفیت اگر آپ نے کسی صحابی سے اخذ بھی کی ہے تو یہ آپ کے عقیدہ کے خلاف ہے، آپ کے عقیدہ میں نہ صحابی کا قول حجت نہ فعل حجت نہ ان کی فہم حجت تو آخر ان کے کسی عمل سے آپ کا احتجاج جائز کیسے ہوگا؟ آپ کا عمل تو صرف کتاب وسنت کی روشنی میں ہونا چاہئے۔ اور میں حتمی انداز میں عرض کر رہا ہوں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی وہ کیفیت جس پر غیر مقلدین کا عمل ہے اس کا ذکر نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت رسول اللہ میں۔

کیا جماعت کے بعد
ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا بدعت ہے؟

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا زید مجدکم

نماز باجماعت کے بعد احناف کی مساجد میں اجتماعی دعا مانگی جاتی ہے، غیر مقلدین اس پر نکیر کرتے ہیں اور اس کو بدعت بتلاتے ہیں، براہ کرم اس بارے میں صحیح بات سے مطلع فرمائیں۔

والسلام

محمد نعیم الدین قاسمی

آزاد مڈل اسکول بسور اجستان

زمزم! غیر مقلدین حضرات کے یہاں کسی چیز کو بدعت قرار دینا بہت آسان ہے، تراویح کی بیس رکعت ان حضرات کے یہاں بدعت ہے، حالانکہ بقول ابن تیمیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے حضرت ابی بن کعب نے صحابہ ومہاجرین کو بیس ہی رکعت تراویح پڑھائی تھی اور کسی نے اس کو بدعت نہیں سمجھا، نہ کسی نے اس پر انکار کیا، پورے عالم اسلام میں عہد صحابہ سے لے کر غیر مقلدین کے وجود سے پہلے تک کوئی ایک آدمی ایسا نہیں ملتا جس نے بیس رکعت تراویح کو بدعت کہا ہو، مگر جب غیر مقلدین عالم مولانا محمد حسین بٹالوی دور برطانیہ میں پیدا ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے ہی پنجاب کے زرخیز علاقہ میں بیس رکعت تراویح کے بدعت ہونے کا اعلان کیا، اور پھر ہندوستان کے

غیر مقلدوں نے اس مولانا محمد حسین بٹالوی کی تقلید کی انہوں نے صحابہ کرام کی سنت کو بری نگاہ سے دیکھا اور محمد حسین بٹالوی کے محدث اور بدعتی قول واعلان کو سنت اور دین سمجھ کر قبول کرلیا، ان کی گمراہی کا عالم یہ ہے کہ حضرت عمر اور صحابہ کرام کی سنت پر ان کو عمل کرنا برا معلوم ہوتا ہے اور محمد حسین بٹالوی پنجابی کی سنت کو یہ اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں، محمد حسین جو فرمائیں وہ سنت، صحابہ کرام جو کریں وہ بدعت، سبحان اللہ۔

اسی طرح غیر مقلدین جمعہ میں حضرت عثمان کی اذان کو بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت عثمان سے لے کر اسلام کی پوری تاریخ میں اس اذان کو شیعوں کے سوا کسی نے بدعت نہیں کہا اور تمام مسلمان کا اس پر عمل ہے، مگر حضرت عثمان کی اس سنت کو غیر مقلدین نے شیعوں کی طرح بدعت قرار دیا۔

جمعہ کے خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر بھی غیر مقلدین کے یہاں بدعت ہے، حالانکہ دنیائے اسلام کی تمام مساجد میں خیر القرون ہی کے زمانہ سے خلفائے راشدین کا ذکر جمعہ کے خطبہ میں ہوتا چلا آیا ہے، اور کسی نے اس کو بدعت نہیں کہا۔

یہ غیر مقلدین صحابہ کرام و تابعین عظام، فقہاء ومحدثین سے زیادہ اپنے کو کتاب و سنت کا متبع، دیندار اور سنت و بدعت میں فرق کرنے والا سمجھتے ہیں۔

نماز باجماعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا بھی یہی معاملہ ہے، ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی عالم، کسی فقیہ، کسی محدث نے اس کو بدعت کہا ہو، مگر غیر مقلدین کا اس دور کا طبقہ جس پر البانیت وابن بازیت کی چھاپ ہے، نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی کے دعا کرنے کے عمل کو بدعت بتلا رہا ہے، حالانکہ مسلمانوں کا اس پر تواتر عملی ہے، اور تواتر عملی اسلام میں خود مستقل ایک حجت ہے، اگر اس پر کوئی اور دلیل شرعی نہ ہوتی تو خود یہ تواتر عملی اس عمل کی مشروعیت پر دلیل بیں ہوتا، اور اس کی روشنی میں س پر انکار جائز نہ

ہوتا۔ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ اس تواتر عملی کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعا کرنے پر خواہ انفرادا خواہ اجتماعا مستقل احادیث رسول ﷺ سے بھی دلیلیں موجود ہیں۔

دعا کے بارے میں آنحضور اکرم ﷺ کا عام معمول یہ تھا۔

کان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیہ بحذاء صدرہ اذا دعا ثم یمسح بھا وجھہ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۲۳)

یعنی رسول اکرم ﷺ جب دعا کرتے تو اپنے ہاتھ سینے کے مقابل تک اٹھاتے پھر چہرہ پر ہاتھ پھیر لیتے۔

معلوم ہوا کہ دعا میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے، اور اب یہ بھی جان لیجئے کہ نماز کے بعد دعا کرنے کی احادیث میں ترغیب آئی ہے کہ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اس وقت پروردگار بندہ کی دعا قبول کرتا ہے، ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہ کی روایت ہے۔ **قیل ای الدعا اسمع** یعنی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے وقت کی دعا اللہ کے یہاں زیادہ سنی جاتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

جوف اللیل الاخیر و دبر الصلوۃ المکتوبات یعنی اخیر شب کی دعا فرض نمازوں کے بعد کی دعا اللہ کے یہاں سنی جاتی ہے۔

متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد دعا کرتے تھے (۱)

---

(۱) اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ دعا کرنے میں آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے، اس لئے نماز کے بعد بھی آپ کا یہی معمول سمجھا جائے گا کہ آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے الا یہ کہ کوئی صاحب یہ ثابت کر دیں کہ نماز کے بعد آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرتے تھے اور انشاء اللہ یہ ثابت کرنا کسی بھی غیر مقلد کے بس کے بات نہیں ہے۔

مثلاً ابوداؤد اور نسائی میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ ﷺ نماز بعد یہ دعا فرماتے تھے۔

اللھم ربنا ورب کل شیء الخ

اور نسائی شریف میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر یہ دعا کرتے تھے **اللھم اصلح لی دینی الخ** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو صاف صاف ہے کہ

ان رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ بعد ماسلم وھو مستقبل القبلۃ کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا مانگی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز ہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا:

ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ یعنی اللہ کے رسول ﷺ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگا کرتے تھے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا معمول تھا۔

حضرت اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، تو آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور تھوڑا سا رخ موڑا اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ (۱) تحفۃ الاحوذی جلد اول ص ۲۴۵ و ۲۴۶ میں احادیث کے حوالے دیکھ لئے جائیں۔ ان احادیث میں آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز باجماعت کے بعد دعا کرنے کی آپ نے ترغیب بھی دی ہے اور خود آپ کا معمول بھی یہی تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے تو جو عمل آپ ﷺ سے ثابت ہوا اس پر بدعت ہونے کا حکم لگانا یا اس پر انکار کرنا یہ دین کی بات ہوگی یا بد دینی کی؟ آپ خود فیصلہ

فرمالیں۔

موجودہ دور کے غیر مقلدین جن پر سلفیت اور ابن بازیت کی چھاپ پڑ گئی ہے وہی نماز کے بعد اجتماعی دعا کے انکاری ہیں، ورنہ غیر مقلدین کے اکابر میں اس کا چرچا نہیں تھا اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ لکھا ملتا ہے کہ نماز کے بعد امام اور مقتدی کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت عمل ہے۔ غیر مقلدین کا موجودہ طبقہ ہی اس کا انکاری ہے اور اس کو بدعت قرار دیتا ہے اور وہ بھی احادیث اور سلف کے معمول کی روشنی میں نہیں، بلکہ ابن قیم کی تقلید میں بلکہ بہت سے بیچارے تو ابن قیم کو جانتے بھی نہیں، انہوں نے تو یہ دیکھا کہ سعودیہ میں ابن بازیئے اور البانیئے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بدعت سمجھتے ہیں بس ان کے لئے اب کسی تحقیق کی ضرورت نہیں رہی، البانیوں اور ابن بازیوں کی تقلید میں یہ مست و سرشار ہو گئے، اور ایک سنت عمل کو بدعت ہونے کا وہ شور مچایا کہ توبہ بھلی۔

بہر حال ابن قیم نے اس کا انکار کیا ہے وہ اپنی کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ: ''نماز سے سلام پھیرنے کے بعد امام یا مقتدی کا قبلہ رخ ہو کر دعا کرنا آنحضور ﷺ کا طریقہ نہیں تھا'' لیکن ابن قیم کی اس بات کو حافظ ابن حجر نے رد کر دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

ما ادعاہ من النفی مطلقا مردود فقد ثبت عن معاذ بن جبل ان النبی ﷺ قال لہ یا معاذ واللہ انی لاحبک فلاتدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک الخ

یعنی ابن قیم کا نماز کے بعد دعا کا مطلقاً انکار کرنا مردود ہے، اس لئے کہ آنحضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں (میری یہ بات بطور خاص سنو) تم کسی نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ چھوڑنا اللھم

اعنی علی ذکرک وشکرک الخ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز کے بعد دعا امام اور مقتدی دونوں کے لئے سنت ہے۔ فرماتے ہیں

قلت لاریب فی ثبوت الدعاء بعد الانصراف من الصلوٰة المکتوبة عن رسول اللہ ﷺ قولا و فعلا وقد ذکره ابن القیم ایضا فی زاد المعاد

یعنی میں کہتا ہوں کہ کوئی شک نہیں کہ فرض نماز سے فراغت کے بعد آنحضور ﷺ سے قولاً وفعلاً دعا ثابت ہے اور اس کو خود ابن قیم نے زادالمعاد میں ذکر کیا ہے

پھر ابن قیم کے نماز بعد دعا کے انکار پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فقوله اما الدعا ء بعد سلام من الصلوة مستقبل القبلة او المامومین فلم یکن من هدیه ﷺ لاادری مامعنا و مامراده

یعنی پس ابن قیم کا یہ کہنا (جبکہ خود ان کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دی) نماز بعد قبلہ رخ ہو کر امام یا مقتدی کا دعا کرنا آنحضور ﷺ کا طریقہ نہیں تھا مجھے نہیں معلوم کہ اس کا کیا مطلب ہے اور ابن قیم کی اس سے کیا مراد ہے۔

معلوم ہوا کہ موجودہ دور سے پہلے علمائے غیر مقلدین نے بھی نماز کے بعد امام اور مقتدی کی دعا پر کبھی انکار نہیں کیا تھا، اور ان کے یہاں بھی دعا ہی کرنے کا معمول تھا۔

بعض غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ کہیں سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے نماز کے بعد اجتماعی دعا کی ہو، یہ ان کی محض بکواس ہے اور محض شان غیر مقلدیت کا اظہار ہے، جب آپ ﷺ سے ایک نہیں متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ نماز کے بعد دعا فرماتے تھے اور صحابہ کرام کو آپ ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دی، اور یہ بھی فرمایا کہ فرض نماز کے بعد اللہ کے یہاں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے، تو کیا ان تمام باتوں کے ثبوت کے بعد بھی کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام کا عمل اس پر نہ رہا ہوگا یا صحابہ کرام آنحضور ﷺ کو قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرتے دیکھیں اور خود نہ دعا مانگیں اور نہ ہاتھ اٹھائیں، اور آپ ﷺ کی دعا پر آمین نہ کہیں؟ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو مقام صحابہ و مقام نبوت سے ناواقف ہو، اور جس کے کان میں آنحضور اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے عشق و محبت کی داستان نہ پڑی ہو، ذرا سوچو تو سہی کیا یہ ممکن ہے اور کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ امام ہوں، بعد نماز دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں اور آپ ﷺ کے مقتدی صحابہ کرام آپ کی اتباع اور اقتداء نہ کریں، اور وہ کسی دوسرے ذکر و اذکار میں مشغول ہوں، یہ بات کسی صاحب فہم و بصیرت کی نہیں ہوسکتی۔

بہر حال مندرجہ بالا حقائق و بیان کی روشنی میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

(۱) فرض نماز کے بعد دعا کرنا مستحب اور آپ ﷺ سے اس کی ترغیب ثابت ہے۔

(۲) دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنا ہی اولیٰ اور افضل ہے اور دعا میں ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ سے نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے۔

(۴) کسی ایک حدیث میں نماز کے بعد دعا مانگنے کی ممانعت نہیں ہے۔

(۵) ان حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ نماز باجماعت کے بعد امام

اور مقتدی کا دعا مانگنا بدعت ہے، نہات جہالت کی بات ہے۔

(۶) اکابر غیر مقلدین نے بھی نماز کے بعد امام اور مقتدی کے دعا کرنے کو مستحب جانا ہے۔

(۷) جو لوگ نماز با جاعت کے بعد امام اور مقتدی کی دعا کو بدعت کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں ہے، بلکہ ابن قیم کی تقلید میں ہے۔

(۸) ابن قیم کا زاد المعاد میں خود کلام متعارض ہے، اور اسی بنا پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کو ان کے کلام سے تعجب ہوا اور ان کے کلام کے تعارض کو دفع کرنے کے لئے ان کے کلام کی تاویل کرنی پڑی۔

آپ کی بات کا جواب ہو گیا۔ اب ذرا آپ میری طرف سے ان غیر مقلدین سے پوچھئے کہ جو نماز کے بعد دعا کرنے کو بدعت قرار دیتے ہیں کہ تمہارا کیا عمل ہے، تم نماز کے بعد اٹھ کر چلے جاتے ہو یا بیٹھ کر کچھ پڑھتے بھی ہو؟ اگر سلام پھیرتے ہی چلے جاتے ہو تو اس کی کیا دلیل ہے؟ اگر تم نماز سے فارغ ہو کر کچھ پڑھتے ہو، تو اجتماعی طریقہ پر پڑھتے ہو یا انفرادی طریقہ پر؟ اگر اجتماعی طریقہ پر پڑھتے ہو تو اجتماعی دعا بدعت ہو اور تمہارا یہ اجتماعی ذکر واذکار بدعت نہ ہو اس کی کیا دلیل ہے؟ اگر نماز کے بعد ذکر واذکار ثابت ہے تو کیا دعا ثابت نہیں ہے؟ ایک عمل تو بدعت ہو اور دوسرا عمل سنت ہو، آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں منع کیا ہے کہ نماز کے بعد دعا مت مانگا کرو اگر منع کیا ہے تو براہ کرم اس حدیث کا اتہ پتہ بتلاؤ۔

اخیر میں یہ بھی سن لیجئے کہ نماز کے بعد دعا کرنے کا مسئلہ حنفیہ کے یہاں فرض اور واجب کا نہیں ہے یہ بھی غلو ہے کہ جو نماز بعد دعا نہ کرے اور چلا جائے اس کو بری نگاہ سے دیکھا جائے۔ نماز کے بعد اجتماعاً یا انفراداً دعا کرنا بہتر اور مستحب ہے، اس سے زیادہ اس کا حکم نہیں ہے۔

والسلام محمد ابوبکر غازی پوری

دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہٗ

سلام مسنون!

زمزم کے شماروں کا مطالعہ ہم سب کے لئے کافی نفع بخش ثابت ہو رہا ہے اور بہت سے اشکالات رفع ہوئے۔

ضروری عرض یہ ہے کہ ہمارے شہر میو میں غیر مقلدین کی چند مساجد پر کرفیو کے دوران بعد نماز مغرب فوراً عشاء پڑھ لیتے تھے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس پر مختصر سی تحریر لکھ دیں۔

والسلام

نیاز احمد مئو

زمزم!

غیر مقلدین حضرات کا ہر فرد مجتہد مطلق کے منصب پر ہوتا ہے اور اس کو پورا حق حاصل ہوتا ہے کہ اپنی رائے اور قیاس سے دین کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

غیر مقلدین اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں، مگر ان کی اہلحدیثیت کی چکی صرف آمین بالجہر، رفع یدین قرأت خلف الامام اور نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے اور ان جیسے چند اور مسائل ہی کے ارد گرد گھومتی ہے، ان کا سارا زور انہیں مسائل میں لگتا ہے، اس کے بعد ان کی اہلحدیثیت ٹائیں ٹائیں فش ہو جاتی ہے۔

غیر مقلدین کی نماز اور خواجہ جی کا عرس دونوں میں بہت زیادہ کا فرق نہیں ہے۔

نماز دین کی اہم ترین عبادت ہے، اللہ اور اس کے رسول نے نماز کا طریقہ کامل اور مکمل طریقہ پر ہمیں بتلایا ہے، جو نماز اس طریقہ پر پڑھی جائے گی وہ تو شرعی نماز ہوگی، جس کو حدیث میں عماد الدین کہا گیا ہے، اور جو نماز خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف ہوگی اسے نماز نہیں کہا جائے گا، وہ خواجہ جی کا عرس ہوگا۔

جس طرح سے قرآن وحدیث میں نماز کے سلسلہ میں بہت سی تفصیلات ہیں اسی طرح نماز کے اوقات کا بیان بھی ہے، نماز کو ان اوقات مقررہ میں پڑھنا ضروری ہے، اپنی طرف سے نماز کا وقت مقرر کر لینا اور عشاء کی نماز مغرب میں پڑھ لینا یا ایک وقت کی نماز دوسرے وقت میں پڑھ لینا قطعا درست نہیں ہے، حج میں صرف اجازت ہے کہ عرفہ ومزدلہ میں ظہر اور عصر، اور مغرب وعشاء ایک ساتھ پڑھی جائے گی۔ اس کے علاوہ کسی اور وقت کی نماز کو تقدیما وتاخیرا دوسرے اوقات کی نماز کے وقت پڑھنا قرآن وسنت کے خلاف ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے **ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتا** یعنی نماز کو مومنین پر متعین اور محدود وقت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے **موقوتا** کی تفسیر میں صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں: **محدودا بالاوقات لايجوز اخراجها عنها ماامكن** یعنی نماز کو اوقات کے ساتھ محدود کیا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہوگا ان کو ان کے اوقات سے نکالنا جائز نہ ہوگا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں **موقتا وقته عليهم** یعنی اللہ نے نماز کو وقت کے ساتھ مسلمانوں پر فرض کیا ہے، بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں۔

مارأيت رسول الله ﷺ صلى لغير وقتها الا صلوتين جمع بين المغرب والعشاء وصلى الفجر قبل ميقاتها (بخارى متى يصلى الفجر بجمع)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے دو نمازوں کے علاوہ کوئی اور نماز بلا وقت نہیں پڑھی۔ مزدلفہ میں آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع کیا تھا اور صبح میں نماز فجر عام معتاد وقت سے پہلے پڑھی تھی۔

مزدلفہ میں مسئلہ یہی ہے کہ مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھی جائیں، سفر میں بعض حضرات کے یہاں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے، مگر ہمیں کسی حدیث میں یہ نہیں ملتا کہ اپ ﷺ نے حضر اور حالت اقامت میں بھی دو نمازوں کو اس طرح جمع کیا ہو کہ ایک ہی وقت میں دو نمازوں کی ادائیگی کر لی ہو، یہ عمل کتاب وسنت کے صریح خلاف ہے، اگر کسی حدیث سے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کا کسی کو پتہ چلتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر دیا گیا ہے بلکہ نمازوں کو آگے پیچھے کر کے دونوں کو ان کے اوقات ہی میں پڑھنے کا ثبوت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا گناہ کبیرہ ہے، آپ نے اپنے عمال کو ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا۔

(موطا امام محمد)

اگر دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا جائز ہوتا تو کم از کم حالت جنگ میں اس کا لحاظ ضرور کیا جاتا مگر یہ شریعت کا مسئلہ نہیں ہے کہ جنگ کے موقع پر دو نمازوں کو ایک وقت یا کئی نمازوں کو ایک وقت پڑھا جائے، صلوٰۃ خوف کا بیان خود قرآن میں ہے جس کی تفصیل عام نمازوں سے ہٹ کر پڑھنے کی ہے، مگر وقت میں تبدیلی کا یہاں بھی مذکور نہیں ہے۔

بہر حال شریعت میں نماز کا وقت مقرر ہے، نمازوں کو انہیں اوقات میں ادا کیا جائے گا تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔

اب رہا غیر مقلدین کا اجتہاد تو اس کو نہ پوچھئے، ان کے یہاں بڑی گنجائش ہے، مولانا ثناء اللہ امرتسری سے کسی نے پوچھا۔

'' مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ فرصت رہتی ہے اور عصر میں فرصت نہیں ملتی تو کیا ظہر کے ساتھ عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے؟ تو مولانا نے اس کا جواب دیا:

'' واقعی اگر وقت عصر نہیں ملتا تب ظہر کے ساتھ عصر جمع کر لیا کریں،
صحیح بخاری میں ملتا ہے آنحضرت ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب
وعشاء جمع کی تھیں'' (فتاوی ثنائیہ جلد ا ص ۴۳۶)

دیکھا آپ نے شیخ الاسلام مولانا امرتسری صاحب کا اجتہاد بخاری میں جو مذکور ہے اسکا تعلق حج سے ہے، اور وہ عرفہ اور مزدلفہ کی بات ہے یا اس کو بہت زور لگا کر سفر سے متعلق مانا جا سکتا ہے، اس کو مولانا نے اجتہاد سے عام کر دیا ہے، اور اس کی روشنی میں فتویٰ دے رہے ہیں کہ جس کو مشغولیت کا عذر ہو وہ جس نماز کو چاہے ادھر سے ادھر کر سکتا ہے۔

بلکہ مولانا امرتسری صاحب اہلحدیث کا اجتہاد تو یہ ہے کہ کھیل کود میں مشغول ہونے کی وجہ سے بھی اگر نماز کا وقت نہ ملے تو ایک نماز کو دوسرے وقت میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ثنائیہ کا یہ سوال و جواب

سوال: فی زمانہ کثرت سے رواج ہے کہ مسلم حصول انعام کے لئے مثلاً آپ شیڈ بال کھیلا کرتے ہیں، اور کھیلنے کے باعث عصر و مغرب کی نماز ترک کر دیتے ہیں پر قضا نماز پڑھ لیتے ہیں کیا جائز ہے؟

جواب: نماز قضا پڑھنا بلا وجہ اچھا نہیں ہے کھیلنے والوں کو چاہئے کہ پہلے افسروں سے تصفیہ کر لیں کہ نماز کے وقت کھیل کود چھوڑ دیں گے، وہ اگر نہ مانیں تو ظہر کے ساتھ عصر ملا لیں یا عصر کے ساتھ ظہر ملا کر جمع کر لیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص ۶۳۱-۳۲)

جس مذہب میں کھیل کود کے لئے بھی نماز کے بارے میں اتنی گنجائش ہو اگر اس

کیا فارسی زبان میں حنفیہ کے یہاں اذان مسنون ومشروع ہے؟

مکرم بندہ جناب مولانا ابوبکر صاحب غزیپوری۔ سلام مسنون

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے

ہفت روزہ ترجمان اہلحدیث دہلی جنوری ۲۰۰۱ء صفحہ ۱۸ کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے۔ جس میں آپ کے کسی شاگرد کے حوالہ سے نماز واذان کسی دوسری زبان میں انجام دینے کی بات کہی گئی ہے، براہ کرم تحقیق فرما کر مطلع فرمائیں کہ رسالہ مذکورہ کی یہ بات کس حد تک صحیح ہے اور اگر صحیح ہے تو کیا اگر یہ امر جائز بھی ہو تو ہندوستان کے حالات میں جہاں مسلمانوں کو ہندی کلچر اپنانے کی ترغیب دی جارہی ہو مناسب ہے یا نہیں۔

دوسری زبانوں میں اذان اور نماز کی وبا اگر پھیل گئی تو کیا یہ اسلامی تمدن کا عظیم نقصان نہیں ہوگا۔ خطبہ کی حد تک بات نبھ سکتی ہے۔

میں ممنون ہوگا اگر آپ زحمت فرما کر اس کی تحقیق فرمالیں گے، اور جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

نیازمند

حکیم ظل الرحمٰن

لیگل سیل دہلی

مکرم بندہ حکیم ظل الرحمٰن صاحب زاد مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

گرامی نامہ آج ہی کی ڈاک سے ملا، کرم فرمائی ویاد دہانی کا شکریہ

ہمیں اس سے بے انتہا خوشی ہوئی کہ آپ کو ایک مسئلہ میں کھٹک پیدا ہوئی اور اس سلسلہ میں دریافت حقیقت کے لئے مکتوب سامی لکھنے کی زحمت گوارہ فرمائی، حق پسندوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں اگر کچھ شبہ ہوتو اہل معلومات سے دریافت حال کرلیں اور حقیقت واقعہ معلوم کریں، پروپگنڈائی باتوں سے اصحاب عقل وخرد کا متاثر ہونا بڑی عجیب بات ہوتی ہے۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ غیر مقلدین اس کا مستقل پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں فلاں بات ہے اور فلاں بات ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہے، اسی طرح کی کسی بات پر زمزم کے مستقل کالم نگار طہٰ شیرازی نے لکھا ہے کہ غیر مقلدین کے یہاں نماز کے ذکر واذکار حتی کہ اذان بھی قصداً اور عمداً بھی انگریزی زبان میں دینی جائز ہے اس کے جواب میں ترجمان دہلی کے مضمون نگار نے ہدایہ پر طعنہ زنی کرتے ہوئے اس کے حاشیہ سے یہ لکھا ہے کہ احناف کے یہاں فارسی زبان میں اذان کہنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ سے ان کے شاگرد حسن نے یہ روایت کی ہے۔

یہ میرے کسی شاگرد کی بات نہیں ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے یہ بات ترجمان کے مضمون نگار نے الزامی طور پر احناف کے خلاف ذکر کی ہے۔

اب آیئے صورت مسئلہ کی طرف تاکہ آپ کے سوال کا جواب مکمل ہو، فقہ میں بہت سے مسائل کا تعلق محض جواز سے ہوتا ہے، یعنی اگر ایسا ہو جائے تو اس سے عمل باطل

نہیں ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ جائز والا وہ عمل ہی مشروع ومسنون ہے۔ مثلا مسنون یہ ہے کہ اذان باوضو کہی جائے، لیکن اگر کسی نے بلاوضو بھی اذان کہہ دی تو اذان ہو جائے گی اس کا دہرانا ضروری نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلاوضو اذان کہنا مسنون اور مشروع ہے، قرآن میں ہے کہ اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون اب اگر کوئی مفلحون کی جگہ ھم الفائزون پڑھ دے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی، نماز جائز ہوگی، اس کا یہ مطلب لینا کہ ھم الفائزون پڑھنا مسنون اور مشروع ہے اور یہی اصل قرأت ہے غیر فقیہانہ اور غیر دانشمندانہ بات ہے۔ کسی عمل میں کون سی چیز مسنون ومشروع ہے یہ الگ چیز ہے اور کون سی چیز محض جواز کے درجہ کی ہے کہ اس کے پائے جانے سے عمل کو باطل نہیں کہا جا سکتا یہ بالکل الگ سی چیز ہے، رکوع سے اٹھتے وقت مسنون اور مشروع یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہا جائے لیکن کسی نے اگر اللہ اکبر کہہ دیا تو اس سے نماز میں فساد نہیں آجائے گا، نماز جائز ہوگی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ کی جگہ اللہ اکبر کہنا مسنون اور مشروع اور اصل ذکر ہے۔

غرض کسی چیز کا مسنون ومشروع ہونا الگ بات ہے اور اس کا جائز ہونا الگ بات ہے دونوں کا حکم بھی الگ الگ ہے۔ اگر آپ مسنون ومشروع والا عمل کریں گے تو وہ عمل مطابق سنت قرار پائے گا۔ اور اس پر سنت والا ثواب ملے گا اور اگر جواز والا عمل کریں گے تو بس صرف یہ ہوگا کہ وہ عمل جائز ہوگا فاسد اور باطل نہیں ہوگا، مگر سنت پر عمل کرنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

فقہاء کی یہ بات خود احادیث رسول سے ثابت ہے، اللہ کے رسول ﷺ چونکہ معلم شریعت تھے اس وجہ سے آپ کی تعلیمات میں مسنون مشروع عمل کے بارے میں جس طرح ہدایات اور رہنمائیاں ہیں اسی طرح جائز اور مباح امور کے بارے میں بھی

ہدایات اور رہنمائیاں ہیں تاکہ شریعت کی جامعیت پر حرف نہ آئے اور انسان کسی موقع پر پریشان خاطر نہ ہو۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مسنون ہے بلکہ یہ محض اباحت کو بتلانے اور عذر و معذوری کے وقت کا عمل ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حالات صوم میں اپنی ازواج کا بوسہ لیا، مگر اس کا یہ مطلب کوئی نہیں لیتا کہ حالت صوم میں ازواج کا بوسہ لینا عمل مسنون ہے، بلکہ آپ نے اپنے عمل سے صرف یہ ہدایت دی ہے کہ اگر کوئی ایسا کر لے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نماز پڑھتے تو حضرت امامہ کبھی آپ کے کاندھے پر ہوتیں جن کو آپ رکوع و سجدہ کرتے ہوئے اپنے کاندھوں سے آہستہ سے اتار دیتے۔ آپ کا یہ عمل اس بات کی تعلیم تھی کہ اگر نماز میں عمل قلیل ہو جائے تو اس سے نماز میں فساد نہیں ہوتا، کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ عمل قلیل کرنا نماز میں مشروع و مسنون ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے وضو میں اعضاء کو صرف ایک بار دھو کر نماز ادا کی، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو وضو پورا ہوگا اور نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا نہ یہ کہ ایک ہی دفعہ اعضاء وضو کا دھونا مسنون و مشروع ہے، اس طرح کی بہت سی باتیں احادیث کی کتابوں میں خود آنحضور ﷺ سے مروی ہیں۔ اور ان کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان وہ عمل بھی جان لیں جو کہ مسنون و مشروع ہیں اور جو شریعت کا اصل حکم ہے اور ان باتوں کو بھی وہ جان لیں جن کا تعلق محض اباحت، جواز اور عذر و معذوری کی حالت سے ہے اور جن سے اعمال باطل اور فاسد نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ صرف احناف ہی نہیں بلکہ تمام فقہی مذاہب کی کتابوں میں اس کا بیان آپ کو ملے گا کہ کون سی چیز جائز ہے اور کون سے چیز مفسد عمل اور مبطل عمل ہے اور کون

سائل مسنون ومشروع ہے۔

غیر مقلدین کے علماء نے بھی فقہی کتابیں لکھی ہیں اوراس دعویٰ کے ساتھ کہ وہ لوگ خالص کتاب وسنت پرعمل کرتے ہیں، اوران کی ہر ہر بات کی دلیل کتاب وسنت سے ماخوذ ہوتی ہےاور مذہب کی کتابوں سے سردست میں کچھ ذکرنہیں کرتا، غیر مقلدین کی سب سےاہم کتاب نزل الابرار من فقہ النبی المختار جونواب وحید الزماں صاحب کی تالیف ہے، اورجن میں سارے مسائل کوآنحضورﷺ کے فقہ کا مسئلہ بتلایا گیا ہے، اس کتاب کے ان چندمسائل میں آپ غورفرمالیں توآپ کیلئے حقیقت تک پہنچنابہت آسان ہوجائے گا

نواب صاحب فرماتے ہیں:

ویجوز للمرأة النظر الی الرجال الاجانب (ص ۷۴ ج ۲)

یعنی عورت کے لئے اجنبی مردکودیکھنا جائز ہے۔

اس جگہ جائز ہونے کا کیا مطلب ہے، کیااجنبیوں کواورغیرمحرم کودیکھنا مشروع ومسنون ہے؟

نواب صاحب فرماتے ہیں:

وکذلک تکره الصلوة فی الارض المغصوبة اوفی لباس مغصوب اومصبوغ بالعصفر و کذافی ثوب الحریروفی الازار التی تستر الکعبین للرجل وان جازت فی هذه الصور کلها(ص ۵۷ ج ۱) یعنی غصب شدہ زمین یا غصب شدہ کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح

عصفر سے رنگے کپڑے میں بھی نماز مکروہ ہے نیز مردوں کے لئے ریشمی کپڑوں میں اور ایسے ازار میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے جن سے ٹخنہ چھپ جاتا ہے۔اگرچہ ان تمام صورتوں میں نماز ہو جائے گی۔

دیکھئے بعض چیزیں اس بیان میں ایسی ہیں جس کے بارے میں حدیث میں شدید وعید وارد ہے اور ان کا استعمال مردوں کے لئے قطعاً حرام ہے مثلاً مردوں کے لئے ریشم کے کپڑے کا استعمال یا ٹخنہ سے نیچے تہبند پہننا، مگر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ان کپڑوں میں نماز ہو جائے گی یعنی فاسد اور باطل نہ ہوگی، نہ یہ کہ ان کپڑوں میں نماز مسنون ومشروع ہے۔

نواب صاحب فرماتے ہیں:

لاینقض (الوضوء) بمس المرة والامر دو کذابالمباشرة الفاحشة (ص ۱۹ ج ۱)

یعنی وضوعورت اور امرد لڑکے کے چھونے سے نیز مباشرت فاحشہ سے نہیں ٹوٹتا

کیا اب کوئی غیر مقلد ''نہیں ٹوٹتا'' کا سہارا لے کر اس عمل کو مشروع ومسنون گمان کرے گا اور اس پر عمل شروع کر دے گا، اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر یہ شکل کبھی پیدا ہو جائے تو وضو کا عمل باطل نہیں ہوگا۔

نواب صاحب فرماتے ہیں:

وکذا اذا اولج فی فرج البھیمة اودبر الادمی اودبر البھیمة (ص ۲۳ ج ۱) یعنی اگر آدمی اپنا آلہ تناسل

جانور کی فرج میں داخل کرے یا آدمی کے پاخانہ کے راستہ میں یا

جانور کے پاخانہ کے راستہ میں تو اس پر غسل لازم نہیں ہے

غسل لازم نہیں ہے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ غیر مقلدین کے مذہب میں یہ عمل مشروع و مسنون ہے، نواب صاحب کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو مذہب غیر مقلدین میں غسل ضروری نہیں بلا غسل نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

نواب صاحب فرماتے ہیں:

ولو رمی انسانا او طائر ابحجر کان عنده او حمله من

الارض ثم رمی به لا تفسد صلوته (ج ا ص ۱۱۲)

یعنی اگر نماز حالت نماز میں کسی آدمی کو یا چڑیا کو اپنے پاس موجود یا زمین سے اٹھا کر پتھر مارے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ غیر مقلدین کے یہاں اس طرح کا عمل مفسد صلوۃ نہیں یہ کہ یہ عمل مسنون مشروع ہے کہ آدمی اس کو لازماً کرے ہی۔

نواب صاحب کے یہ بھی فرمان ہے کہ اگر کوئی قصداً اذان انگریزی میں دے تو جائز ہے اس کا جواب شیرازی نے اپنے مضمون میں پہلے ہی دے رکھا ہے۔

غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ انگریزی میں غیر مقلدین کے یہاں اذان جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اذان باطل نہیں ہوگی نہ یہ کہ یہی ان کا اصل مذہب ہے اور اذان میں یہی مشروع و مسنون ہے۔

بالکل اسی طرح اگر کسی حنفی فقہ کی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے اذان کو فارسی میں کہہ دیا تو اس کی اذان ہو جائیگی اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اذان کو دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کہ کوئی صاحب اس کا یہ مطلب لیں کہ یہی اذان احناف کے یہاں

مشروع مسنون ہے، اگر کوئی یہی سمجھتا ہے تو وہ پرے درجہ کا احمق اور فقہ کی اصطلاحات سے ناواقف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کسی حنفی مسجد میں عربی کے علاوہ دوسری زبان میں نہ اذان کہی گئی نہ کہی جاتی ہے۔

رہا ترجمان میں جو اس مسئلہ پر گفتگو ہے وہ سراسر فریب اور خیانت سے پر ہے اور میں یہ بات بڑے پرزور انداز میں کہتا ہوں کہ غیر مقلدین کا احناف کے مذہب ومسلک پر کوئی اعتراض علم ودیانت کے ساتھ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوسکتا ہے، یا تو ان کے اعتراضات ان کی جہالت کا آئینہ ہوتے ہیں یا وہ مکر وفریب سے کام لیتے ہیں، ہمارا سابقہ دن رات ان غیر مقلدین کے ساتھ رہتا ہے اس وجہ سے ہم ان کی ایک ایک رگ سے واقف ہیں، جن باتوں کو آپ جیسے سادہ لوح حضرات سن کر گھبرا جاتے ہیں ان کو سن کر ہمارے لبوں پر تبسم پیدا ہوتا ہے اور ہم ان کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

اسی مضمون کو دیکھئے کہ مضمون نگار نے کتنے فریب سے کام لیا ہے اور علم ودیانت کا کیسا مذاق اڑایا ہے۔

اس نے پہلی حرکت تو یہ کی کہ مسئلہ تو ہدایہ کے حاشیہ سے مبسوط کتاب کا نقل کیا اور خوامخواہ ہدایہ کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کیا، اور اس نے کہا کہ ہدایہ جس کو قرآن کے مثل کہا گیا ہے یہاں اس بات کا کیا موقع تھا، یہ غیر مقلدین کا بہت پرانا اعتراض ہے اور اس کا جواب زمزم میں دیا جا چکا ہے مگر خبیث طبیعتوں کا حال بھی عجیب ہوتا ہے کہ وہ صحیح سے صحیح بات بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی ہیں۔

دوسری حرکت اس نے یہ کی کہ ہدایہ میں اذان کا مفصل بیان مذکور ہے اور کہیں بھی فارسی اذان کا ذکر کیا اشارہ بھی نہیں ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صاحب ہدایہ اور احناف کے یہاں اس جیسی اذان اس لائق بھی نہیں کہ اس کا ذکر ہو، اس کے مشروع و

مسنون ہونے کی بات تو الگ رہی، مگر اس بات کو مضمون نگار گول کر گیا، اور یہ نہیں بتلایا کہ ہدایہ میں اس اذان کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، مبسوط کی عبارت حاشیہ سے نقل کی ہے نہ کہ ہدایہ سے۔

تیسری بے ایمانی مضمون نگار کی یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ

''جس مقام پر اذان میں عرف عام کا اعتبار کرنے کی بات کہی تھی ہے اسی جگہ یہ ہے کہ ابوحنیفہ سے فارسی میں اذان کہے جانے کی روایت ہے''

مجھے نہیں معلوم کہ آپ عالم ہیں یا نہیں اگر عالم ہیں اور ہدایہ کی طرف براہ راست رجوع کر سکتے ہوں تو آپ اس جگہ کو ملاحظہ کرلیں ورنہ کسی عالم سے اس مقام کی تحقیق کر لیں، مصنف کتاب فارسی والی اذان کا ذکر نہ حاشیہ میں اور نہ ہدایہ کے متن میں اور نہ شرح میں اس جگہ پر کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے، مضمون نگار عرف عام والی بات کہہ کر محض فریب دینا چاہتا ہے کہ اگر کسی مقام پر فارسی زبان یا کوئی اور زبان متعارف ہو تو وہاں اسی جگہ کی زبان میں اذان کہنا حنفیہ کا مذہب ہے۔

عرف عام کی بات تو تثویب سے متعلق ہے یعنی فجر کے وقت اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ میں مصلیوں کو کن الفاظ سے جگایا جائے تو صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ جو لوگوں کا عرف ہو ان کلمات سے سونے والے کو جگایا جائے گا اس کے لئے کوئی خاص کلمات متعین نہیں ہیں، فارسی میں اذان کہنے اور نہ کہنے کا یہاں کوئی ذکر ہی نہیں۔

چوتھی بے ایمانی مضمون نگار نے یہ کی ہے کہ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ مبسوط سے اس نے جو عبارت نقل کی ہے وہ ضعیف قول ہے، امام ابوحنیفہ سے وہ مشہور روایت اور ان مشہور مذہب نہیں ہے، اگر امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہوتا تو صاحب ہدایہ نے جواز اذان کا

مفصل بیان کئی صفحوں میں کیا ہے ان کا یہ مذہب ضرور نقل کرتے، مضمون نگار نے ہدایہ کے حاشیہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ خود بول رہی ہے کہ امام حسن کی روایت ضعیف ہے، عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔ وروی عن ابی الحسن عن ابی حنیفة الخ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ عام طور پر اس قسم کی عبارت اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ محدثین کے یہاں بھی یہ اصطلاح معروف ہے۔ روی یعنی مجہول کے صیغہ سے اگر کوئی روایت اور حدیث ذکر کی جاتی ہے تو محدثین عام حالات میں اس کو ضعیف سمجھتے ہیں الا یہ کہ خارج سے ایسا قرینہ موجود ہو جو اس روایت کی قوت کو بتلائے۔

غرض مضمون نگار نے اذان والی بات میں متعدد خیانتیں کی ہیں اور احناف پر جھوٹ تراشا ہے، اصل مسئلہ کو چھپایا ہے، غلط بیانی سے کام لے کر اپنی غیر مقلدیت کے برحق ہونے کا دستاویزی ثبوت مہیا کیا ہے۔

آپ ایک بار میری اس بات کو اور تازہ کر لیں کہ فقہ حنفی پر غیر مقلدین کا بلا جہل و خیانت کے کوئی اعتراض قائم نہیں ہوسکتا۔ فقہ حنفی کتاب وسنت اور آثار صحابہ کا وہ صاف شفاف چشمہ ہے کہ آج دنیا کے بیشتر مسلمان اسی سے سیراب ہو رہے ہیں۔ اور جب سے اس فقہ کا وجود ہوا ہے دنیا میں اسی فقہ کا ڈنکا بجا ہے اور اس کی جامعیت وشمولیت اور کتاب و سنت سے ہم آہنگ ہونے کا دنیا نے اعتراف کیا ہے، غیر مقلدین کے اکابر بھی چند مسئلوں کو چھوڑ کر اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں اسی فقہ پر اعتبار کرتے رہے ہیں، غیر مقلدین کے علماء کے فتاوی کی کتابیں دیکھ کر آپ ہماری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

غیر مقلدین تو اس وقت شر و فساد پر آمادہ ہیں، چیونٹی کے پر نکل رہے ہیں، فقہائے کرام اور اللہ والوں کے خلاف ان کی بدزبانیاں والزام تراشیاں اور بدعقیدگی اور سوءظنی انتہاء پر ہے، جو اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ اب ان کا کام تمام ہونے والا ہے اللہ

والوں سے دشمنی مول لے کر کوئی پنپ نہیں سکتا، غیر مقلدین کا حال آپ دیکھ لیں نماز جیسی عبادت بھی ان کے یہاں مذاق بن کر رہ گئی ہے، ان کی مسجدوں میں جائیے تو وحشت ہوتی ہے، روحانیت کا نام ونشان نہیں ویرانہ پن کا شدید احساس ہوتا ہے۔

اب میں آخر میں دو باتیں کہہ کر اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے نواب وحید الزماں کی کتاب سے جو مسئلے نقل کئے ہیں اس کا کوئی غیر مقلد رد نہیں کر سکتا اس وجہ سے یہ کتاب ان کی پوری جماعت کی طرف سے موثق ہے، اس کے شائع کرنے والے مشہور غیر مقلد عالم ومناظر مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی ہیں، اور جامعہ سلفیہ بنارس جو غیر مقلدین کا مرکزی ادارہ ہے، اس نے اہلحدیث کی تصنیفی خدمات پر جو کتاب شائع کی ہے، اس نزل الابرار کتاب کا بہت پر وقار الفاظ میں تعارف کرایا ہے اور اس کو فقہ اہلحدیث کی کتاب ومشہور بین الخاص والعام کہہ کر متعارف کرایا ہے، اس لئے غیر مقلدین کو اس کتاب کی حیثیت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

افسوس یہ ہے کہ مصنف کتاب نے اس کتاب میں مذکور تمام مسائل کو آنحضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ اس کے پورے نام سے ظاہر ہے، حالانکہ یہ بڑی جرأت کی بات ہے کہ اپنے اجتہادی مسائل کو آنحضور ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے یہ اس وعید میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے اوپر جھوٹ گھڑا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

مذاہب اربعہ کی فقہی کتابوں میں اس کا لحاظ ہوتا ہے کہ اجتہادی اور قیاسی مسائل کو براہ راست آنحضور ﷺ کی طرف ان کے مصنفین منسوب نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، یہ امام مالک کا قول ہے، یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے،

اجتہادی اور قیاسی مسائل کو آنحضورؐ کی طرف منسوب کرنے کی جرأت صرف اور صرف غیر مقلدین کو ہی ہوئی انا للہ و انا الیہ راجعون

دوسری بات آپ سے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ کے ذہن میں جو اور شکوک و شبہات ہوں ان کو بھی لکھ کر بھیج دیں میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنے علم و استعداد کے مطابق جواب دوں تا کہ آپ کے شکوک کا ازالہ ہو، آپ کا جو پہلا خط آیا تھا میں نے اس کی شکایت آپ سے اس لئے کی تھی کہ اس کا لب ولہجہ مناسب نہیں تھا۔ آپ کا یہ خط سنجیدہ اور متین تھا اس وجہ سے میں نے بھی پورے انشراح سے جواب دیا ہے۔ اور ایک ہی نشست میں یہ پورا جواب مکمل کیا ہے۔

خدا کرے آپ کے شکوک رفع ہو گئے ہوں، اگر کوئی بات رہ گئی ہو تو مزید لکھیں میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ غیر مقلدین کی تحریر سے دھوکہ نہ کھائیں، یہ چودھویں صدی کا عجیب وغریب فرقہ ہے، اللہ اس کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

٥

نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کا مسئلہ

محترم المقام حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب زید مجدھم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

الحمدللہ زمزم پابندی سے مل رہا ہے، آپ کی تحریروں سے ہم نے جتنا فائدہ اٹھایا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، خطوط کے جوابات سے بڑی تسکین حاصل ہوتی ہے، ذہن میں بہت سے اشکالات تھے وہ بالکل رفع ہو گئے، آپ کے جوابات کا انداز بھی بڑا پیارا ہوتا ہے، لمبی تحریر بھی مزہ لے لے کر پڑھی جاتی ہے، ہندوستان میں اس انداز کا کوئی دوسرا پرچہ نہیں ہے، زمزم کے بارے میں جو ہمارے جذبات ہیں سب کو صفحۂ قرطاس پر نہیں لایا جا سکتا، ہم سب آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا گو ہیں، طٰہٰ شیرازی کا اپنا انداز ہے، وہ چٹکیوں میں اور ہنستے ہنساتے بڑے بڑے مسئلے حل کر دیتے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایک گفتگو میں ایک غیر مقلد عالم جو جامعہ سلفیہ کا فارغ ہے کہنے لگا کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت ضعیف ہے، سینہ پر ہاتھ باندھنا چاہئے۔ یا سینہ کے اوپر، یہی صحیح روایت سے ثابت ہے، حنفیہ کے علاوہ کسی کا مذاہب ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا نہیں ہے، براہ کرم اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

نظام الدین قاسمی

گونڈہ

زمزم!

زمزم کے اجراء کا مقصد یہی تھا کہ احناف کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں اس کا ازالہ ہو، اور لوگوں کے سامنے صحیح صورت حال آ جائے، الحمد للہ اس بارے میں زمزم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس کا خاطر خواہ فائدہ برآمد ہوا ہے اور غیر مقلدیت کی کمر جھک گئی، اور اب غیر مقلدین علماء کی کاوش کا میدان صرف دورہ گیا ہے، گالی دینا اور سلفیت کے تعارف میں قلم گھستا ایک صاحب جو پی ایچ ڈی ہیں اس بارمیں اپنا خون پسینہ ایک کئے ہوئے ہیں۔ بیس بائیس قسطیں لکھ چکے ہیں اور اب تک سلفیت کا تعارف نامکمل ہے، کوئی منچلا ہوتا تو ان سے پوچھتا کہ پی ایچ ڈی صاحب سلفیت کا تعارف لمبا ہے یا شیطان کی آنت لمبی ہے۔

غیر مقلدین کا مزاج دینی مسائل میں آوارہ قسم کا ہے، ہم نے ان کی کتابیں پڑھی ہیں ہمیں ان کے مزاج میں کہیں ٹھہراؤ نظر نہیں آتا، ان کو اپنے مذہب کے خلاف ہر چیز سنت کے خلاف ہی نظر آتی ہے اور ساری احادیث ضیف دکھلائی دیتی ہیں، صحابہ کرام کا عمل حجت نہیں ہوتا، خلفائے راشدین کی باتیں قابل رد ہوتی ہیں، جمہور کیا کہتے ہیں اور ان کا عمل کیا ہے اس کی ان کو پرواہ نہیں ہوتی ہے حدیث میں ثقہ کی زیادتی منظور نہیں ہوتی انہیں احادیث میں اضطراب نظر آتا ہے۔

لیکن اگر مسئلہ اپنا ہو تو حدیث کا ضیف ہونا بھی قبول ہوتا ہے، صحابہ کے قول و عمل سے استدلال بھی جائز ہو جاتا ہے، خلفائے راشدین کا عمل بھی بھانے لگتا ہے ثقہ کی زیادتی بھی محدثین کا مذہب قرار پاتی ہے، حدیث میں جو اضطراب ہوتا ہے وہ بھی انکی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔

نماز میں ہاتھ کہاں باندھنا چاہئے، اس کا فیصلہ امام ترمزی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا

ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ اس بارے میں صحابہ کرام و تابعین سے صرف دو طرح کی بات منقول ہے، ایک ناف کے نیچے اور دوسری ناف کے اوپر سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر انہوں نے کیا ہی نہیں ہے اس سے معلوم ہو کہ صحابہ کرام و تابعین کا امام ترمذی کی نگاہ میں ان دو عمل کے علاوہ تیسرا کوئی عمل تھا ہی نہیں۔ سنیئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی بات انہیں کے الفاظ ہیں۔

والعمل علی ھذا اعند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین و من بعد ھم یرون ان یضع الرجل یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ ورای بعضھم ان یضعھما فوق السرۃ ورای وبعضھم ان یضعھما تحت السرۃ و کل ذالک واسع عندھم.

یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام اور بعد کے اہل علم اصحاب کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ یعنی یہ کہ نماز میں مصلی داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھے گا اور ان صحابہ و تابعین اور بعد کے لوگوں میں سے کچھ لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ نمازی اپنے ہاتھوں کو ناف کے اوپر باندھے گا اور کچھ لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ ناف کے نیچے باندھے گا اور یہ دونوں طریقے ان کے یہاں جائز ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا وسیع النظر محدث کا یہ فیصلہ آپ کے سامنے ہے، صرف یہی ایک بات اطمینان پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ احناف کا مسلک وہ ہے جس پر صحابہ و تابعین اور بعد کے ائمہ محدثین کا عمل رہا ہے، انہوں نے سینہ پر ہاتھ باندھنے والی بات کوئی لائق ذکر بھی نہیں سمجھا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور تابعین اور محدثین میں سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا کبھی معمول ہی نہیں رہا ہے۔

اب ہر سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ احناف کا عمل حدیث کے خلاف ہے کہ حدیث کے موافق ،اگر حدیث کے خلاف ہے تو اس کا الزام صرف احناف پر ہی نہیں آتا بلکہ یہ الزام ان تمام صحابہ تمام کرام اور تابعین اور محدثین پر آتا ہے جو نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔

ذرا اس بارے میں ائمہ اربعہ کے یہاں جو بات منقول ہے اس پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔

امام مالک سے اس بارے میں تین روایت ہے

(۱) نمازی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھے گا

(۲) سینہ کے نیچے ہاتھ باندھے گا اور ناف کے اوپر

(۳) اسے اختیار ہے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے یا ہاتھ چھوڑ کر۔

یعنی امام مالک کے نزدیک سینہ پر ہاتھ باندھنے کا مذکور ہی نہیں ،امام شافعی سے بھی تین روایات ہیں

(۱) سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھے گا،اور یہی روایت مشہور ہے اور اسی پر ان کے یہاں عمل ہے اور یہی روایت امام شافعی کی کتاب الام اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھے گا مگر یہ عمل بعض ہی کتابوں میں مذکور ہے شوافع کی کتابوں میں مشہور پہلی روایت ہے۔

(۳) اور امام شافعی کا تیسرا قول یہ ہے کہ ناف کے نیچے باندھے گا۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے بھی تین طرح کی روایت ہے۔

(۱) ایک روایت یہ ہے کہ ناف کی نیچے باندھے گا

(۲) دوسری روایت ہے کہ سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر باندھے گا۔

(۳) اور تیسری روایت ہے کہ نمازی کو اختیار ہے کہ ناف کے نیچے باندھے یا ناف کے اوپر۔

مگر ناف کے نیچے والی روایت ہی مشہور ہے اور اسی پر عام طور پر حنبلیوں کا عمل ہے۔ (دیکھو تحفہ لاحوذی ص ۲۱۳۔۲۱۴ ج ۲)

آپ غور فرمائیں کہ ائمہ اربعہ میں دو امام ایسے ہیں جن کا مذہب ناف کے نیچے باندھنے کا بھی ہے اور رہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو ان کا مذہب صرف ایک طرح کا نقل کیا گیا ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہی ہاتھ باندھنا افضل اور اولیٰ ہے، بلکہ امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ہی ہے، سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بات صرف امام شافعی کے ایک قول میں ہے اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنا تو سلفیوں کی نئی ایجاد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہر طرح سے پختہ ہے جس کی تائید میں اسلاف کا عمل ہے، اب رہا یہ کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی کوئی صریح حدیث بھی ہے، تو اس بارے میں عرض یہ ہے یہ زعم بالکل باطل ہے کہ اسلاف کرام ائمہ عظام اور صحابہ و تابعین کا جو معمول رہا ہے یہ معمول ان کا خود ساختہ ہوگا اور اس پر سنت سے کوئی دلیل نہ ہوگی، دلیل ہوگی اور یقیناً ہوگی خواہ ہمیں وہ ضعیف نظر آئے یا قوی۔

نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کا جن کا مذہب ہے ان کی صریح صحیح دلیل یہ ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، حضرت وائلؓ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔

یہ روایت بالکل صحیح سند سے ہے، مگر غیر مقلدین علماء کو اس بارے میں بڑی مہارت حاصل ہے کہ وہ صحیح سند والی روایت کو بھی غلط قرار دے دیتے ہیں، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد اس صحیح سند والی روایت کو دیکھ کر واپر نیچے ہونے لگے اور فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی سند اگرچہ عمدہ ہے مگر تحت السرہ یعنی ناف کے نیچے والا کلمہ ثابت نہیں ہے۔ لکن فی ثبوت لفظ تحت السرة فی هذا الحدیث نظر اقویا.

(ص ۲۱۴)

اور پھر اس ثابت شدہ لفظ کو غیر ثابت کرنے کے لئے وہ سب کچھ کر کے رکھ دیا جس سے امانت و دیانت اور اصول پناہ مانگتے ہیں، اب ان کی اس تفصیل میں کون پڑے اور جان کھپائے، ہم تو ان غیر مقلدوں سے صرف یہ کہیں کہ اگر آپ کے یہاں ثابت نہیں ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ فقہ و حدیث کا عمل یہ بتلاتا ہے کہ یہ لفظ ثابت ہے چاہے مصنف کے بقیہ اور نسخوں میں یہ لفظ ہو یا نہ ہو۔

دوسری دلیل احناف کی حضرت علیؓ کا یہ فرمان ہے جس کو ابو داؤد امام احمد ابن ابی شیبہ دارقطنی اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة (تحفه ص ۲۱۵ ج ۱)

یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھا جائے۔

اور جب صحابہ کرام کسی عمل کے بارے میں سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کا یہی معمول تھا اور آپ کا یہی فرمان تھا، مولانا

عبدالرحمٰن مبارکپوری محدث طیبی سے نقل کرتے ہیں:

اذا قال الصحابی من السنة کذا او السنة کذا فهو فی الحکم کقوله قال رسول الله ﷺ هذا مذهب الجمهور من المحدثین والفقهاء فجعل بعضهم موقوفا ولیس بشیء. (ص ۲۴۰ ج ۱)

یعنی جب صحابی یہ کہے کہ سنت سے یہ ہے یا یہ سنت ہے تو اس کا مطلب اور حکم اسی طرح کا ہے جیسے صحابی یہ کہے کہ آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے (یعنی یہ بات آنحضورؐ ہی سے ثابت ہوگی اور اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے) اور یہی عام طور پر فقہاء اور محدثین کا مذہب ہے، اور جس نے اس کو موقوف قرار دیا ہے وہ کوئی چیز نہیں ہے۔

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تعلیم اور فرمان غیر مقلدین کی گلے کی ہڈی بن رہا تھا۔ اس وجہ سے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اس کو بھی ضعیف قرار دینے کی پوری سعی کی ہے، مگر ہمارے نزدیک ان کی یہ سعی، سعی باطل ہے اس لئے کہ جب امام ترمذی کے بقول صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت کا اسی پر عمل رہا ہے تو ہمارے لئے ان کا عمل حجت ہے، اس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ ان کا عمل خلاف سنت نہیں تھا، چاہے غیر مقلدین مانیں یا نہ مانیں۔

تیسری دلیل احناف کی یہ روایت ہے جو ابوداؤد میں ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اخذ الکف علی الکف تحت السرة (تحفه ص ۲۱۵)

یعنی نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی سے پکڑ کر ہاتھ کو باندھا جائے گا۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد کو حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمان بھی گوارا نہیں ہوا، اور اس کو بھی ایک راوی کی وجہ سے ضعیف کہہ کر رد کر دیا۔

چوتھی دلیل احناف کی وہ روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس کو ابن حزم نے نقل کیا ہے، حضرت انس نے فرمایا۔

تین چیزیں اخلاق نبوت میں سے ہیں، افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور داہنے ہاتھ کو بائیں کے اوپر زیر ناف رکھنا، (تحفہ)

مولانا مبارکپوری نے اس حدیث کو بھی رد کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کی سند کا پتہ نہیں، اس لئے یہ قابل احتجاج نہیں ہے۔

یعنی ان غیر مقلدین کی زور وزبردستی کا اندازہ لگایئے کہ جب تک بذات خود کسی حدیث کی سند کا ان کو پتہ نہیں لگے گا وہ کسی پر اعتماد کر کے اس کو ماننے والے نہیں ہیں، جی ہاں غیر مقلدیت اسی کا نام ہے۔

اگر میں تفصیل میں جاؤں تو ابھی مصنف ابن ابی شیبہ، دار قطنی، مسند احمد وغیرہ سے متعدد آثار اس بارے میں نقل کر سکتا ہوں، مگر ایک انصاف پسند کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور اس سے نماز مین زیر ناف ہاتھ باندھنے کی مسنونیت کا صاف پتہ چلتا ہے۔

آپ نے اوپر کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ غیر مقلدین کے علماء جو مذہب اختیار کرتے ہیں اگر چہ وہ شاذ ہو اور امت میں اس کا قائل کوئی بھی نہ ہو، اس کے خلاف ایک سننے کو تیار نہیں ہوتے اور صحیح حدیث کو پوری قوت خرچ کر کے ضعیف قرار دیدیتے ہیں مگر جب اپنی باری ہوتی ہے تو ضعیف حدیث بھی صحیح سند والی ہو جاتی ہے۔

آیئے اس کا آپ کو ایک نمونہ دکھلاؤں، اسی مسئلہ میں غیر مقلدین علماء کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ قبیصہ اپنے والد ہلب طائی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں داہنے رخ اور بائیں رخ دونوں طرف نماز کے بعد منہ پھیرتے تھے اور اس کو اپنے سینہ پر رکھتے تھے، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں ورواۃ ھذا الحدیث کلھم ثقات و اسنادہ متصل یعنی اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند متصل ہے، لیکن کیا حقیقت یہی ہے؟ تو سنئے کہ:

اس کا ایک راوی سماک ہے، اس کا حافظہ آخر میں خراب ہو گیا تھا، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام احمد کا کہنا تھا کہ سماک مضطرب راوی ہے، شیبہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہی۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ یہ غلطی کیا کرتا تھا، دامام عجلی کہتے ہیں کہ وہ بسا اوقات منقطع حدیث کو متصل کر دیتا تھا، امام ثوری اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی روایت میں اضطراب ہوتا ہے اور وہ پختہ کار محدثین میں سے نہیں تھا، اور صالح بھی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، ابن خداش کہتے ہیں کہ اس میں کمزوری ہے۔

یہ ساری باتیں خود مبارکپوری صاحب نے لکھی ہیں اس کے باوجود وہ بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اب سنئے کہ قبیصہ کی جو صحیح روایت ہے اس کو امام ترمذی نے ذکر فرمایا ہے اور اس میں ہاتھ کہاں رکھتے تھے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

اور پھر غور کرنے کی بات ہے کہ اس حدیث میں راوی نماز ختم کرنے کے بعد کی حالت بیان کرتا ہے کہ دائیں بائیں رخ پھیرنے کے بعد آپ ﷺ اپنا ایک ہاتھ سینہ پر رکھتے تھے، اس میں یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ کون سا ہاتھ رکھتے تھے، بہر حال اس حدیث سے اس بات کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے (اگر اسے قابل استدلال قرار دیا جائے تو) کہ نماز ختم کرنے کے بعد اپنا ایک ہاتھ سینہ پر رکھنا چاہئے۔

غیر مقلدین کا عمل تو اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ نماز ختم ہونے پر اپنا ایک ہاتھ سینہ پر رکھیں، مگر اس حدیث سے غیر مقلدین حالت قیام میں اور نماز کی حالت میں سینہ پر دونوں ہاتھوں کے باندھنے کی مشروعیت کو ثابت کرتے ہیں جس کا حدیث کے الفاظ میں کہیں دور دور تذکرہ نہیں ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں آپ بھی دیکھ لیں اور ہر غیر مقلد دیکھ لے۔

قال رأیت رسول الله ﷺ ینصرف عن یمینه وعن یساره ورأیت یضع هذه علی صدره.

یضع هذه علی صدره (میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ دائیں بائیں رخ پھیرنے کے بعد اس کو اپنے سینہ پر رکھتے تھے) کا تعلق نماز ختم ہونے کے بعد کی حالت سے ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ کا ایک عمل یہ بھی تھا کہ کوئی ہاتھ آپ اپنے سینہ پر رکھتے تھے۔

لیکن اس حدیث کو غیر مقلدین محدثین علماء بھی سینہ پر دونوں ہاتھ رکھنے کی اپنی دلیل بناتے ہیں آپ اندازہ لگائے کہ جب آدمی تقلید کا راستہ چھوڑ اکر اپنی من مانی کرتا ہے تو وہ کیسی بے سر و پیر کی بات کرتا ہے، ایک اہم بات اور بھی ذہن آپ نشین کرلیں کہ اگر بالفرض والمحال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بات اگر کسی صحیح حدیث میں ہو بھی تو اس کا سنت ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ سنت وہ عمل ہوتا ہے جس پر آنحضور ﷺ کا عمومی عمل ثابت ہو اور صحابہ کرام نے بھی اس کو اپنا معمول بنایا ہو، اور یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا آنحضور ﷺ کا اکثری یا دائمی معمول تھا، اور یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کی اس مسئلہ میں نقل کردہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کسی صحابی نے یہ کہا ہو کہ سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے جائیں جب کہ سینہ کے نیچے

ہاتھ باندھنے کے بارے میں حضرت علی خلیفہ راشد کا صاف ارشاد ہے کہ سنت یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین میں ہاتھ زیر ناف باندھنے کا معمول تو رہا ہے مگر سینہ پر ہاتھ باندھنے کا کسی ایک صحابی کا بھی عمل منقول نہیں ہے۔

یقین جانئے کہ اگر نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنا بھی اسلاف کا معمول ہوتا تو اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہوتی اور یہ سنت ہوتا تو امام ترمذی اس کو ہرگز نظر انداز نہ کرتے، اور ابن قیم اس کو مکروہ نہ قرار دیتے، ابن قیم کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں دیکـــوہ ان یجعلاھا علی الصدر یعنی سینہ پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے، اور حضرت علی کا یہ ارشاد کہ سنت یہی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھا جائے جس کو عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب نے از راہ تعصب ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں ابن قیم فرماتے ہیں۔

صحیح حضرت علی کی بات ہے...... والصحیح خدیث علی یعنی صحیح حدیث حضرت علی ہی والی ہے۔ بدائع الفوائد ص ۹۱ ج ۱)

غیر مقلدین علماء کی اس مسئلہ میں اس بارے میں جو جو کارستانیاں ہیں ان سب کا بیان ایک مجلس میں نہیں ہو سکتا اس کے لئے بڑی فرصت اور ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ انشاء اللہ اتنے ہی سے آپ کو اور زمزم کے دوسرے قارئین کو اس مسئلہ میں اطمینان ہو جائے گا اور احناف کے مسلک کا دلائل کے اعتبار سے مضبوطی کا علم ہو گا۔

والسلام۔ محمد ابوبکر غازیپوری

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ پر ایک اعتراض کا جواب کیا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرنا خلاف سنت عمل ہے؟

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

الحمد للہ دو ماہی زمزم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے، دینی پرچوں میں ایک زمزم ہی ایسا پرچہ ہے جس سے غیر مقلدیت کے پھیلائے ہوئے جال سے بہت سے لوگ نکل گئے، یہ زمزم کی بہت بڑی کامیابی ہے، آپ کی اور مولانا نورالدین نور اللہ صاحب کی تحریر بڑی پراثر اور زوردار ہوتی ہے، زبان ہلکی پھلکی ہونے کی وجہ سے کم پڑھے لکھے لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تھی، غیر مقلدین اس کو خلاف سنت عمل قرار دیتے ہیں اور اس پر طرح طرح کی اعتراضات کرتے ہیں۔ براہ کرم اس بارے میں کچھ

تحریر فرمادیں تا کہ واقعہ کی صحیح صورت حال سامنے آجائے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

محمد اسلم خاں نظام آباد

زمزم!

غیر مقلدین حضرات پر اللہ رحم فرمائے، ان کو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی عبادت و ریاضت پر بھی اعتراض ہوتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ پر ان کا یہ اعتراض نیا نہیں ہے، ان کے بزرگوں نے بھی اس واقعہ کو لے کر بہت کچھ اپنی خاص انداز میں لکھا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بکثرۃ السجود یعنی نمازوں کی کثرت کو اپنے اوپر لازم کرو، قرآن میں صحابہ کرام کے بارے میں ہے تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا یعنی صحابہ کرام کو دیکھو گے کہ وہ رکوع میں ہیں اور سجدے میں ہیں، اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی کے طالب ہیں مسلمان مرد اور عورتوں کی صفات کا قرآن کی ایک آیت میں تفصیل سے ذکر ہے اس میں ان کی ایک صفت یہ ذکر کی گئی ہے والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات یعنی مسلمان مرد اور عورتیں اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، اور ان کے لئے اللہ کا یہ وعدہ ہے۔ اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجرًا عظیماً، اللہ نے ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے قرآن ہی میں ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی اللہ کے ذکر سے دل میں اطمینان پیدا ہوتا ہے، قرآن ہی میں ہے اذکروا اللہ ذکرا کثیرًا اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، حدیث میں آتا ہے من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً جس نے میرے اوپر ایک دفعہ درود پڑھی اللہ اس کو دس دفعہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔

اگر ان آیات و احادیث کی روشنی میں کوئی اللہ کا ذکر کثرت سے کرے نماز

کثرت سے پڑھے اور درود شریف کثرت سے پڑھے اور راتوں کو کثرت سے جاگے، اپنا دھیان اور اپنی توجہ اللہ کی طرف رکھے تو اس کا یہ عمل قابل تعریف ہوگا یا قابل ملامت، اس عمل کی تعریف کی جائے گی یا اس کو برا سمجھا جائے گا؟ اس کا فیصلہ ہر عقل سلیم خود کرے۔

حدیث میں آتا ہے بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

تو اگر اس حدیث کی روشنی میں کسی کو نوافل کا شوق ہو اور وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے نوافل کثرت سے پڑھے تو اس کا یہ عمل قابل تعریف ہوگا یا اس پر نکیر کی جائے گی۔ قرآن میں عباد الرحمن یعنی ان بندوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے اوپر اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے، تو ان کی ایک صفت یہ ذکر کی گئی ہے الذین یبیتون لربھم سجداً و قیاماً یعنی جو لوگ راتوں کو اس حال میں گذارتے ہیں کہ وہ سجدے میں ہوتے ہیں۔ اور حالت قیام میں ہوتے ہیں۔

اب اگر کوئی اللہ کا بندہ رات بھر نماز میں گذارے اور اس کا یہ معمول زندگی بھر کا ہو تو اس کا یہ عمل عین شریعت کے مطابق ہوگا یا اس کو خلاف شریعت کام کہا جائے گا۔

ایسے ہی اللہ کے بندوں کے بارے میں قرآن ہی میں ہے تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا و طمعاً یعنی یہ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے پہلو ان کی خوابگاہوں اور بستروں سے علیحدہ ہوتے ہیں (کہ نماز پڑھتے رہتے ہیں) اور اپنے رب کو عذاب کے ڈر اور ثواب کی امید میں پکارتے رہتے ہیں۔

آپ فرمائیں کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ رات بھر جاگ کر اللہ کی عبادت کرے اور اللہ

کو پکارے، اس کی رحمت کا امیدوار ہو اور اس کے عذاب سے پناہ چاہے اور اس کا یہ عمل چالیس سال نہیں پوری زندگی بھی اسی طرح کارہے تو اس کا یہ عمل قرآن کے مطابق ہوگا یا قرآن کے خلاف اس کو کہا جائے گا۔

اگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن کی ان آیات واحادیث پر عمل کیا تو کون سا جرم کیا اور اس سے غیر مقلدین کو تکلیف کیوں ہے؟۔

بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کی عبادت رفع یدین آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے تک ہے، ان بیچاروں کو اس سے زیادہ کی توفیق ہی نہیں، نہ ان کو ذکر واذکار سے مطلب اور نہ ان کو کثرت نوافل سے مطلب، نہ ان کے مقدر میں راتوں کا جاگنا ہے، نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی برکت حاصل کرنا ہے۔اس لئے یہ غیر موفق لوگ، اللہ والوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کا ذکر واذکار کثرت صلوٰۃ وسلام اور راتوں کو جاگ کر اللہ سے دعا ومناجات کرنا بھی ان پر بار ہوتا ہے۔ جب خود کتاب وسنت کی ہدایات پر عمل کرنا ان کے نفس پر شاق ہوتا ہے تو کتاب وسنت والا کام ان کو بدعت نظر آتا ہے، اور اللہ والوں کے بارے میں ان کی زبان بے لگام ہوتی ہے۔

تاریخ اور سیر کی کتابوں کو پڑھئے تو امام ابوحنیفہ جیسے کتنے اللہ کے بندے آپ کو نظر آئیں گے جنہوں نے پوری زندگی اللہ کی عبادت میں لگا کر گذار دی، یہ لوگ ائمہ فقہ و حدیث تھے شریعت کے اسرار کے واقف کار تھے۔کتاب وسنت کے عالم تھے، ان میں صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی، محدثین بھی اور فقہاء بھی، کیا یہ سب لوگ گمراہ تھے اور غیر شرعی عبادتوں میں اپنی زندگی گذارنے والے تھے؟ اس طرح کا تصور کوئی مسلمان اسلاف امت کے بارے میں کرسکتا ہے؟ مگر برا ہو غیر مقلدین کے مزاج وفکر کا کہ ان کا نقطۂ نظر اسلاف کے بارے میں عیب گیری ونقطہ چینی کا ہے۔میں یہاں پر صرف حافظ ذہبی کی

کتاب تذکرۃ الحفاظ جلد اول سے چند ایسے لوگوں کا نام ذکر کرتا ہوں جو اپنی عبادت و ریاضت اور کثرت صلوٰۃ وصوم میں مشہور تھے۔

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں۔ کان من السابقین القائمین الصائمین المنفقین فی سبیل اللہ. حضرت عثمان سابقین میں سے تھے، نماز میں لگے رہنے، بہت روزہ رکھنے اور اللہ کے راستہ میں بہت خرچ کرنے والے تھے، حضرت عثمان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کیا تھا۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بارے میں ذہبی فرماتے ہیں کہ کان ابو موسی عابدً اصواماً قواماً. یعنی حضرت ابوموسی اشعری عابد تھے، بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے تھے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کان کثیر التعبد والذکر یعنی بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور ذکر کرنے والے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے ایک دھاگا میں ایک ہزار گرہ لگا رکھی تھی ایک ہزار تسبیح پڑھ کر ہی آپ سوتے تھے۔ ان کے گھر کا معمول یہ تھا کہ ان لوگوں نے رات کے تین حصے کر لئے تھے۔ ایک حصہ میں حضرت ابوہریرہ عبادت کرتے، ایک حصہ میں ان کی بیوی عبادت کرتی اور ایک حصہ میں ان کا خادم عبادت میں لگا رہتا۔

(۴) مسروق بن اجدع مشہور تابعی اور امام فقہ حدیث ہیں، ان کے بارے لکھا ہے۔ حج مسروق فما نام الا ساجدًا یعنی مسروق نے حج کیا تو ان کا سونا بس اس وقت ہوتا جب وہ سجدہ میں ہوتے۔ مسروق کی بیوی کا بیان ہے۔ انہ کان یصلی حتی یتورم قدماہ. یعنی وہ اتنی طویل نماز پڑھتے کہ ان کا دونوں قدم ورم کر جا تا تھا۔

(۵) اسود بن یزید بھی مشہور امام فقہ و حدیث اور جلیل القدر تابعی ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اسی حج اور اسی عمرے کئے تھے۔ ولم یجمع بینهما یعنی حج الگ تھا، عمرہ الگ تھا، حج کے ساتھ عمرے کا شمار نہیں ہے۔ ان کے بھائی عبدالرحمٰن ابن اسود کے بارے میں لکھا ہے۔ یصلی کل یوم سبع مأة رکعة یعنی وہ روزانہ سات سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اور لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اپنے گھر میں سب سے کم عبادت کرنے والے ہیں۔

(۶) حضرت عروہ بن زبیر مشہور تابعی اور محدث ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے۔ کان عروة یقرأ ربع القران کل یوم فی المصحف و یقوم به فی اللیل. یعنی حضرت عروہ کی زندگی کا معمول یہ تھا کہ وہ دن میں ایک چوتھائی قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے اور پھر اسی کو رات میں نوافل میں پڑھا کرتے تھے۔

(۷) عروہ بن میمون مشہور تابعی ہیں، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وغیرہ سے حدیث سنی تھی، ان کے بارے میں لکھا ہے حج واعتمر ماة مرة انہوں نے سو مرتبہ حج اور عمرہ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب وہ بوڑھے ہو گئے تھے تو دیوار میں ایک کھونٹا گاڑ دیا گیا تھا۔ جب وہ نماز پڑھتے پڑھتے اکتا جاتے تو اس کو پکڑ لیا کرتے تھے (پھر کچھ آرام کرتے اور نماز شروع کرتے۔)۔

(۸) حضرت ابو موسیٰ نہدی بھی جلیل القدر تابعی ہیں کبار صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہما سے حدیث کو سنا تھا، ان کے بارے میں لکھا ہے کان عالماً صواماً قواماً یصلی حتی یغشی علیه یعنی کتاب وسنت کے عالم تھے بہت زیادہ روزہ رکھنے والے تھے اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے، نماز پڑھتے ہوئے ان پر غشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔

(۹) مرۃ الطیب بن شراحیل بھی مشہور تابعی ہیں۔ حضرت ابوبکر حضرت معاذ حضرت ابن مسعود وغیرہم کے شاگرد ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے یقال انه سجد حتی اکل التراب جهته یعنی ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سجدہ کیا (اور اتنا سجدہ کیا کہ) ان کی پیشانی کو مٹی نے کھالیا۔

(۱۰) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ مشہور فقہ وحدیث کے امام ہیں۔ ان کا دستور تھا کہ وہ کان یصوم یوما و یفطر یوما ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز ناغہ کرتے۔

(۱۱) علی بن حسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے ان کے بارے میں حضرت امام مالک فرماتے ہیں انه کان یصلی فی الیوم واللیل الف رکعة الی ان مات یعنی ان کی ساری زندگی کا دستور یہ تھا کہ وہ روزانہ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔

(۱۲) سعید بن جبیر مشہور امام فقیہ اور محدث تھے، بہت سے صحابہ کرام سے احادیث کو سنا تھا۔ ان کے بارے میں لکھا ہے یبکی باللیل حتی عمش یعنی رات میں اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھ کی روشنی متاثر ہوگئی۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قام لیلة فی جوف الکعبة فقراء القران فی رکعة یعنی وہ ایک رات کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ ڈالا، ان کا معمول تھا کہ دو دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

(۱۳) خالد بن معدان جنہوں نے ستر صحابہ سے حدیث کو سنا تھا۔ ان کے بارے میں آتا ہی کہ کان لیسبح فی الیوم سبعین الف مرة وہ چوبیس گھنٹوں میں ستر ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے۔

(۱۴) عطاء ابن رباح کے بارے میں آتا ہے کان المسجد فراشه عشرین

ســنـة کہ بیس سال تک مسجد ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی اور ان کی زبان پر برابر اللہ کا ذکر جاری رہتا کبھی زبان اس سے رکتی نہیں تھی حضرت عطاء نے بھی بہت سے صحابہ کرام سے حدیث کو سنا تھا۔

(۱۵) میمون بن عمران کا ذکر حافظ ذہبی ان الفاظ سے کرتے ہیں الامـام، القـدوة عـالـم اهل الجزيرة ان میمون بن مہران کے بارے میں آتا ہے کہ صلى في سبعة عشر يوما سبعة عشر الف ركعة یعنی انہوں نے سترہ روز میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھی تھیں۔ یعنی روزانہ ایک ہزار رکعت۔

(۱۶) وہب بن منبہ مشہور محدث تابعی ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے۔ لبث وهب عشـريـن سنة لم يجعل بين العشاء والصبح وضوءً یعنی وہب ابن منبہ نے بیس سال کی مدت اس طرح گذاری کہ عشاء اور صبح کے درمیان دوسرا وضو کرنے کی ضرورت ان کو پیش نہ آئی عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز ادا کی میں کہتا ہوں کہ اگر وھب ابن منبہ بیس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھ سکتے ہیں، تو پھر کوئی تیس سال کیوں نہیں پڑھ سکتا اور کیوں کوئی چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

(۱۷) ابو اسحٰق سبیعی مشہور حافظ حدیث ہیں اور تابعی بھی ہیں، متعدد صحابہ کرام سے انہوں نے حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کـان صـوامـاً قوامـاً متبتــلا بہت زیادہ روزہ رکھنے والے نماز پڑھنے والے لوگوں سی کٹ کر اللہ کی طرف مائل رہنے والے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ چالیس برس ہو رہا ہے کہ میں نے پلک نہیں جھپکائی ہے۔

(۱۸) ثابت بنانی جن کو حافظ ذہبی الامام، الحجہ القدوة کے لقب سے یاد کرتے ہیں یہ بھی مشہور تابعی ہیں، ان کے بارے میں محدث شعبہ فرماتے ہیں۔ کـان ثـابـت البـنـانـي

یقرأ القران کل یوم و لیلة ویصوم الدھر یعنی یہ چوبیس گھنٹہ میں قرآن ختم کرتے تھے اور صائم الدھر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) تھے۔

(۱۹) ایوب سختیانی جو حافظ حدیث اور جلیل القدر محدث تھے۔ان کے بارے میں آتا ہے کہ یقوم اللیل کلہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے۔

(۲۰) صفوان بن سلیم فقیہ تابعی تھے،ان کے بارے میں آتا ہے حلف صفوان ان لا یضع جنبہ علی الارض حتی یلقی اللہ مکث علی ھذا ثلاثین عاماً فمات و انہ جالس. یعنی انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنا پہلو زمین سے نہیں لگائیں گے یہانتک کہ ان کی موت آجائے۔ چنانچہ تیس سال تک ان کا یہی حال تھا کہ وہ سوئے نہیں بیٹھنے ہی کی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔لکھاہیکہ انہوں نے اتنی کثرت سے سجدے کئے تھے کہ ان کی پیشانی میں اس کی وجہ سے سوراخ ہو گیا تھا۔

(۲۱) منصور بن معتمر مشہور محدث ہیں بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے حافظ حدیث تھے انکے بارے میں لکھا ہے صام منصور اربعین سنة و قام لیلھا کان یبکی اللیل کلہ یعنی منصور نے چالیس ساک تک مسلسل روزہ رکھا اور چالیس سال کی یہ پوری مدت رات میں نماز پڑھتے گذاری اور وہ پوری رات رویا کرتے تھے۔

(۲۲) منصور بن زاذان کے بارے میں آتا ہے کہ کان یصلی من طلوع الشمس الیٰ ان یصلی العصر . وہ سورج نکلنے سے لے کر عصر تک برابر نماز میں رہا کرتے تھے۔

(۲۳) داؤد بن ابی ہندزبردست محدث ہیں،ان کے بارے میں آتا ہے۔صام داؤد بن ابی ھند اربعین سنتہ لا یعلم بہ اھلہ انہوں نے چالیس سال تک اس طرح روزہ رکھا کہ ان کے گھر والوں کو بھی ان کا پتہ نہیں چل سکا۔گھر والوں سے ناشتہ اور کھانے کا

سامان لے کر چل دیتے راستہ میں اس کو صدقہ کر دیتے اور پھر شام کو گھر آ کر افطار کرتے۔

(۲۴) عاصم بن سلیمان بھی زبردست محدث اور حافظ حدیث تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر صبح تک نفل نماز میں مشغول رہتے۔

(۲۵) سلیمان تیمی مشہور محدث ہیں حافظ ذہبی ان کو الحافظ الامام شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ چالیس سال تک ان کا حال یہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن روزہ کا ناغہ کرتے اور عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ انہیں کے بارے میں آتا ہے کہ ہر سجدہ میں ستر مرتبہ سبحان اللہ کہتے مزید لکھا ہے کہ ان کی پوری زندگی اس طرح گزاری کہ انہوں نے صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی ہے۔

(۲۶) حضرت امام اعمش مشہور محدث ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ستر سال تک ان کی تکبیر اولیٰ نہیں چھوٹی۔

(۲۷) ہشام بن حسان حافظ حدیث تھے، بڑے بڑے فقہا اور محدثین ان کے شاگرد تھے، ان کے بارے میں آتا ہے۔ **كان يديم الصوم سوى يوم الجمعة** جمعہ کے دن کے سوا ہر دن روزہ رکھتے تھے اور ان کا یہ عمل دائمی تھا۔

(۲۸) مسعر بن کدام مشہور حافظ حدیث اور امام المسلمین تھے۔ ان کے بارے میں ان کے لڑکے محمد فرماتے ہیں۔ **كان ابى لاينام الىٰ ان يقرآ نصف القرآن** یعنی میرے والد جب تک آدھا قرآن نہ پڑھ لیتے سوتے نہیں تھے۔

(۲۹) ابن ابی ذئب مشہور محدث اور شیخ وقت تھے، ان کا معمول یہ تھا کہ پوری رات نماز میں گذارتے پہلے ایک روز ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے پھر روزانہ رکھنے کا معمول ہو گیا تھا۔

(۳۰) مسلم بن خالد امام فقیہ اور شیخ حرم تھے۔ان کے بارے میں ارزقی کہتے ہیں کہ کان فقیھا عابد ایصوم الدھر کہ وہ فقیہ عابد تھے،اور ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے۔

(۳۱) ابوبکر بن عیاش جن کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں الامام القدوة شیخ السلام ان کے بارے میں یزید بن ہارون کہتے ہیں لم یضع جنبه الی الارض اربعین سنة یعنی انہوں نے چالیس تک اپنا پہلوز مین سے نہیں لگایا،یعنی اتنی مدت وہ سوئے نہیں ،جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کی بہن رونے لگی تو انہوں نے ان سے کہامایبکیک کیوں رو رہی ہو۔انظری الی تلک الزاویة قد ختمت فیھا ثمانی عشر الف ختمة. گھر کا وہ گوشہ دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے۔

(۳۲) یحیٰ بن سعید القطان سید الحفاظ کے لقب کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں زبردست محدث اور فقیہ تھے۔ان کے بارے میں ابن معین فرماتے ہیں اقام یحیٰ القطان عشرین سنته یختم کل لیلة یعنی یحیٰ بن سید قطان بیس سال تک مسلسل ہر رات ایک ختم قرآن کرتے تھے۔

(۳۳) غندر ابوعبداللہ بڑے محدث ہیں جن سے بڑے بڑے محدثین نے حدیث روایت کی ہے،ان کے بارے میں یحیٰ بن معین فرماتے ہیں کہ پچاس سال سے وہ ایک دن کا ناغہ کر کے روزہ کھتے تھے۔

(۳۴) امام وکیع کا علم حدیث و رجال میں جو پایہ ہے اس کا علم اہل علم کو ہے،ان کی روایت سے کتب حدیث بھی ہیں ۔ان کے بارے میں یحی بن اکثم فرماتے ہیں۔ صحبت وکیعانی السفر والحضر فکان یصوم الدھر و یختم القرآن کل لیلة یعنی میں وکیع کے ساتھ سفر وحضر میں رہا وہ صائم الدھر تھے اور ہر رات ایک قرآن ختم

کرتے تھے۔اور یحیٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں ما رآیت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم ویفتی بقول ابی حنفیة یعنی میں نے امام وکیع سے افضل کسی کونہیں دیکھا۔وہ پوری رات نماز پڑھتے تھے۔ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور حضرت امام ابوحنفیہ کے قول کے قول پر فتویٰ دیتے تھے،امام وکیع کے مقام ومرتبہ کا پتہ ابن عمار کے اس بیان سے چلتا ہے۔فرماتے ہیں۔ما کان بالکوفته فی زمان وکیع افقه و اعلم بالحدیث منه یعنی کوفہ میں امام وکیع کے زمانہ میں امام وکیع سے زیادہ فقہ کا ماہر اور حدیث کا جانکار نہیں تھا۔اس زمانہ میں یعنی دوسری صدی میں امام وکیع جیسا محدث اور فقیہ امام ابو حنفیہ کے مذہب کے مطابق فتوی دیا کرتا تھا۔

(۳۵) بشر بن المفضل کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔الامام الثقته الحافظ العابد یہ روزانہ چار سو رکعت نفل پڑھتے تھے اور ایک دن کا ناغہ کر کے روزہ رکھتے تھے۔

(۳۶) ابواحمد زبیری جلیل القدر محدث تھے،حافظ ذہبی ان کوالحافظ الی فقط الثبت کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ان کے بارے میں آتا ہے کان یصوم الدھر وہ صائم الدھر تھے۔

(۳۷) امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا علم وفضل میں جو مقام ہے سب کو معلوم ہے،حافظ ذہبی لکھتے ہیں ضحیتم فی رمضان ستین مرۃ وہ رمضان میں ساٹھ ختم کرتے تھے۔

(۳۸) علی بن جعد جلیل القدر محدث تھے۔ان کا حال یہ تھا کہ ساٹھ سال تک ایک دن ناغہ کا کر کے روزہ رکھتے تھے۔

(۳۹) ابو قلابہ محدث البصرہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں،مشہور محدث اور بڑے زاہد تھے۔ان کے بارے میں لکھا ہے کان یصلی فی الیوم واللیلة اربع مأة رکعة یعنی یہ رات دن میں چار سو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۴۰) اب اخیر میں امام بخاری کی بھی عبادت وریاضت کو جان لیجئے، امام بخاری امام الحفاظ تھے اوراپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے۔ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: کان راساً فی العلم و راساً فی العبادة علم میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے اور عبادت میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری رمضان میں تراویح کے بعد نصف قرآن سے ایک تہائی قرآن کی تلاوت کرتے تھےاور ہر تیسری رات میں قرآن ختم کرتے تھے،اور دن میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔امام بخاری اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ چالیس سال میں نے سالن کے ساتھ کھانا نہیں کھایا۔امام بخاری جو کی خشک روٹی کھا کر زندگی گزارتے تھے۔لکھا ہے جب وہ حدیث لکھتے تو ہر حدیث پر دو رکعت نماز پڑھتے۔اور غسل کرتے۔

امام ابوحنیفہ پر غیر مقلدین حضرات کا اعتراض ہے کہ ان کا عشاء کے وضو سے چالیس سال تک صبح کی نماز ادا کرنا خلاف سنت عمل تھا، چالیس کے عدد کی مناسبت سے میں نے اسلام کی چالیس برگزیدہ ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین عظام بھی۔محدثین بھی ہیں اور فقہاء بھی، ان کی عبادتوں کا ذکر ہم نے بہت مختصر کیا ہے۔اگر تفصیل میں جاتا تو پوری ایک کتاب بن جاتی۔

اب سوال یہ ہے کہ صرف امام ابوحنیفہ ہی کی عبادت کیوں بدعت قرار پائے گی۔ دوسروں کی عبادت پر یہ اعتراض کیوں نہیں ہوگا، غیر مقلدین براہ کرم اپنی تحقیق اور علم کی روشنی میں اگران میں ہمت وجرأت ہے تو اسلام کی ان تمام مذکورہ شخصیتوں کی عبادت کو بھی خلاف سنت اور بدعت قرار دیں۔مگر میں جانتا ہوں کہ ان میں یہ جرأت نہ ہوگی۔کم ازکم امام بخاری کے بارے میں وہ یہ جرأت نہ کرسکیں گے۔اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ پر ان کی نگاہ کرم ان سے ایک خاص تعلق کی بنا پر ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ پر طعن وتشنیع

کرنا غیر مقلدیت کی معراج کمال ہے اور غیر مقلدین اپنے اس کمال پر بڑے نازاں و فرحاں نظر آتے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی زبان اور اپنی قلم کا صحیح استعمال کریں اور اکابر و اسلاف کے بارے میں زبان درازی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

امید ہے کہ میری اس مختصر سی تحریر سے آپ کے سامنے غیر مقلدین کے اعتراض کی حقیقت آشکارا ہو گئی ہوگی۔ فقط

محمد ابوبکر غازی پوری

ھدایہ کے مسائل اور ان کا جواب

محترم مولانا محمد ابوبکر صاحب غازیپوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى

گذارش خدمت میں یہ ہے کہ ریاض سعودی عرب سے ایک پمفلٹ مولانا انظر صاحب قاسمی بنگلور کے نام آیا ہے، اس پمفلٹ کو اور اس جیسے دوسرے پمفلٹ کو غیر مقلدین ریاض اور سعودی عرب کے دوسرے شہروں میں شائع کر کے عوام میں فتنہ پھیلاتے ہیں اور فقہ حنفی کے خلاف جذبات بھڑکاتے ہیں، مولانا انظر صاحب نے گذارش کی ہے کہ میں اس پمفلٹ کو آپ کے پاس بھیج دو آپ ان مسائل کے بارے میں روشنی ڈالیں تاکہ آپکا جواب ریاض بھیج دیا جائے نیز زمزم میں بھی شائع کردیں تاکہ عام لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ والسلام

سید محمود قادری بیجاپور

زمزم!

زمزم رسالہ میں اس کا اعلان کیا جاچکا ہے کہ بلا نام یا فرضی نام سے کسی شائع کردہ تحریر کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، آپ نے جو پمفلٹ بھیجا ہے اس کا حال بھی یہی ہے کہ تحریر شائع کرنے والے کو یہ ہمت نہ ہوسکی کہ اپنا نام اور پورا پتہ ذکر کرتا، ایسی بے وزن اور غیر سنجیدہ تحریر کا کیا جواب دیا جائے۔

(۲) اعتراض اگر برائے اعتراض ہوتو اس کا سلسلہ ختم نہیں ہوسکتا، آپ جواب دیتے رہیں گے اور معترضین اعتراضات کرتے رہیں گے، پھر جواب دینے کا فائدہ کیا۔

(۳) سوال اگر سنجیدہ ہو اور سوال کرنے کا مقصود بھی مسئلہ کو سمجھنا ہوتو اس کا جواب دیا جا سکتا ہے لیکن اگر سوالات سے مقصود محض فتنہ انگیزی ہو اور اس کا محرک خباثت نفس ہوتو اس کا جواب دینا محض وقت کا برباد کرنا ہے۔

(۴) مسائل کے ساتھ اگر دلائل بھی مذکور ہوں تو مسائل پر اعتراض کرنا جہالت ہے، اہل علم دلائل کو دیکھتے ہیں، اگر کسی کو اعتراض ہی کرنا ہے تو وہ دلائل پر اعتراض کرے اور ان کی کمزوری کو واضح کرے، آج کل غیر مقلدین کا حال یہی ہے کہ چونکہ ان کا مقصد محض فتنہ انگیزی و شر انگیزی ہوتا ہے، اس وجہ سے وہ مسائل کے دلائل پر اعتراض نہیں کرتے صرف مسائل ذکر کر دیتے ہیں تاکہ عوام ان مسائل کی ظاہری شکل سے پریشان ہوں، آپ کے پمفلٹ کا حال بھی یہی ہے کہ عوام کو ورغلانے اور فقہ سے نفرت دلانے کیلئے ہدایہ سے چند مسائل ذکر کر دیئے، اور ان کی شکل گھناؤنی بنا کر دکھلائی ان مسائل کے دلائل پر اعتراض کرنے کی معترض کو ہمت نہ ہوسکی۔

(۵) اگر مسائل کے ساتھ دلائل بھی مذکور ہوں تو صرف مسائل کو ذکر کرنا اور ان کے دلائل کو ذکر نہ کرنا خباثت نفس ہے، اور صریح خباثت ہے، موجودہ وقت کے غیر مقلدین افسوس اس قسم کی خباثتوں کا ارتکاب کر کے اپنی خباثت نفس کو ظاہر کر۔ تے ہیں، اس پمفلٹ کا حال بھی یہی ہے کہ ہدایہ سے صرف مسئلوں کو ذکر کر دیا صاحب ہدایہ نے جو عقلی و نقلی دلائل ذکر کئے ہیں ان کا کسی مسئلہ کے ضمن میں اشارہ تک نہیں ہے۔

(۶) اگر کسی کا مقصود محض فتنہ انگیزی نہ ہو اور وہ دین و دیانت سے بالکل محروم نہ ہو تو وہ کتاب کا پورا مسئلہ ذکر کرے گا، مسئلہ میں کاٹ چھانٹ نہیں کرے گا، آپ کے پمفلٹ

والے کا حال یہ ہیکہ ہدایہ سے مسائل تو ذکر کرتا ہے مگر دیانت سے کام نہیں لیتا، خیانت کرتا ہے، اور پورا مسئلہ نقل نہیں کرتا، خیانت کے اس ارتکاب کی وجہ سے مسئلہ کی صحیح شکل سامنے نہیں آتی۔

(۷) ان مسائل پر اعتراض کرنا جو خود غیر مقلدوں کی کتابوں میں مذکور ہیں حد درجہ کی جہالت ہے، پہلے غیر مقلدوں کو اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے، اور اپنی کتابوں کو ان مسائل سے پاک وصاف کر لینا چاہئے جو فقہ اہلحدیث میں تالیف کی گئی ہیں۔

غیر مقلدوں کی جہالت وسفاہت کا عجیب حال ہے کہ جو مسئلے خود ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کو وہ فقہ اہلحدیث کہتے ہیں وہی مسائل اگر فقہائے احناف کی کتابوں میں بھی مذکور ہوں تو ان پر بھی وہ اعتراض کرتے ہیں، احناف دشمنی میں ان کو اس کا بھی خیال نہیں رہتا کہ اس طرح وہ خود اپنے فقہ اہلحدیث کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور اپنی کتابوں سے جاہل ہونیکا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

(۸) مسائل شرعیہ کا مذاق اڑانا اتنا بڑا دینی جرم ہے کہ اس سے ایمان جانے کا خطرہ ہے، غیر مقلدین چونکہ ایمان سے محروم ہیں اور ان کی مسلمانی محض نام کی ہے، اس وجہ سے وہ دینی وشرعی مسائل کا مذاق اڑاتے ہیں اور وہ اس بارے میں بہت بے باک ہو چکے ہیں۔

قرآن میں ہے نساء کم حرث لکم فاتو احرثکم انی شئتم اگر کوئی بد بخت اس آیت کا مذاق بنائے تو اس کا ایمان محفوظ نہیں رہے گا۔

حدیث میں ہے۔ آنحضور ﷺ حالت صوم میں ازواج کا بوسہ لیتے تھے، اگر کوئی اس کا مذاق بنائے اور آنحضور ﷺ کے اس فعل پر اعتراض کرے تو اس کا ایمان جاتا رہے گا۔

بیوی اگر حالت حیض میں ہو تو مباشرت فاحشہ کے علاوہ اس کے بدن کے ہر حصہ سے تلذذ حاصل کیا جا سکتا ہے، اس کا بیان احادیث میں ہے، اگر کوئی بدبخت عورت کے بدن کے ایک ایک حصہ کا نام لے کر نبوی تعلیمات وہدایات کو مذاق بنائے تو اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

غرض ایسے مسائل جن کا ذکر کتاب وسنت میں ہے اور انہی کی روشنی میں ان جیسے دوسرے مسائل کو بھی فقہاء نے اپنی کتابوں میں ذکر کر کے ان کا حکم کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیا ہے، ان کا مذاق وہی شخص اڑائے گا جو ایمان کی دولت سے محروم ہے غیر مقلدین کا مسائل فقہیہ وشرعیہ کے ساتھ تمسخر اور مذاق اڑانے کا موجودہ انداز بتلا رہا ہے کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو چکے ہیں۔

(۹) فقہ میں ان تمام مسائل سے گفتگو کی جاتی ہے جو انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں، اور ان کا شرعی حکم بتلایا جاتا ہے، ان میں ایسے مسائل بھی ہوتے ہیں جن کا عام حالات میں زبان پر لانا اچھا نہیں سمجھا جاتا مگر شرعی ضرورت کے تحت ان مسائل کا بھی ذکر فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے، اور فقہ اسلامی کی یہ عین خوبی ہے کہ وہ زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کو محیط ہوتا ہے اب جن کا نفس خبیث ہوتا ہے اور جن کی سرشت زبوں ہوتی ہے وہ اپنی خباثت نفس کا اظہار کرنے کے لئے فقہ کی کتابوں سے ان مسائل کو چن چن کر جمع کر کے شائع کرتے ہیں جن کا ذکر کرنا عام حالات میں مناسب نہیں ہوتا ہے اور جاہل لوگ اس طرح مسلمانوں میں فقہ کی دشمنی میں خود اسلام دشمنی اور شریعت دشمنی کا اظہار کرتے ہیں، یہ کہنا تو درست ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے مگر یہ کہنا کہ کیا وہ بندر کا بھی خالق ہے سور کا بھی خالق ہے، مکھی مچھر کا بھی خالق ہے اور اس کو مذاق بنا لینا قطعاً حرام ہے، ضرورتاً تو اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے مگر مذاق کے طور پر اس طرح کی باتیں کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا۔

(۱۰)　پمفلٹ میں جن مسائل کو بہت مکروہ سمجھ کر ہدایہ سے نقل کیا گیا ہے وہ اور اس طرح کے مسائل زمانہ نبوت وزمانہ خیرالقرون میں واقع اور پیش آ چکے ہیں اور ان کا ذکر خود حدیث کی کتابوں میں ہے، صحابہ کرام میں سے بعض حضرات سے زنا کا صدور ہوا، آنحضور اکرم ﷺ نے خود ان کا فیصلہ فرمایا، بعض عورتوں سے بھی زنا کا صدور ہوا، ان کا بھی فیصلہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بعض، ہجڑے تھے ان کا ذکر اور ان کا حکم بھی احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا بھی واقعہ پیش آیا کہ چوپایہ کے ساتھ کسی آدمی نے اپنی خواہش پوری کی آپ نے ایسے شخص کو حکم بیان فرمایا آنحضور کو اس کی اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اپنی بیویوں سے پاخانہ کے راستہ میں خواہش پوری کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو یہ کام کرے غرض اس کا بھی آپ نے حکم بیان فرمایا ہے خود حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپ نے حالت حیض میں بیویوں سے مقام خاص کے علاوہ جگہوں پر مباشرت کرنیکی اجازت دی ہے، حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ لوگ وہ فعل کرتے ہیں جو عورتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے باقاعدہ صحابہ کرام کی جماعت کو بلایا اور مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو جلا کر مار ڈالا جائے۔

غرض اس طرح کے مسائل انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں، یہ نئے مسائل نہیں ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں ان کا ذکر بطور تفریح کر دیا گیا ہے، جب سے انسان پیدا ہوا ان جیسے مسائل سے اس کو سابقہ پیش آتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ان تمام مسائل کے کتاب وسنت ہی کی روشنی میں شرعی حکم بیان کیا گیا ہے، اب اگر کوئی ان کا استہزا کرتا ہے تو وہ فی الاصل شریعت اسلامیہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور فقہ اسلامی کی جامعیت پر

طعنہ زن ہے۔ یہ علم کی بات نہیں ہے بے علمی اور جہالت کی بات ہے۔

آپ نے جو پمفلٹ بھیجا ہے اس کا ہرگز جواب نہیں دیتا، اس وجہ سے کہ وہ بلا نام یا فرضی نام سے ہے دوسرے یہ کہ اس میں شریعت اسلامیہ کا بھرپور مذاق اڑایا گیا ہے، تیسرے یہ کہ پمفلٹ والے نے خیانت سے کام لے کر کئی مسئلوں میں پورا مسئلہ نہیں ذکر کیا ہے چوتھے یہ ہے کہ اس نے مسائل پر اعتراض کئے ہیں دلائل کی روشنی پر نہیں، پانچویں یہ کہ سارے مسائل کچھ مزید زیادتی کے ساتھ خود غیر مقلدین علماء کی کتابوں میں موجود ہیں تو پھر فقہ حنفیہ پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے، یہ مسائل اگر ان کی کتابوں میں ہوں تو فقہ اہلحدیث کے مسائل کہلائیں اور قابل تعریف پائیں اور اگر ان کا ذکر حنفی کتابوں میں ہو تو وہ قابل اعتراض واستہزا ہوں کیا یہ عقلمندوں کی بات ہے؟

مگر میں جواب اس کا اس لئے دے رہا ہوں کہ جواب نہ دینے کی شکل میں مخلصین میں سے کئی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی جس کی بازگشت سعودیہ میں بھی سنائی دے گی یہ پمفلٹ سعودیہ سے آیا ہے اس وجہ سے ہمیں اپنے ریاض اور سعودیہ میں رہنے والے ہندوستانی و پاکستانی مخلصین کے جذبات کی بھی رعایت کرنی ہے۔

(۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حالت روزہ میں مشت زنی کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس مسئلہ کو کتابچہ والے نے صاحب ہدایہ کی یہ عبارت نقل کر کے کالمستمنی بالکف علی ما قالوا اس طرح ذکر کیا ہے۔ یعنی مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا حنفی فقہاء نے یہی کہا ہے گو روزہ کی حالت میں یہ کام کیا ہو۔

اس مسئلہ میں معترض نے جہالت و خیانت کے کئی گل کھلائے ہیں، پہلے تو اس نے علی ما قالوا کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ صاحب ہدایہ کی یہ عبارت بتلا رہی ہے کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مسئلہ اس طرح نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک حالت روزہ میں یہ

کام روزہ کو باطل کرنے والا ہے۔ صاحب ہدایہ نے بعض دوسرے فقہاء کی یہ بات نقل کی ہے، خود اپنا اور حنفی مذہب کا مختار اور مفتی بہ مسئلہ نہیں بیان کیا ہے۔ ہدایہ کے حاشیہ میں خود اس پر حاشیہ لگا کر کے مسئلہ صاف کر دیا ہے، حاشیہ میں علی ماقالوا پر حاشیہ لگا کر لکھا ہے۔

عادته في مثله افادة الضعف مع الخلاف و عامة المشائخ على ان الاستمناء مفطر و قال المصنف في التجنيس انه المختار.

یعنی صاحب ہدایہ جہاں اس طرح کی عبارت لکھتے ہیں تو ان کا مقصد یہ بتلانا ہوتا ہے کہ یہ ضعیف قول ہے اور عام مشائخ احناف کا مسلک یہ ہے کہ منی نکالنا روزہ کو باطل کر دیتا ہے، تجنیس میں اسی قول کو مختار بتلایا ہے۔

آپ بتلائیں کہ اس مسئلہ میں فقہ حنفی اور علماء احناف کی اس وضاحت کے بعد بھی اس میں کسی اعتراض کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ اندازہ لگائیے کہ غیر مقلدین کس طرح فتنہ جگا رہے ہیں اور فقہ حنفی اور فقہاء احناف کی دشمنی میں دیانت سے کتنے دور ہو چکے ہیں، علم و دیانت سے تہی دامنی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

اور پھر غیر مقلدین کو کس طرح جرأت ہوتی ہے کہ وہ صاحب ہدایہ کے اس مسئلہ سے کر اعتراض کریں، اور فقہ حنفی اور فقہائے احناف کا مذاق اڑائیں، کیا ان کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ فقہ اہلحدیث کا کیا مذہب ہے۔

عرف الجادی میں نواب صاحب فرماتے ہیں

وبالجمله استنزال منی بکف یا بچیزے از جمادات
نزد دعائے حاجت مباح است بلکه گاهی

واجب گردد　　　　در مثل ایں کار حرجے نیست
بلکه همچو استخراج دیگر فضلات موذیه بدن است
(ص ۲۰۷)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ ہاتھ سے یا کسی اور جمادادتی چیز کی منی
نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ کبھی یہ عمل واجب ہو جاتا ہے
اس طرح کا کام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ منی نکالنا اسی طرح کا
عمل ہے جیسے بدن کے دوسرے تکلیف دہ فضلات کا خارج کرنا۔
منی نکالنے کے بارے میں جس کے گھر کا یہ مسئلہ ہو وہ بیچارہ فقہ حنفی پر اعتراض
کرے۔

(۲)　کتابچہ کا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہدایہ میں ہے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرنے سے روزہ کا کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے۔ پمفلٹ والے صاحب لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا یہی فتویٰ ہے:

پمفلٹ والے اس غیر مقلد نے اس مسئلہ میں بھی اپنی جہالت کا پورا ثبوت دیا ہے عن ابی حنیفہ کا وہ ترجمہ کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ یہی ہے۔ اس جہالت کا کوئی ٹھکانہ ہے، جو لوگ فقہ کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے ہیں، وہ تو اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ بھی ہے نہ کہ امام ابوحنیفہ کا یہی فتویٰ ہے اس علم کے بل بوتے پر فقہ حنفی پر اعتراض کا شوق ہو گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پمفلٹ والے نے زبردست خیانت سے کام لیا ہے اور جو اصل مسئلہ ہے اس کو ذکر نہیں کیا جب کہ پورا مسئلہ اسی ہدایہ کی اسی سطر میں مذکور ہے اور اس میں صاف صاف لکھا ہے۔ والاصح انها تجب یعنی صحیح تر بات یہ ہے کہ کفارہ واجب

ہوگا، اس اندھے کو یہ نظر نہیں آیا کہ جو امام ابوحنیفہ کی صحیح تر روایت اور فقہ حنفی کا اصل مسئلہ ہے، اور عن ابی حنیفة انه لایجب الکفارة نظر آ گیا۔

جب یہ غیر مقلدین اس طرح کی خیانتوں پر اتر آئیں تو ان کا جواب آپ کہاں کہاں دیتے پھریں گے۔

عینی میں صاف صاف لکھا ہے کہ مغنی میں جو امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں مشہور روایت کہہ کر ذکر کیا گیا ہے صحیح نہیں امام ابوحنیفہ کی صحیح ترین روایت وہی ہے کہ اس صورت میں کفارہ واجب ہوگا (ج ۳ ص ۲۷۰)

اب ذرہ غیر مقلدین اپنے گھر کا بھی مسئلہ سن لیں، فقہ اہلحدیث والی کتاب نزل الابرار میں لکھا ہے:

وان جامع المسافر عمدا فی سفره و هو صائم اوجامع فی غیر الفرج و انزل لذمه القضهاء فقط. (فصل فی الکفارة ص ۲۳۱)

یعنی اگر مسافر جو روزہ سے ہو اور جان بوجھ کر بھی جماع کرے تو اس پر صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، اسی طرح جو آدمی عورت کی شرمگاہ کے علاوہ میں جماع کرے (خواہ وہ بدن کا کوئی حصہ ہو) تو اس پر بھی صرف قضا لازم آئے گی کفارہ نہیں ہے۔

جن کے گھر کا یہ مسئلہ ہو وہ فقہ حنفی پر اعتراض کریں یہ خباثت نفس اور شرارت نفس اور فتنہ انگیزی نہیں تو اور کیا ہے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ذکر کیا ہی کہ مردہ عورت سے یا چوپائے سے بدفعلی کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، انزال ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی۔

اس بیچارے کو اس مسئلہ میں اپنے گھر کی بھی خبر نہیں کہ فقہ اہلحدیث میں کیا لکھا ہے نزل الابرار میں لکھا ہے

وكذالك لا كفارة على من جامع بهيمة او ميتته اوصبيا اور صغيرة. (ص ۱۳۳)

یعنی اس پر روزہ کا کفارہ نہیں ہے جو کسی چوپایہ سے جماع کرے یا کسی مردہ عورت سے جماع کرے، یا بچے سے جماع کرے یا چھوٹی لڑکی سے جماع کرے۔

ہدایہ میں جو مسئلہ ذکر کیا ہے اس کے ساتھ صاحب ہدایہ نے دلیل بھی ذکر کی ہے اور فقہ اہلحدیث میں بلا دلیل ہی مسئلہ مذکور ہے، اس کے باوجود فقہ حنفی پر اعتراض اور اپنی فقہ اہلحدیث پر پھولوں کی بارش۔

فقہائے احناف کے یہاں کفارہ واجب اس شکل میں ہوتا ہے کہ جب جنایت اپنے حقیقی معنی اور حقیقی صورت کے ساتھ پائی جائے، غیر مقلد معترض بتلائے کہ صورت مذکورہ میں جنابت کا حقیقی معنی اور حقیقی صورت کا وجود ہے یا پھر وہ حدیث پیش کرے یا قرآن کی آیت جس سے ہدایہ کا یہ مسئلہ غلط ثابت ہو۔

(۴) ایک مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ ہدایہ میں ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ میں اگر کسی نے جماع کیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

یہ مسئلہ بھی غیر مقلدین کے گھر ہی کا ہے۔ نزل الابرار فقہ اہلحدیث میں لکھا ہے۔

اوجامع فی غیر الفرج و انزل لزمه القضاء فقط ص ۲۳۱

یعنی کسی نے شرمگاہ کے علاوہ میں جماع کیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں اگر چہ

انزال ہو جائے۔
غیر مقلد معترض قرآن کی آیت یا حدیث پیش کرے جس سے یہ مسئلہ غلط ثابت ہو۔

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ جماع کا معنی جب معنی وصورۃ کامل طور پر متحقق ہو گا تب ہی کفارہ واجب ہوگا، غیر مقلد معترض بتلائے کہ صورت مذکورہ میں جماع کا معنی صورۃ ومعنی کامل طور پر متحقق ہے، غیر مقلد معترض کے لئے بہتر یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کو غلط ثابت کرے۔ ان بیچاروں کو اس کا بھی پتہ نہیں ہے کہ جس طرح شبہات سے حددود مرتفع ہو جاتے ہیں اسی طرح شبہات سے کفارہ بھی، مندفع ہو جاتا ہے، کفارہ اس وقت واجب ہوگا جب جنایت کے صورۃ ومعنی واقع ہونے میں ادنی شبہ نہ ہو، اگر ادنی شبہ بھی پایا جائے گا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۵) ایک مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ محرمات سے نکاح اگر کوئی کرے اور اس سے وطی بھی کرے تو اس پر حد زنا لاگو نہیں ہوگی۔ ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

پمفلٹ والے نے یہاں بھی سخت خیانت سے کام لیا ہے، اس نے یہ نہیں بتلایا ہے کہ احناف کے یہاں یہ فعل سخت گناہ اور حرام اور بہت بڑا جرم ہے، خود صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ میں اسی سطر میں یہ بھی لکھا ہے۔ لکنہ یوجب عقوبۃ یعنی اس کو اس جرم میں سخت ترین سزا دی جائے گی۔

زنا پر شرعی حد اسی وقت واجب ہوگی جب زنا کا شرعی واصطلاحی معنی پایا جائے گا، زنا کے وجود میں ذرا بھی شبہ ہوا تو پھر خواہ وہ فعل حرام ہو اور شرعی جرم قرار پائے مگر اس پر حد زنا نہیں لاگو کی جائے گی، اللہ کے رسول کا ارشاد ہے کہ شبہات کی وجہ سے حدود کو رفع کرو، ہاں اس کو امام وقت سخت ترین سزا دے گا حتی کہ وہ اس کو اس جرم میں قتل بھی کر سکتا ہے۔

احناف نے حد والی سزا ایسے شخص پر اس لئے نافذ نہیں کی کہ حدیث کا حکم یہی ہے کہ حدود کو شبہات پیدا ہونے کی وجہ سے رفع کرو، خواہ زنا کے ثبوت میں شبہ ہو خواہ زنا کے معنی پائے جانے میں شبہ ہو۔ بہر حال شبہات کی وجہ سے حدودی سزا نہیں لاگو کی جائے گی۔ زنا اس فعل کو کہتے ہیں جو بلا کسی عقد کسی عورت سے مباشرۃ فاحشہ کی شکل میں ظہور پذیر ہو، صورت مذکورہ میں محرمہ عورت سے نکاح ہوا ہے، اگر چہ یہ فعل حرام ہے مگر زنا کے معنی میں شبہ پیدا ہو گیا ہے اس وجہ سے حد والی سزا ایسے شخص پر نافذ نہیں کی جائے گی ہاں چونکہ یہ فعل حرام ہے اور بہت برا جرم ہے تو اس لئے امام وقت ایسے شخص کو بخشے گا بھی نہیں بلکہ اس کو سخت سے سخت سزا دے گا، حتی کہ اسے قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ آنحضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے افعال سے ماخوذ ہے، یہ احناف کے گھر کا گھڑا ہوا مسئلہ نہیں ہے۔

حضرت براء بن عاذب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ میرے ماموں کہیں جا رہے ہیں، میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیا ہے، آنحضو ﷺ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس کو قتل کر آؤں اور اس کا مال لے لوں۔

اگر محرمات سے نکاح کرنا زنا ہوتا یعنی زنا شرعی تو آنحضو ﷺ اس پر زنا کی جو شرعی حد ہے وہ جاری کرتے، مگر جب آپ ﷺ نے ایسے شخص پر زنا کی حد جاری نہیں کی تو معلوم ہوا کہ زنا شرعی بھی نہیں ہے، اگر چہ بہت بڑا گناہ ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ **عن ابن عباس من اتی ذات محرم فاقتلوه** یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جو شخص محرم عورت سے (نکاح کرے اور اس سے) جماع کرے تو اس کو قتل کر دو (ص ۳۶۵ ج ۷) ابن ماجہ میں یہ روایت

حضرت ابن عباس سے مرفوعاً منقول ہے، اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔

غرض احناف کا یہ مسئلہ کتاب وسنت کی روشنی میں ہے، اور اس پر غیر مقلدوں کا اعتراض بلاوجہ محض جہالت ہے۔

ہر باطل نکاح کو زنا شرعی نہیں کہا جاتا اور نہ ہر باطل نکاح پر حد واجب ہوتی ہے،

اللہ کے رسول کا ارشاد ہے، جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، یہ بالکل صحیح حدیث ہے ایسے نکاح کو آپ نے تین دفعہ باطل کہکر اس کے بالکل باطل ہونے پر مہر لگا دی، مگر کسی کا یہ مذہب نہیں ہے کہ اگر کوئی عورت اس طرح کا نکاح کرے تو اس پر حد زنا لاگو کی جائے گی۔ حد زنا وہی واجب ہوگی جہاں زنا کا کامل معنی پایا جائے گا اور اس کے زنا ہونے میں کسی طرح کا کوئی شبہ نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت کا یہی کمال ہے کہ ان کے سامنے شرعی مسئلہ کے تمام پہلو ہوتے ہیں اور اس بارے میں کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور صحابہ کرام کے فیصلے یہ سب چیزیں ان کے سامنے ہوتی ہیں پھر وہ ایک فیصلہ فرماتے ہیں، اب جن کے علم وخرد کی رسائی وہاں تک نہیں ہو پاتی انہیں تو اعتراض سوجھتا ہے مگر ماہرین کتاب وسنت اور ائمہ شریعت امام ابو حنفیہ کے مدارک اجتہاد کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے ہیں، خواہ مسائل میں ان سے اتفاق ہو یا اختلاف، ہمیں پھر یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ غیر مقلدین خود اپنی کتابوں سے ناواقف اور جاہل ہیں، ان کی فقہ اہلحدیث والی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنے محرم سے نکاح کرے اور اس سے وطی کرے اس کی سزا یہ بھی ہے کہ اس کو امام تعزیر کرے گا اور اسے تعزیزاً قتل کر دے گا۔ (نزل الابرار ص ۲۹۸، کنز الحقائق ص ۱۰۲)

اگر یہ فعل زنا حقیقی وشرعی ہوتا تو پھر اس پر صرف حد جاری کی جاتی، حد کی متعین

شکل ہے یا کوڑے مارنا یا رجم کرنا قتل کی سزا دینا حد شرعی نہیں ہے، معلوم ہوا کہ غیر مقلد علما، بھی محرم کے ساتھ نکاح کو زنا شرعی نہیں سمجھتے ورنہ ایسے مجرم کی سزا ان کے یہاں صرف حد ہوتی قتل کرنا نہیں۔

چونکہ اس مسئلہ کو غیر مقلدین بہت اچھالتے ہیں اس وجہ سے میں نے ذرا تفصیل سے کلام کیا تا کہ غیر مقلدوں کی جہالت واضح ہو جائے۔

ناظرین یاد رکھیں چونکہ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے اس وجہ سے احناف کی کتابوں میں حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے یہ بھی مذکور ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی ایسے شخص کو زنا کا مرتکب قرار دیا جائے گا اور اس پر حد زنا ہی لگائی جائے گی۔ عینی میں صاف لکھا ہے۔ لکن فی الخلاصة قال الفتویٰ علی قولهما ۔ (۲۴۹ ج ۵) یعنی خلاصہ میں مذکور ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

پمفلٹ والے نے فقہ حنفی سے عوام کو برگشتہ کرنے کے لئے پمفلٹ تو لکھ مارا مگر اسے اس کا پتہ ہی نہیں چل سکا کہ احناف کے یہاں مفتی بہ قول کون ہے، مفتی بہ قول کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ قول کو ذکر کرنا جاہلانہ حرکت ہے۔

(۶) ایک مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ ہدایہ میں ہے کہ جو شخص کسی عورت سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے یا قوم لوط والا عمل کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

اس مسئلہ کے نقل کرنے میں بھی سخت خیانت کی ہے اس لئے کہ فلا حد علیه عند ابی حنفیه کے بعد بھی ہدایہ ہے کہ ویعزر یعنی اس کو سزا دی جائے گی یہ لفظ بالکل اسی سطر میں اور اسی جگہ ہے مگر پمفلٹ والے غیر مقلد صاحب نے یہ لفظ چھوڑ کر کے اپنا ایمان برباد کیا۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ عمل حد والی سزا کا ہوتا تو آپ ﷺ سے حد والی سزا منقول ہوتی مگر، آپ ﷺ کا تو ارشاد یہ منقول ہے اقتلوا الفاعل

والمفعول به یعنی جو ایسا کام کرے فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو، کیا اس سزا کو حد کہیں گے، یا اس کا تعلق تعزیر سے ہے یعنی اس سزا سے ہے جو امام اور حاکم وقت کی رائے پر محمول ہے؟ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی رائے اس بارے میں الگ الگ رہی ہے کوئی کہتا ہے کہ اس کو جلا دیا جائے، کوئی کہتا ہے کہ اس کے اوپر دیوار گرادی جائے گی، کوئی کہتا ہے کہ ایسے شخص کو اونچی جگہ سے نیچے گرا کر اس پر پتھر برسایا جائے گا، غرض کہ زنا والی حد اگر متعین ہوتی تو صحابہ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا اور آنحضور ﷺ سے بھی قتل وغیرہ کا حکم منقول نہ ہوتا۔ اسلیئے کہ زنا کی حد تو شریعت میں متعین شکل ہے، اس وجہ سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضور ﷺ کے ارشادات اور صحابہ کرام کے فتووں کی روشنی میں یہ فرمایا کہ اگر اس جرم کا کوئی مرتکب ہوتا ہے تو اس کے بارے میں حاکم وقت فیصلہ کرے گا کہ اس کو کون سی سزا دی جائے حد کی سزا نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے گا۔

غیر مقلدین کو فقہ احناف کا پورا مسئلہ ہی معلوم نہیں یا معلوم ہے مگر فتنہ انگیزی چونکہ ان کا مقصود ہے اس وجہ سے پورا مسئلہ ذکر نہیں کرتے۔ عینی میں لکھا ہے۔

ولکنہ یعذر و یسجن حتی یموت او یتوب ولو اعتاد اللوا طۃ قتلہ الا مام

یعنی ایسے کام کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور اسے تازندگی قید میں رکھا جائے گا الا یہ کہ وہ توبہ کرلے اور اگر وہ فعل کا عادی ہے تو امام اس کو قتل کردے گا۔

یہ ہے اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا پورا مسئلہ مگر پمفلٹ والے نے خیانت کرکے اس کو نہایت مکروہ شکل میں پیش کیا ہے، دین ودیانت کے اپنے اس کردار و مظاہرہ پر غیر مقلدین

ثواب دارین کی امید رکھتے ہیں۔

(۷) ایک مسئلہ یہ بھی ذکر کیاہیکہ ہدایہ میں ہے کہ جو چوپایہ سے وطی کرے اس اور پر حد نہیں ہے۔

تو کیا غیر مقلدین کے مذہب میں اس پر حد ہے؟ ذرا وہ اپنی کتابوں سے ایسے شخص پر حد کی سزا دکھلاویں۔ نزل الابرار میں لکھا ہے۔ ویعزر من نکح بهیمة و یجوز للامام ان یقتله. یعنی جو چوپایہ سے وطی کرے امام اس کی تعزیر کرے گا۔ اور اس کو قتل بھی کرسکتا ہے، اور یہی بات کنز الحقائق میں لکھی ہے، تو پھر ہدایہ اور آپ کی کتابوں کا مسئلہ الگ الگ ہوا یا ایک؟

اچھا ذرا غیر مقلدین وہ حدیث تو پیش کردیں یا قرآن کی کوئی آیت جس سے ہدایہ کے مسئلہ کا غلط ہونا ثابت ہو۔

یہاں بھی پمفلٹ والے غیر مقلد نے خیانت سے کام لیا ہے اور ہدایہ کا پورا مسئلہ نہیں بیان کیا ہے، پورا مسئلہ یہ ہے الا انہ یعزر یعنی اس کی تعزیر ہوگی یعنی امام اپنی صواب دید سے جو مناسب سمجھے گا اس کو سزا دے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ جو فرماتے ہیں اور ہدایہ کا جو مسئلہ ہے وہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

عن ابن عباس فی الذی یقع علی البهیمة قال لیس علیه الحد (ص ۲۶۶۰ ج۷) یعنی حضرت عبداللہ بن عباس کا فتوی یہ تھا کہ جو شخص جانوروں سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ہے۔

غیر مقلدوں کے پاس اتنی عقل ہی نہیں کہ ان کو یہ سمجھایا جائے کہ زنا شرعی کس کو کہا جاتا ہے اور حد شرعی کب واجب ہوتی ہے۔ اس کیلئے فقہی بصیرت کی ضرورت ہے اور

غیر مقلدین کو یہ دولت گرانمایہ حاصل نہیں اس وجہ سے میں صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ اگر امام ابو حنیفہ نے اپنے فتوی کی بنیاد حضرت عبداللہ بن عباس کے فتوی پر رکھی ہے تو غیر مقلدوں کو اعتراض کیوں ہے، کیا صحابی کے فتوی کی روشنی میں فتوی دینا حرام ہے؟ یا وہ اتنے بددین ہو گئے ہیں کہ صحابی رسول ﷺ کے فتوی کا بھی مذاق اڑائیں گے؟

اس مسئلہ میں حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی جانور سے بدفعلی کرے تو اس کا کیا حکم ہے، تو انہوں نے فرمایا، اللہ تو بھولنے والا نہیں ہے اگر اس بارے میں شریعت کی متعین سزا ہوتی تو اللہ اس کو نازل کرتا، البتہ یہ فعل ہے، بہت برا تو جو برا ہے اس کو برا سمجھو،

(مصنف ص ۳۶۶ ج ۷)

دیکھئے حضرت عطاء جیسا جلیل القدر تابعی بھی یہی کہتا ہے کہ اس بارے میں کوئی حد شرعی نہیں ہے، چونکہ یہ عمل قبیح ہے اس لئے اس کا معاملہ امام کی صواب دید پر ہوگا وہ جیسی چاہے سزا دے، اسی کو تعزیر کہتے ہیں اور اسی کا بیان ہدایہ میں بھی ہے۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد بھی جو اس بارے میں منقول ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو حد شرعی زنا والی سزا نہیں جاری کی جائے گی، آپ نے فرمایا کہ چوپایہ اور چوپایہ کے ساتھ جو فعل کرے دونوں کو قتل کردو۔ (مصنف ج ۷ ص ۲۶۴)

غرض امام ابو حنیفہ کا اس مسئلہ میں جو فتوی ہے وہ پوری طرح عقل ونقل کی روشنی میں ہے، اور امام کی بے پناہ فقہی بصیرت کو اجاگر کرنے والا ہے، ہاں البتہ ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا جن کا مقصد محض اعتراض ہو اور جو علم اور بصیرت سے محروم ہوں۔

(۸)　ایک مسئلہ میں پمفلٹ میں یہ ذکر کیا ہے کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی اور رضامندی سے کسی بے وقوف یا بچے سے زنا کرائے تو نہ بیوقوف اور بچے پر حد ہے اور نہ عورت پر۔

اس مسئلہ پمفلٹ والے غیر مقلد صاحب نے ایک خیانت تو یہ کی ہے کہ ہدایہ میں مجنون کا لفظ ہے، اس کے معنی پاگل کے ہیں اس کا ترجمہ انہوں نے بیوقوف کیا ہے، معلوم نہیں مجنون کا ترجمہ بے وقوف کس لغت میں ہے، یا غیر مقلدوں کے یہاں مجنون کا ترجمہ بے وقوف ہوتا ہے۔؟ واللہ اعلم بالصواب۔

اس مسئلہ پر اعتراض بھی غیر مقلدوں کی دانشمندی کی انتہا ہے، کیا پاگل اور بچے پر بھی شرعی احکام کا اجراء ہوتا ہے؟ حدیث میں ہے کہ بچوں اور پاگلوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے کسی امام اور کسی محدث کے نزدیک بچے اور پاگل احکام شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں کہ ان پر حدود شرعیہ جاری ہوں، تو پھر اعتراض کیا؟ عورت پر اس لئے حد نہیں ہے کہ جنایت کاملہ جو حد کو واجب کرے نہیں پائی گئی اور زنا کا معنی پورے طور پر متحقق نہیں ہوا، پس بحکم حدیث شریف حدود کو شبہات سے دفع کرو، اس عورت پر بھی حد نہیں لگائی جائے گی، البتہ اس کو تعزیر کی جائیگی۔

براہ کرم غیر مقلدین وہ حدیث پیش کریں جس سے معلوم ہو کہ جس عورت کے ساتھ کوئی پاگل یا بچہ زنا کرے اس پر حد شرعی لگائی جائے گی؟ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر فقہ حنفی اور ہدایہ کتاب کے خلاف یہ شور و ہنگامہ کیوں؟

غیر مقلدین کو غالباً اس کا بڑا شوق رہتا ہے کہ مسلمان مرد اور عورت پر حدود موقع بموقع ضرور نافذ کئے جائیں، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کرو، اور یہی وجہ ہے کہ ادنی شبہ سے بھی حدود مندفع ہو جاتے ہیں، احادیث کی روشنی میں امام ابو حنیفہ اس کا پورا لحاظ رکھتے ہیں کہ شرعی حدود سے جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جائے، رسول اکرم ﷺ کا یہی طریقہ تھا، اور مسلمانوں کیلئے آپ کی یہی تعلیم تھی، آنحضور ﷺ کے ان ارشادات کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں سے جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کرو، ذرا بھی اس کا راستہ پاؤ تو درگذر کرو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حدود کو دفع کرو، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کرو، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ذرا بھی گنجائش دیکھو تو حدود کو دفع کرو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ارشاد اور مسلمانوں کو تاکید تھی کہ مسلمانوں سے قتل کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو۔

حضرت ماعزؓ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ مجھ سے زنا کا صدور ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا پھر انہوں نے کہا پھر آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، پھر انہوں نے کہا، پھر آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، چوتھی دفعہ جب انہوں نے کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بوسہ لیا ہوگا، تم نے چھوا ہوگا، غرض آپ ﷺ نے حضرت ماعزؓ پر حد جاری کرنے سے حتی الامکان پرہیز کیا اور جب حضرت ماعزؓ کا اصرار بہت بڑھ گیا تب آپ ﷺ نے ان پر حد نافذ کرنے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ حدود کا جاری اور نافذ کرنا حالت مجبوری کی بات ہے ورنہ حتی الامکان حدود کو دفع ہی کیا جائے گا۔

فقہ حنفی میں اس کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے، مگر فقہ حنفی کا یہی امتیاز اور ہنر اور احادیث کی روشنی میں احکام شرعیہ کا بیان غیر مقلدین کو برا لگا۔ اور انہوں نے حضرت ﷺ کے قول وعمل کو بالکل نظر انداز کر دیا اور فقہ حنفی کے خلاف اپنے دل کا بخار نکالا۔ فالی اللہ المشتکی۔

دس سوالات کے جوابات

مکرمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوا، زمزم کی عمر کو اللہ دراز کرے، آپ نے سلفیت کے چہرہ سے نقاب الٹ دی ہے اور لوگ واقف ہو گئے ہیں کہ ان اہل توحید کی بناء مذہب کس خس وخاشاک پر قائم ہے۔

براہ کرم درج ذیل سوالات کے جوابات سے نوازیں۔

(۱) حضرات ائمہ اربعہ سے پہلے تقلید شخصی کا وجود تھا یا نہیں؟

(۲) حضرات ائمہ نے پہلے مجتہدین کی تقلید کیوں نہیں کی؟

(۳) اگر تقلید ہی کرنا ہو تو خلفاء راشدین کی تقلید کیوں نہ کی جائے؟

(۴) جب چاروں ائمہ برحق ہیں تو کسی ایک کی تقلید ضروری کیوں ہے؟

(۵) کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے، تو اب ان کی تقلید کرنا خود ان کی مخالفت کرنا ہے۔

(٦) کہا جاتا ہے کہ چاروں ائمہ برحق ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مذہب میں ایک چیز حلال ہے اور وہی چیز دوسرے مذہب میں حرام ہے، ایسی صورت میں دونوں مذہب برحق کیسے ہوا؟

(۷) قرآن وحدیث کی موجودگی میں کسی خاص امام کی تقلید کیوں ضروری ہے؟

(۸) تقلید کے وجوب پر کون سی نص قطعی ہے؟

(۹) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی ؟

(۱۰) امام بخاری کس کے مقلد تھے؟

براہ کرم کسی قریبی اشاعت میں ان سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

والسلام

رشید احمد اندھیری بمبئی

زمزم! آپ کا خط بڑا طویل تھا، اگر پورا خط نقل کیا جاتا تو زمزم کے کئی صفحات بھر جاتے، میں نے اس میں سے زائد چیزوں کو حذف کر کے آپ کے سوالات کو مختصر کر کے نقل کر دیا ہے، اپنے سوالات کی جوابات ملاحظہ فرمائیں۔ افسوس میں اس وقت تفصیل سے جواب دینے سے قاصر ہوں، جوابات سوالات کی ترتیب کے مطابق ہیں۔

(۱) حضرات ائمہ سے پہلے تقلید شخصی کا وجود تھا، حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ **ثم انهم تفرقوا في البلاد وصار كل واحد مقتدى ناحيته من النواحي.** یعنی صحابہ کرام (آنحضور اکرم ﷺ کے بعد) مختلف شہروں میں چلے گئے اور ان میں کا ہر شخص اس حصہ کا جہاں وہ پہونچا مقتدی بن گیا۔ حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابی جہاں پہونچا اس کی وہاں تقلید کی جاتی تھی۔ حجۃ اللہ البالغہ ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں شاہ صاحب کا یہ کلام ہے۔ **وكان ابن عباس بعد عصر الاولين فنا قضهم في كثير من الاحكام و اتبعه في ذلك اصحابه من اهل مكه** یعنی حضرت عباس صحابہ کرام کا دور اول گذر جانے کے بعد (مکہ میں موجود) تھے، انہوں نے بہت سے احکام میں پہلوں

کی مخالفت کی اور مکہ کے ان کے شاگردوں نے ابن عباس ہی کی پیروی کی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ مکہ میں بہت سے لوگ حضرت عبداللہ بن عباس کے مقلد تھے، اوران کی تقلیہ شخصی کرتے تھے۔

(۲) یہ دوسرا سوال جو عام طور پر غیر مقلدین کی زبان سے سننے میں آتا ہے، نہایت جاہلانہ ہے، تقلید عامی کے لئے ہے مجتہد کے لئے نہیں ہے۔ قرآن میں فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون. اگر تم جانتے نہیں ہو تو جاننے والے سے معلوم کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوال کرنا ان کا فریضہ ہے جو اہل علم نہیں ہیں، یعنی جن کو براہ راست کتاب وسنت سے مسائل کے استخراج واستنباط کی قدرت نہیں ہے، اس لئے یہ سوال کرنا کہ ائمہ مجتہدین نے خود کیوں نہیں تقلید کی کتاب وسنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

(۳) یہ تیسرا سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر تقلیدی کرنا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی تقلید کیوں نہ کی جائے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ اہلسنت کے نزدیک جس طرح کتاب وسنت مستقل الگ الگ دلیل شرعی ہیں اسیطرح خلفائے راشدین کا عمل اوران کی سنت بھی مستقل دلیل شرعی ہیں۔ پس جس طرح ائمہ کی تقلید ذریعہ بنا کرتی ہے کتاب وسنت پر عمل کرنیکا اسی طرح ان ائمہ کی تقلید ذریعہ بنا کرتی ہے خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کا اس لئے ائمہ کی تقلید کے ضمن میں مقلدین خلفائے راشدین کی بھی تقلید کرتے ہیں۔

(۴) بلاشبہ چاروں ائمہ برحق ہیں اس کے باوجود ایک ہی کی تقلید کو واجب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی میں دین وایمان کی سلامتی ہے، دسترخوان پر بہت سے کھانے چنے ہوتے ہیں اور سب کا کھانا جائز ہوتا ہے لیکن اگر کسی کو تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ فلاں کھانا کھانے سے اس کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا اوراس کی صحت بگڑ جائے گی تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس کھانے سے بچے۔

تقلید ائمہ کا مقصد یہی تھا کہ آدمی محض اللہ کے لئے اللہ کے احکام کا پابند ہو، دین وشریعت کو کھیل نہ بنائے، اور اپنی مرضی وخواہش کو دین نہ سمجھ لے، اگر عوام کو یہ چھٹی دے دی جائے کہ ائمہ اربعہ میں سے جس کی چاہیں تقلید کریں تو عوام دین کا تماشا بنالیں گے اور احکام شرعیہ کا احترام باقی نہ رہے گا، مثلاً حنفیہ کے یہاں زیورات میں زکوۃ دینی واجب ہے شوافع کے یہاں نہیں تو کوئی لالچی حریص جس پر زیورات میں زکوۃ واجب ہے کہیگا کہ ہم زکوۃ نہ دیں گے اور اس مسئلہ میں شافعی مذہب پر عمل کریں گے، اسی طرح ایک آدمی نے وضو کیا اور اس کے بدن سے خون جاری ہو گیا تو اگر وہ کاہل اور سست ہے تو کہے گا کہ ہم وضو نہیں کریں گے اور شافعی مسلک پر عمل کریں گے حنفیہ کے یہاں اس کا وضو باقی نہیں رہتا شوافع کے مذہب میں خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، غرض اب دین وشریعت کا وہ تابع نہیں رہے گا بلکہ دین وشرع کو انسان اپنے تابع بنالے گا، جیسے آجکل جاہلوں کا دستور ہو گیا ہے کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر جب انہیں افسوس ہوتا ہے تو کسی غیر مقلد مولوی صاحب کے پاس چلے جاتے ہیں اور وہ انہیں فتوی دے دیتا ہے کہ تمہاری بیوی حلال ہے، اور ساری زندگی زنا کی معصیت میں یہ شخص مبتلا رہتا ہے محض بیوی کی خاطر دین وشریعت کا مذاق بنا دیا جاتا ہے۔

البتہ جن کو دین وشریعت کا پاس ولحاظ ہے اور اپنے تدین وتقوی میں ایسے ممتاز ہیں کہ ان سے بد نیتی اس طرح کا گمان نہیں کیا جاسکتا اور وہ صاحب علم بھی ہیں تو اگر اس قسم کے لوگ کسی ضرورت سے دوسرے مسلک پر عمل کریں تو اس سے کوئی روکتا نہیں، مگر عوام کو اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی۔

(۳) ائمہ نے اپنی تقلید سے عوام کو نہیں منع کیا ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو منع کیا ہے اس لئے کہ وہ چونکہ خود ایک درجہ میں مجتہد تھے اس وجہ سے ائمہ نے ان کی تربیت کیلئے

فرمایا کہ تم لوگ براہ راست کتاب و سنت سے اخذ و استنباط کرو، جیسے استاد اپنے لائق شاگردوں سے کہتا ہے کہ اب تم اس درجہ پر ہو گئے ہو کہ تمہیں ہماری اقتداء وتقلید کی ضرورت نہیں بلکہ تم لوگ خود اس علم اور اس فن میں اپنی عقل کا استعمال کرو۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ شاگرد بالکلیہ استاد سے مستغنی ہو گیا بلکہ لائق شاگرد ہمیشہ اپنے آپ کو استاد کا محتاج ہی سمجھتا ہے اور اس کی تحقیقات کو اپنی نظر میں رکھتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

(۶) اس اعتراض کو عام طور پر غیر مقلدین جاہلوں کے سامنے رکھتے ہیں اور ان کو بہکانے کا اس اعتراض کو ذریعہ بناتے ہیں، حق ہونے کا مطلب پہلے آپ سمجھ لیں، حق ہونے کا ایک مطلب یہ ہوتا ہی کہ فلاں بات واقع کے مطابق ہے، مثلاً کسی نے چاند دیکھا اور اس نے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور واقعۃً چاند نکلا بھی ہے تو کہا جائے گا کہ فلاں کا یہ کہنا کہ اس نے چاند دیکھا ہے حق ہے۔

اور حق کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں بات شریعت کے حکم کے مطابق ہے خواہ وہ واقع میں ویسی نہ ہو جیسے اسے ہونا چاہئے، مثلاً اگر چاند نکلا ہو مگر شرعی شہادت چاند کے ثبوت پر مہیا نہیں ہو رہی ہے تو علماء شریعت فیصلہ کر دیں گے کہ چاند کا ثبوت نہیں ہے اور ان کا یہ فیصلہ کرنا حق ہوگا، حالانکہ چاند نکلا ہے، اور علماء کا فیصلہ کہ چاند کا ثبوت نہیں ہے خلاف واقعہ ہے، مگر چونکہ شریعت کے حکم کے مطابق ہے اس وجہ سے علماء کا یہ فیصلہ ناحق نہیں ہوگا بلکہ یہی حق ہوگا۔

اسی طرح شریعت کا حکم ہے کہ اگر قبلہ مشتبہ ہو اور اس کا پتہ نہ چلے تو تحری کر کے آدمی نماز پڑھے، تحری کرنے کے بعد اگرچہ اس کا رخ کعبہ کی سمت نہ ہو تب بھی آدمی کی نماز درست ہوگی اور کہا جائے گا کہ اس نے ٹھیک نماز پڑھی ہے، اور اس کا نماز پڑھنا حق

ہے، چار آدمیوں نے تحری کر کے نماز پڑھی اور چاروں کا رخ چار سمت ہے تو سب کی نماز حق ہے اور سب کا قبلہ وہی حق ہے جس کی طرف رخ کر کے اس نے نماز پڑھی ہے اگر چہ واقع میں جس کا رخ کعبہ کی طرف تھا اس نے حقیقی معنی میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھی ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ حق ہونے کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام شریعت کے حکم کیمطابق ہو خواہ واقع اور نفس الامر میں وہ ایسا نہ ہو جیسا اسے ہونا چاہئے تو اب یہ سمجھ لیجئے کہ ائمہ کے ذمہ مسائل شریعہ میں اجتہاد کرنا ہے، اسی کا ان کو حکم ہے، اور ان کے اجتہاد میں جو چیز کتاب وسنت اور حکم شرعی کے مطابق ہو گی اس پر عمل کرنا از روئے شرع ان پر واجب ہے، مجتہدین کی یہی ذمہ داری ہے، اس سے زیادہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے پس اگر کوئی مجتہد اجتہاد کرتا ہے اور اس کے اجتہاد میں ایک چیز جائز ہوتی ہے تو اسی پر اس کو عمل کرنا ہے اور اسی مسئلہ میں کسی کا اجتہاد یہ ہو رہا ہے کہ وہ چیز حرام ہے تو اسی پر اس کو چلنا ہے، اور دونوں مجتہد اس معنی میں حق پر ہیں کہ انہوں نے مسائل شریعہ پر عمل کرنے کے لئے ان کے لئے جو شریعت کا حکم تھا اس پر انہوں نے عمل کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ مجتہد اگر غلطی کرتا ہے تو بھی اس کو ایک اجر ملتا ہے، اگر وہ حق پر نہ ہوتا تو غلطی پر اس کو اللہ کی طرح سے اجر کیوں ملتا، پس خوب سمجھ لیجئے کہ اصل چیز حکم شرع کا بجالانا ہے، خواہ نفس الامر میں وہ حکم واقع کے مطابق ہو یا واقع کے خلاف، دیکھئے ایک شخص پر قبلہ مشتبہ ہے مگر وہ تحری نہیں کرتا اور قبلہ کدھر ہے بلا اس کی تحقیق کئے نماز پڑھ لیتا ہے تو اگر چہ وہ ٹھیک ہی سمت نماز پڑھے مگر چونکہ اس نے خلاف شریعت کام کیا ہے، اس وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ گنہگار ہو گا اور اس کا نماز پڑھنا باطل ہو گا، حالانکہ اس کا قبلہ واقع کے مطابق تھا اور حق تھا مگر چونکہ اس کا عمل شریعت کے مطابق نہیں تھا اس لئے اس کا حق قبلہ بھی شریعت کی نگاہ میں ناحق قرار پایا۔

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لیجئے جو صاحب اجتہاد نہیں ہیں اور بلا صلاحیت اجتہاد قرآن وحدیث کا معنی ومطلب بیان کرتے ہیں اوران سے احکام اخذ کرتے ہیں تو اگرچہ وہ بعض مسائل میں شریعت کے منشاء کو پا بھی لیں تب بھی وہ گنہگار ہوں گے اس وجہ سے کہ شریعت کا ان کے لئے حکم یہ تھا کہ وہ مجتہدین اور علماء دین کی طرف رجوع کریں، خود سے ان کے لئے اجتہاد کرنا حرام تھا۔

(۷) قرآن وحدیث کی موجودگی میں کسی خاص امام کی تقلید اس لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث پر شریعت کے حکم کے مطابق عمل ہو اور شریعت اور قرآن وحدیث جاہلوں کے ہاتھ میں کھلونا نہ بن جائیں، جیسے ڈاکٹری کی کتاب موجود ہونے کے باوجود ڈاکٹروں کی طرف رجوع کر کے ہی ڈاکٹری کی کتاب سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۸) تقلید کے وجوب پر یہ نص قطعی ہے **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون** اور **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الرشدين** اور پھر اجماعت امت

(۹) اگر یہ سوال آپ کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور امت نے امام بخاری کو اجتہاد کے اس مقام پر نہیں سمجھا ہے کہ مسائل فقہیہ میں ان کی تقلید کی جائے، ان کے ہزاروں شاگرد تھے مگر فقہی مسائل میں کسی نے امام بخاری کی تقلید نہیں کی، نہ امام بخاری کی طرف منسوب کسی فقہ کی تدرین ہوئی ہے کہ اس کی روشنی میں ان کی تقلید کی جاتی۔

اور اگر یہ سول غیر مقلدین کی طرف سے ہے تو اس امام بخاری کی کوئی کیسے تقلید کرے جس کے بارے میں غیر مقلدین کا یہ ارشاد ہے۔

''دراصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معالملے میں مرفوع القلم ہیں، داستان گو کی چابکدستی کے سامنے امام بخاری کی احادیث کے متعلق تمام چھان بین دھری رہ گئی۔ (صدیقہ کائنات

ص ۱۰۶)

بھلا بتلائیے کہ جب امام بخاری حدیث ہی کے بارے میں جو ان کا خاص موضوع اور فن تھا اس قدر نا قابل اعتبار ہیں تو فقہ میں ان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) اس بارے میں ہمیں کسی حنفی کا قول نہیں ملا، البتہ غیر مقلدین ان کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد کہتے ہیں اور طبقات الشافعیہ میں ان کو شافعی لکھا ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

ایک شعر کی وضاحت

محترمی زید مجدکم!   مزاج بخیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

زمزم کے ایک شمارے میں آپ نے ایک شعر کی بڑی اطمینان بخش وضاحت فرمائی تھی، ایک اور شعر بھی غیر مقلدین احناف کو چڑھانے کے لئے اپنی کتابوں اور مضامین میں ذکر کرتے رہتے ہیں، اس کے بارے میں آپ کے قلم سے وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے۔ وہ شعر یہ ہے

فلعنة ربنا اعداد رمل
علی من رد قول ابی حنیفة

ہمارے رب کی ریت کے ذروں کے برابر اس شخص پر لعنت ہو جو امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے۔

آپ کا خادم
نظام الدین بہرائچ

زمزم! پہلے آپ یہ معلوم کریں کہ یہ شعر کس کا ہے، پھر معاملہ آسان ہو جائے گا اور غیر مقلدین کی اس بارے میں دھما چوکڑی ہوا ہو جائے گی۔ اس شعر کی نسبت امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔ حضرت عبد اللہ

بن مبارک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، چونکہ یہ زبردست محدث تھے۔ اور ان کی جلالت علمی پر اتفاق عام تھا، زہد وتقویٰ میں بھی ممتاز تھے۔ اپنے استاذ امام ابوحنفیہ کے خاص عقیدتمندان کے فیض یافتہ تھے، تو امام ابوحنفیہ کے دشمنوں کو یہ بھلا نہیں معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مبارک جیسا عظیم الشان اور جلیل القدر محدث امام ابوحنیفہ کے حلقہ تلامذہ میں سے شمار ہو اور ان کا عقیدتمند ہو، خاص طور پر خطیب بغدادی کو اس کو خاص احساس تھا تو خطیب نے جعلی اور جھوٹی سندوں سے غلط سلط روایات اور قصے حضرت عبداللہ بن مبارک کی طرف منسوب اپنی تاریخ میں درج کیا جس میں حضرت عبداللہ کی زبان مبارک سے امام اعظم ابوحنیفہ کی بدگوئی تھی، مگر جھوٹ کو کب فروغ ہوا ہے، یہ سارے افسانے قصہ پارینہ بن کر رہ گئے اور خطیب بغدادی کی شخصیت قیامت تک کے لئے داغدار ہوگئی۔

بہر حال جو شعر آپ نے نقل کیا ہے یہ انہیں عبداللہ بن مبارک کا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کو تعصب اور عناد اور بلا کسی دلیل و حجت کے ضد اور نفسانیت کی بنا پر اور امام اعظم کی تحقیر و تنقیص کے طور پر رد کرے اس پر خدا کی بیشمار لعنت ہو، چونکہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے نزدیک امام اعظم کا جو علمی مقام تھا وہ بہت بلند تھا اس وجہ سے ان کی تنقیص و تحقیر ان کے نزدیک موجب لعنت خداوندی تھی، اور ایک شاگرد کو پورا حق ہے کہ اپنے استاذ کی شان میں تحقیر کرنے والوں کو سخت سے سخت الفاظ میں یاد کرے اور یہ فی الحقیقت ان کے ایمانی غیرت کی بات تھی، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے نزدیک امام ابوحنیفہ کے فقہی اقوال کی بنیاد کتاب وسنت پر تھی تو گویا ان کے قول کو رد کرنا در پردہ کتاب وسنت پر حملہ کرنا تھا اس وجہ سے ان کی ایمانی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور اپنے استاد کی حمایت میں یہ شعر کہا۔

اب اگر غیر مقلدین کو اعتراض کرنا ہے تو پہلے حضرت عبد اللہ بن مبارک پر اعتراض کریں، اس کے بعد بقیہ احناف کی طرف توجہ فرمائیں، احناف نے تو اس شعر کو اپنی کتابوں میں صرف نقل کیا ہے، اس شعر کے قائل تو عبداللہ بن مبارک ہیں۔ (۱) جن کے بارے میں مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ **الامام الحافظ العلامة شيخ الاسلام فخر المجاهدين قدوة الزاهدين (ص ۳٦۱)**

ہمارا خیال نہیں بلکہ یقین ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کی یہ بددعا امام ابو حنیفہ کے تمام ان معاندین ومخالفین کے لئے قیامت تک کے لئے ہے جو امام اعظم کے اقوال کو محض بغض وحسد اور عداوت وعناد کی وجہ سے بلا کسی دلیل محکم اور حجۃ ساطعہ کے رد کر دیتے ہیں اور ان کا مقصد امام اعظم کی تحقیر وتوہین ہوتا ہے۔

رہا یہ کہ دلائل کے ساتھ کسی سے اختلاف کرنا یہ بالکل الگ چیز ہے اور یہ اختلاف ہر زمانہ میں رہا ہے، صحابہ کے زمانہ میں بھی رہا ہے اور تابعین وتبع تابعین اور ان کے بعد کے ادوار میں بھی اس قسم کا اختلاف رہا ہے، اس لئے یہ شعر ایسے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ آج کے غیر مقلدین قسم کے لوگوں کے لئے پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے جو امام اعظم کے اقوال کو محض ضد اور نفسانیت کی وجہ رد کر دیتے ہیں۔

والسلام

---

(۱) غیر مقلدین کو بھی چونکہ خوب معلوم ہے کہ یہ شعر عبداللہ بن مبارک نے انہیں جیسے لوگوں کیلئے کہا ہے جو بلا وجہ امام ابوحنیفہ کی مخالفت میں اپنی جان کھپائے رہتے ہیں اس وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف اس شعر سے غیر مقلدین کو پہونچی ہے، ورنہ ہم نے آج تک کسی شافعی مالکی، حنبلی کو اس شعر سے چڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔

محمد ابوبکر غازیپوری

کیا دین کو جاننے کے لئے صرف کتاب وسنت کافی ہیں؟

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب دام فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اہلحدیث حضرات کا یہ کہنا کہ کتاب وسنت اصل ہے، کتاب وسنت میں کوئی بات ثابت ہو جانے کے بعد کسی صحابی وتابعی اور امام کی بات پر توجہ نہیں دی جائے گی، ان کی یہ بات بظاہر معقول معلوم ہوتی ہے، زمزم کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ امید ہے آگاہ فرمائیں گے۔

والسلام

سلیمان کانجی احمد آباد

زمزم! آپ نے میرے بارے میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے، یہ آپ کی محبت کی بات ہے، میں نے ان کو نقل نہیں کیا، اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی تعریف اپنے ہی پرچہ میں شائع کی جائے، آپ نے مبالغہ سے بھی کام لیا ہے، آدمی کی تعریف میں مبالغہ نہیں آنا چاہئے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے اور حق پھیلانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

کتاب وسنت اصل ہیں اس کا کوئی منکر نہیں ہے، مگر اس کے باوجود ہمیں اور آپ و نہ صحابہ کرام سے استغناء ہے نہ تابعین اور ائمہ دین اور فقہائے اسلام اور محدثین کرام سے کتاب وسنت کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لئے بہرحال ہمیں ان کی رہنمائی کی ضرورت ہے اور ان کے تفقہ وعلم سے ہمیں کوئی چارہ نہیں ہے، جب ہم صحابہ کرام اور فقہائے اسلام کی رہنمائی کے بغیر اپنے سے کتاب وسنت کا معنی اور مفہوم متعین کریں گے تو بسا اوقات گمراہ ہو جائیں گے۔

صحابہ کرام اور تابعین وائمہ دین اور فقہائے اسلام نے دین کو جس طرح سمجھا ہے اور اس کے بارے میں ان کی جو رہنمائی ہے وہی اصل دین ہے، کتاب وسنت سے جو مفہوم اور معنی ہم متعین کریں گے وہ دین نہیں کہلائے گا، بلکہ اگر اسلاف سے ہٹ کر ہم نے اپنی عقل سے دین کو سمجھنے کی کوشش کی تو دین کا تماشا بن جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ امت کے تمام بڑوں نے دین کو اسلاف کے بیان وشرح کی روشنی میں سمجھنے کی عام مسلمین کو تلقین فرمائی ہے، ائمہ دین اور فقہائے اسلام اور محدثین کرام نے بھی صحابہ کرام کو دین کے بارے میں میں اپنا مقتدیٰ مانا ہے اور انہوں نے کبھی اس کی جرأت نہ کی کہ صحابہ کرام کو دین کے بارے میں معیار قرار نہ دیں۔ صحابہ کرام وتابعین اور فقہائے اسلام یہ تمام امت کے وہ افراد ہیں کہ صحیح دین کیا ہے اسے سمجھنے کے لئے ان کی ضرورت ہے، ہم ان کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علم کا پہاڑ تھے مگر وہ بھی فرماتے ہیں کہ:

”جو سنت، حدیث، اقوال صحابہ، اور اقوال تابعین وغیرہم سے باخبر نہ ہوگا وہ دین کو صحیح نہیں سمجھ سکتا، اس وجہ سے کہ سلف نے قرآن کی کیا تفسیر کی ہے اور خالص سنت کیا ہے اس کا علم انہیں وجوہ سے ہو

گا''۔(منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۷)

جن لوگوں کو بخاری پڑھنے پڑھانے کا اتفاق ہے، انہیں معلوم ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام، تابعین، فقہاء و محدثین تمام کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور ان سے شرعی مسئلہ ثابت کرتے ہیں، اگر ان حضرات کا قول و فعل حجت نہ ہوتا تو امام بخاری کو ان کے اقوال سے استدلال کرنے کی حاجت کیا تھی، وہ صرف قرآن کی آیت اور حدیث ذکر کر دیتے یہ کافی تھا، مگر امام بخاری کو وہ بات نہ سوجھی جو آپ کے ان اہلحدیث حضرات کو سوجھی ہے جن کا کلام آپ نے نقل کیا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضو ﷺ دو رکعت فجر سے پہلے اور دو رکعت عصر کے بعد کبھی نہیں چھوڑتے تھے، اگر صرف حدیث ہی کو دیکھ کر کسی کو دین سیکھنا ہے تو وہ عصر بعد دو رکعت پڑھے، مگر امت میں کوئی اس کا قائل نہیں ہے، اس لئے کہ ہمیں صحابہ کرام سے معلوم ہوا کہ یہ آنحضو ﷺ کی خصوصیت تھی اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں تھے انہوں نے جب عصر کے بعد ان دو رکعتوں کا معمول بنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ سختی کرنی پڑی، شیخ الاسلام ابن تمیہ فرماتے ہیں:

قد كان عمر رضى الله عنه يعزر الناس على الصلوٰة بعد العصر مع ان جماعة فعلوه لماروى عن النبى ﷺ انه فعله وداوم عليه لكن لما كان من خصائصه ﷺ و كان النبى ﷺ قد نهى عن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس و بعد الفجر حتى تطلع الشمس كان عمر يضرب من فعل هذه الصلوٰة (فتاوى ص ۱٦۸ ج ۲۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد نماز پڑھنے پر سزا دیتے تھے،
حالانکہ ایک جماعت کا اس پر عمل رہا، ان کی دلیل تھی کہ نبی اکرم ﷺ
نے عصر بعد (دو رکعت) نماز پر مداومت کی ہے، لیکن چونکہ یہ
آنحضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی اور آپ نے فجر اور عصر کے بعد
نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو عصر کے بعد
نماز پڑھتا تھا اس کو سزا دیتے تھے۔

آنحضور اکرم ﷺ سے کہیں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعتوں کو اپنی خصوصیت فرمایا ہو، مگر صحابہ کرام کو اور خصوصاً جو آنحضور اکرم ﷺ سے بہت قریب صحابہ کرام تھے ان کو یہ معلوم رہا کرتا تھا کہ آپ کا کون سا کام محض اپنے لئے ہے اور کون سا کام تمام امت کے لئے ہے۔ اس لئے ان صحابہ کرام کی رہنمائی کے بغیر صحیح سنت کا علم ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

ایک دوسری مثال لیجئے بخاری و مسلم کی صحیح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ **لیس علی المسلم فی فرسه ولا عبده صدقة** یعنی مسلمان کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس حدیث کا ظاہر مفہوم ہے کہ مسلمان کے پاس کسی طرح کے گھوڑے اور غلام ہوں اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگر کوئی صرف حدیث کو دیکھے گا تو اس کا یہی مذہب ہونا چاہئے، مگر ظاہر یہ کے علاوہ کسی نے حدیث کا یہ مطلب نہیں لیا ہے بلکہ جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ اگر یہ گھوڑے اور غلام تجارت کے لئے ہوں گے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی، خود غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ:

ان زكوة التجارة ثابتة بالاجماع ...... فيخص به عموم

هذا الحدیث. (تحفه ص ۷ ج ۲)

یعنی گھوڑے اور غلام اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان کی زکوٰۃ اجماع سے ثابت ہے، پس اجماع سے حدیث عام کا مفہوم خاص کیا جائے گا۔

دیکھا آپ نے حدیث عام تھی مگر اس کو اجماع سے خاص کرنا پڑا، اجماع نہ کتاب اللہ ہے اور نہ سنت یہ صحابہ کرام وتابعین وغیرہم کا قول وعمل کے اتفاق کا نام ہے۔

اگر صحابہ کرام کا دین میں اور دین کی تشریح وتوضیح میں کوئی مقام نہیں ہے صرف کتاب وسنت ہر شخص کے لئے کافی ہیں تو آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد معاذ اللہ لغو ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر یعنی میرے بعد جو دو آنے والے ہیں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر تم لوگ ان کی پیروی کرو، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو آپ مستقل امت کا مقتدیٰ فرما کر ان کی پیروی واقتدا کا حکم فرما رہے ہیں علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین فرما کر آپ نے تمام خلفائے راشدین کی سنت کو مستقل دین بتا کر ان کو لازم پکڑنے کا حکم فرمایا ہے، اگر خلفائے راشدین کا دین میں کوئی مقام نہیں تو آپ کا یہ ارشاد کیوں؟

جن کی نگاہ کتاب وسنت پر ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور مجتہدین فقہاء کی رہنمائی کے بغیر کتاب وسنت کو سمجھا نہیں جا سکتا اور نہ پورے ومکمل دین پر عمل کرنا ممکن ہے، صحابہ کرام اور تابعین وائمہ دین وفقہائے کرام کو ساقط قرار دے کر دین پر ایسا ہی عمل ہو گا جیسا کہ اہل قرآن کا عمل دین پر ہوتا ہے۔

جب آدمی خود رائی پر آتا ہے اور صرف اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کا مزاج کیسا بن جاتا ہے اور اس کی زبان سے کیا کچھ نکلتا ہے، اس کی ایک مثال سنئے:

مرنے کے بعد مومن اور کافر کی حالت الگ الگ ہوتی ہے، نبی اور غیر نبی کی حالت میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، یہ بات مسلم ہے کسی مسلمان کا اس میں اختلاف نہ ہونا چاہئے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی غیر مقلدین کے بہت بڑے امام ہیں جب انہوں نے غیر مقلدیت کے ذہن سے اس مسئلہ پر غور کیا اور صحابہ کرام وتابعین اور ائمہ دین اور فقہائے امت کو بیچ سے نکال کر اس بارے میں سوچا تو اب ان کی رائے اور سوچ یہ تھی، فرماتے ہیں:

''وجملہ اموات از مومنین وکفار از حصول علم وشعور وادراک وسماع وعرض اعمال در وجواب برزائر برابر اند تخصیص بانبیاء وصلحاء نیست''

(دلیل الطالب ص ۸۸۶)

یعنی تمام مردے عام اس کے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم وشعور ادراک سننے اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں''

بھلا بتلائیے کہ مرنے کے بعد کیا کافر کا شعور وعلم اور انبیاء علیہم السلام کا شعور وعلم برابر ہے، کیا یہ بات کسی مسلمان کی زبان سے نکل سکتی ہے، کیا قبر میں جس طرح انبیاء علیہم السلام سنتے ہیں کافر کا بھی سننا اسی طرح سے ہوتا ہوگا۔

ذرا کسی حدیث کا غیر مقلدین اتہ پتہ بتلائیں جس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہو۔ نواب صاحب مرحوم سے ایسی شدید لغزش محض اس بنا پر ہوئی کہ انہوں نے دین کو اسلاف سے سمجھنے کے بجائے اپنی رائے سے سمجھنے کی کوشش کی، میرے نزدیک کسی بھی مسلمان کے لئے یہ نہایت خطرناک بات ہے کہ اس میں اسلاف کی عدم تقلید اور ان کیعلم و

فہم سے بیزاری کا جرثومہ پیدا ہو جائے۔آجکل غیر مقلدین کا نوجوان طبقہ سلفیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے امت کے نوجوانوں کو اسلاف ہی سے بدظن کر رہا ہے، یہ وقت حاضر کا بہت بڑا فتنہ ہے، اللہ اس کے شر سے ہم سب کو محفوظ رکھے، اور ہمیں صحابہ کرام و تابعین، عظام، ائمہ دین، فقہائے امت اور محدثین کے راستہ پر گامزن رکھے انہیں کا ہمیں متبع و مقلد بنائے اور انہیں علم و فہم کی روشنی میں ہمیں دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، تقلید میں دین وایمان کی سلامتی ہے عدم تقلید کا راستہ نہایت خطرناک ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے مدون ہو جانے کے بعد ساری امت نے اسی تقلید کے راستہ کو اختیار کیا ہے، ہمارے اور آپ کے بھی دین کی سلامتی کا واحد ذریعہ اور خصوصاً اس زمانہ میں بھی تقلید اور اسلاف پر اعتماد ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا ھدایہ کتاب قرآن کی طرح ہے؟

محترم مولانا غازی پوری مدظلہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ہمارے اطراف گجرات میں غیر مقلدین کی کچھ چھٹ پٹ آبادیاں ہیں، جہاں ان کے دو چار گھر ہیں، یہ فتنہ وفساد کی باتیں کرتے رہتے ہیں، احمد آباد شہر اس قسم کی باتوں سے نا آشنا تھا مگر کچھ روز سے غیر مقلدین کا نوجوان طبقہ کوئی نہ کوئی بات پیدا کرتا رہتا ہے، تبلیغی جماعت کے خلاف ان کا بڑا زور لگتا ہے۔

آج کل ان لوگوں نے ایک نیا شوشہ یہ چھوڑ رکھا ہے کہ ھدایہ میں لکھا ہے کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے، آپ کی کتابیں ہم نے پڑھی ہیں، اس لئے اب ان کی کسی بات پر اعتبار نہیں رہ گیا ہے کہ یہ کتنا سچ کہتے ہیں اور کتنا جھوٹ مگر عوام کو یہ ورغلاتے رہتے ہیں، مندرجہ باتوں کی کیا حقیقت ہی، براہ کرم بذریعہ زمزم مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی واقف ہوں۔

احمد موسیٰ احمد آباد گجرات

زمزم! غیر مقلدین حضرات سے صرف آپ ہی نہیں یا آپ کا علاقہ ہی نہیں بلکہ ہندو پاک کے بیشتر علاقے ان کی فتنہ سامانیوں اور شر انگیزیوں سے پریشان ہیں ان کی تحریک کا مقصد عوام میں اضطراب پیدا کرنا اور اسلاف سے بیزار کرنا ہے، خدا امت

اسلامیہ کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔

میرا خیال ہے جس غیر مقلد نے یہ بات اڑائی ہے کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے، اس نے غالباً حکیم صادق سیالکوٹی غیر مقلد کی کتاب سبیل الرسول سے یہ بات نقل کی ہے، اس لئے کہ یہ جھوٹ سبیل الرسول والے ہی نے بولا ہے، وہ لکھتا ہے:

جس طرح قرآن کے بعد اصح الکتاب (۱) حکیم صادق سیالکوٹی سبیل الرسول کے مصنف نے خدا کا ادنی خوف رکھے بغیر اتنا بڑا جھوٹ گڑھا ہے، ہدایہ کوئی نایاب کتاب نہیں ہے، ہر عربی مدرسہ میں اس کا ایک نہیں کئی نسخہ موجود ملے گا۔ کسی غیر مقلد عالم کا آپ ہاتھ پکڑیئے اور کسی بھی آس پاس کے عربی مدرسہ میں لیجا کر اس کے ہاتھ میں ہدایہ دے دیجئے اور اس سے کہئے کہ دکھلاؤ یہ بات ہدایہ میں کہاں لکھی ہے، وہ ہدایہ کے اوراق ساری زندگی الٹتا پلٹتا رہے گا مگر ہدایہ میں اسے یہ بات نظر نہیں آئے گی، غیر مقلدین علماء خود تو جھوٹ بولتے ہی ہیں افسوس یہ کہ وہ اپنے عوام کو بھی جھوٹ کی راہ پر لگاتے ہیں۔

حکیم صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب سبیل الرسول میں مولانا یوسف جے پوری کی کتاب **حقیقۃ الفقہ** سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، حقیقۃ الفقہ کی باتیں کبھی حوالہ دیکر اور کبھی بلا حوالہ دیئے ہوئے اس کتاب میں نقل کرتے رہتے ہیں، یہ بات بھی انہوں

یہ ہے حکیم صاحب غیر مقلد کی قابلیت کا ادنی نمونہ اصح الکتاب فرما رہے ہیں، اور اس قابلیت کے بل بوتہ پر وہ کتاب وسنت سمجھنے کا بھی حوصلہ رکھتے ہیں۔ صحیح بخاری ہے، اسی طرح احناف میں ہدایہ کا درجہ ہے کہ ہدایہ ہی میں لکھا ہے کہ ان الھدایۃ کالقرآن کہ ہدایہ مثل قرآن ہے'' ص ۲۲۸

نے غالباً حقیقۃ الفقہ ہی سے اڑائی ہے، مگر حقیقۃ الفقہ والے نے ہدایہ کا نہیں بلکہ مقدمہ ہدایہ کا حوالہ دیا ہے، ہمارے پاس جو ہدایہ ہے ہم نے اس کا مقدمہ دیکھا ہے ہمیں یہ بات ہدایہ کے مقدمہ میں بھی نظر نہیں آئی، یقیناً یوسف جے پوری نے بھی جھوٹ بولا ہے، یا معلوم نہیں اس کے نزدیک ہدایہ کے مقدمہ سے کیا مراد ہے (۱)

یہ ہدایہ ہے جس کی شان میں یہ شعر مقدمہ ہدایہ میں منقول ہے۔

انالهداية كالقرآن قد نسخت ماصنفو اقبلها فى الشرع من كتب

ترجمہ: ہدایہ قرآن کی طرح ہے جس نے تمام پہلی کتابوں کو جو شروع میں لکھی گئیں منسوخ کر دیا ہی (حقیقۃ الفقہ ص ۱۵۴)

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس جو ہدایہ ہے اس کے مقدمہ میں مجھے یہ شعر کہیں نظر نہیں آیا، اب اگر مولانا یوسف کی یہ بات یا یہ حوالہ صحیح ہے تو ہدایہ کے مقدمہ میں کوئی غیر مقلد عالم یہ شعر دکھلائے، ورنہ اللہ سے ڈرے اور دین کے نام جھوٹ بول بول کر بے دینی کا کام نہ کرے۔

آپ کا جواب تو پورا ہو گیا مگر مجھے ناظرین کی آنکھیں کھولنے کے لئے غیر مقلدین علماء کی قابلیت کو بھی ظاہر کرنا ہے۔

غالباً مقدمہ ہدایہ سے مراد ہے ہدایہ کے شروع میں ہدایہ کتاب کی تالیف کے صدیوں بعد مولانا عبدالحئی لکھنوی کی وہ تحریر ہے جس میں انہوں نے ہدایہ اور اس کے مصنف کے بارے میں اپنی معلومات جمع کی ہیں اور اس کو ہدایہ کے ساتھ ناشرین نے شائع کیا ہے، یہ شعر مولانا لکھنوی کی اس تحریر میں ہے، اگر ان غیر مقلدین کی نیت صاف ہوتی تو اس کو واضح کرتے کہ مقدمہ ہدایہ سے مراد مولانا لکھنوی کی تحریر ہے۔ بہر حال یوسف جے پوری کی پوری بات سنئے فرماتے ہیں:

حکیم صادق سیالکوٹی نے صرف اتنا نقل کیا ہے۔ان الهداية كالقرآن اور ترجمہ کیا ہے کہ ہدایہ مثل قرآن کے ہے۔

اورمولانا یوسف جے پوری نے پورا شعرنقل کیا ہےاور ترجمہ کیا ہے:

ہدایہ قرآن کی طرح ہے جس نے تمام پہلی کتابوں کو جو شروع میں لکھی گئیں منسوخ کر دیا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ یہ شعر کس کا ہےاور کہاں لکھا ہے آیئے ہم دیکھیں کہ اس شعر کے ترجمہ میں غیر مقلدین کے یہ مجتہدین علماء کیسا غچہ کھارہے ہیں، نہ تو حکیم صادق سیالکوٹی نے شعر کو سمجھا اور نہ مولانا یوسف جے پوری نے شعر کا مطلب ومفہوم جانا،شعر کا صحیح اور با محاورہ ترجمہ یہ ہے:

بیشک ہدایہ نے قرآن کی طرح پہلے کی تمام فقہی کتابوں کومنسوخ کر دیا ہے۔

شعر کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح قرآن نے گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کو اپنی فصاحت و بلاغت اور اسرار و حکم اور آخری کتاب ہونے کی وجہ سے منسوخ کر دیا ہے اسی طرح سے ہدایہ اپنے عمدہ اسلوب تحریر،عبارت کی جامعیت و بلاغت و جزالت کی وجہ سے پہلے کی تمام فقہی کتابوں سے فائق ہے، اگر صرف ہدایہ کو پڑھ لیا جائے تو فقہ کی کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

شاعر کا مقصد تو یہ ہے، جس میں کسی طرح کی معنوی قباحت نہیں، یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے بخاری کی شرح فتح الباری کے بارے میں کوئی کہے کہ جس طرح قرآن سے بقیہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں کسی اور کتاب کی اب حاجت نہیں اسی طرح فتح الباری نے حدیث کی تمام شروح کو منسوخ کر دیا ہےاس کتاب کے بعد بخاری کی کسی اور شرح کی ضرورت نہیں رہتی، فتح الباری کے بارے میں اس کا اظہار خیال زیادہ سے زیادہ کسی اور کو

بات ہے جیسے بخاری کی شرح فتح الباری کے بارے میں کوئی کہے کہ جس طرح قرآن سے بقیہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں کسی اور کتاب کی اب حاجت نہیں اسی طرح فتح الباری نے حدیث کی تمام شروح کو منسوخ کر دیا ہے اس کتاب کے بعد بخاری کی کسی اور شرح کی ضرورت نہیں رہتی، فتح الباری کے بارے میں اس کا اظہار خیال زیادہ سے زیادہ کسی اور کو مبالغہ نظر آئے گا مگر معنوی طور پر یہ بات ایسی نہیں ہے کہ کسی کو اس پر اعتراض کی گنجائش ہو، شاعر نے ہدایہ کو قرآن کی طرح نہیں کہا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ قرآن نے جس طرح دوسری آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا اسی طرح ہدایہ نے دوسری فقہی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے یعنی ہدایہ کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، اگر کسی کا یہ خیال ہو تو آپ کو یا کسی کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے مگر غیر مقلدین مجتہدین شعر کا غلط ترجمہ کر کے بات کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔(۱) اہل علم جان رہے ہیں کہ شعر میں **الھــــدایۃ** یہ ان کا اسم ہے اور کالقرآن سے آخر تک سب مل ملا کر ان کی خبر ہے۔ اور پورے شعر کا ترجمہ صحیح وہ ہے جو میں نے کیا ہے، مگر غیر مقلدین قابل لوگ ان **الھدایۃ** کو مبتدا بنا کر کالقرآن کو خبر بنا دیتے ہیں اور یہیں بات کو پوری کر رہے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے، واہ رے قابلیت اگر جملہ یہیں پر مکمل ہوتا تو پھر ضروری تھا کہ کالقرآن کے بعد الذی یا التی اسم موصول لایا جاتا۔ بلا اس کی عبارت درست نہیں ہو سکتی تھی۔

اور کمال تو مولانا یوسف جے پوری کا ہے فی الشرع کا ترجمہ آپ کرتے ہیں شروع میں ایسے پاگلوں کو جے پور سے لا کر آگرہ کے پاگل خانہ میں کیوں نہیں رکھ دیا گیا۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے شعر کا ترجمہ صحیح کیا ہے، ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ہدایہ نے قرآن مجید کی طرح ان کتابوں کو منسوخ کر دیا جو اس کے پہلے لوگوں نے تصنیف کی تھیں، القالہ الحسینی مولانا نے جاہل یہ مقلدین کی طرح، ہدایہ قرآن کی طرح ہے'' ترجمہ نہیں کیا ہے۔

بھلا بتلایئے جس کو عربی کے ایک معمولی شعر کا ترجمہ کرنے کا سلیقہ نہ ہو۔ جو عربی کی معمولی عبارت کا صحیح ترجمہ نہ کرسکتا ہو اور نہ سمجھ سکتا ہو اس کو شوق ہوتا ہے ہدایہ کے خلاف منہ زوری دکھلانے کا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون .

ابھی حقیقہ الفقہ کتاب جب میں نے دیکھی تو اس میں عربی کی اس عبارت پر نظر پڑ گئی والا ولی ان یکون الشرع اسما للدین فلا یحتاج الی التاویل (۱۲۵ص) اور اس کا ترجمہ یہ جے پوری قابل صاحب کرتے ہیں۔ شرع نام ہے دین کا جو تاویل کا محتاج نہیں۔ اہل علم داد دین اس ترجمہ کی اور جامعہ سلفیہ والے مٹھائی تقسیم کریں قابلیت کے اس شاہکار نمونہ پر۔ چونکہ غیر مقلدین کو حقیقہ الفقہ پر بڑا ناز ہے اور اس کا موئف جو جاہل محقق تھا اس کو یہ لوگ بڑا محقق سمجھتے ہیں، اس لئے ذرا اس کی قابلیت کا ایک نمونہ اور اہل علم ملاحظہ فرمائیں مگر شرط یہ ہے کہ قہقہہ نہ لگائیں، تدریب الراوی سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ وکان یقول وایاکم والا خذبالحدیث الذی اتا کم من بلا داھل الرای الابعد التفتیش (۱)

یہ ہے الابعد التفتیش کا شاندار شاہکار ترجمہ، متبنی ہوتا تو یوسف جے پوری کی قابلیت پر پورا ایک قصیدہ کہہ دیتا۔

میں کیا بتاؤں جب میں غیر مقلدین مجتہدین کی قابلیتوں کے نمونے دیکھتا ہوں تو حیران ہو کر سوچتا ہو کہ جہل مرکب کے یہ گرفتار یے آخر کب اپنی اوقات پہنچانیں گے

(۱) عوام ناظرین کی خاطر اس کا صحیح ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے۔ یعنی امام شافعی فرماتے تھے کہ اہل الرائے کے شہروں سے جو حدیث آئے اس کو چھان بین کر کے ہی لینا۔ اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ کوئی حدیث بھی عراق سے آوے اور اس کی اصل حجاز سے نہ ہو تو نہ قبول کی جاوے اگر چہ صحیح ہو نہیں چاہتا ہوں مگر خیر خواہی متبنّی تیری ۱۳۴ص

ایسے لوگ امت کو گمراہی کی کس خندق و کھائی میں ڈالیں گے، آقائے دو جہاں کی پیشنگوئی آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جاہل دین کے ٹھیکہ دار بن گئے ہیں انھوں نے حرام کی تمیز اٹھادی ہے۔ ضلوا فاضلوا کا پورا نقشہ آج نگاہوں کے سامنے ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہدایہ میں یا ہدایہ کے مقدمہ میں مذکورہ بالا شعر یا یہ بات کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے کہیں نہیں ہے اگر کسی کتاب میں یہ شعر مذکور بھی ہے تو اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو غیر مقلدین بیان کرتے ہیں اس شعر میں کسی طرح کی کوئی معنوی قباحت نہیں ہے جیسا کہ عرض کیا گیا، غیر مقلدین کی باتوں کو سنجیدگی سے سننے کی ضرورت نہیں ہے یہ وہ جماعت ہے جو ہر روز ایک نیا فتنہ جنم دیتی ہے بس اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا صاحبین نے امام ابوحنیفہ سے دوثلث مسائل میں اختلاف کیا ہے؟

محترم حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمدللہ زمزم پابندی سے مل رہا ہی، اور اس کے مضامین سے ہم نے بڑا نفع اٹھایا ہے، براہ کرم یہ واضح کریں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے امام ابویوسف اور امام محمد نے جن کو صاحبین کہا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوتہائی مسئلوں میں اختلاف کیا ہے۔ اس کو غیر مقلدین بہت اچھالتے ہیں۔

والسلام

عبدالقدوس میرٹھ

زمزم! غیر مقلدین حضرات کی سب سے لذیذ غذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین وتنقیص کرنا ہے، یہ ہر اس بات کو اچھالتے ہیں جس سے امام عالی مقام کا رتبہ گھٹے، آجکل غیر مقلدیت کا شیوہ وشعار یہی بات رہ گئی ہے، اور سب سے بڑا غیر مقلد وہی ہے جس کی زبان حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں سب سے زیادہ چلے، اگر یہ بچارے اس بات سے واقف ہوتے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں گستاخی کرنے والا

اپنے ایمان سے بھی محروم ہو جاتا ہے تو یہ ایسی حرکت کبھی نہ کرتے ، سنئے امام ابوحنیفہ کی شان گھٹانے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے اور وہ ایمان کی دولت سے کیسے محروم ہو جاتا ہے۔

مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور غیر مقلد واہلحدیث عالم تھے، ان کے والد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اہلحدیث تھے مگر صاحب دل اور صاحب معرفت تھے، مولانا داؤد غزنوی اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> ''ایک روز حضرت والد بزرگوار کے درس بخاری میں ایک طالب علم نے کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہ کو پندرہ حدیثیں یاد تھیں، مجھے ان سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، والد صاحب کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا، اس کو حلقۂ درس سے نکال دیا اور مدرسہ سے خارج بھی کر دیا، اور بمجوائے اتقوا بفراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله. (۱) یعنی مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔
> فرمایا کہ اس شخص کا خاتمہ دین حق پر نہیں ہوگا، ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ معلوم ہوا کہ وہ طالب علم مرتد ہو گیا۔'' (داؤد غزنوی ص ۳۸۴)

ہم مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب دل اور صاحب معرفت تو نہیں ہیں کہ ہم قطعیت کے ساتھ اس طرح کا کوئی دعوی کر سکیں، مگر ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ ائمہ دین کی شان میں گستاخ غیر مقلدین کی دینی زندگی تباہ و برباد رہتی ہے حتی کہ یہ عبادتوں سے بے تعلق ہو جاتے ہیں اور نماز جیسی عبادت بھی ان کے یہاں ایک رسمی کاروائی بن کر رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دین و ایمان کی حفاظت فرمائے۔

رہا آپ کے سوال کا جواب تو ہمارا دوٹوک جواب تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کا بدترین پروپیگنڈہ ہے، اگر یہ بات غیر مقلدین کسی سے نقل کر کے کہتے ہیں تو یہ ان کی تقلیدی

حرکت ان کی غیر مقلدانہ شان کے بالکل خلاف ہے، بلاتحقیق منہ سے بات نکالنا اہل اجتہاد کا کام نہیں ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں شاگردوں کی بہت سی کتابیں اب طبع ہو چکی ہیں، ان کو آدمی دیکھ کر معلوم کرسکتا ہی کہ جس نے یہ اڑایا ہے کہ صاحبین نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو تہائی مسئلوں میں اختلاف کیا ہے اس کی بات میں کتنی سچائی اور کتنا وزن ہے۔

اور کتابوں کو تو جانے دیجئے صرف مؤطا امام محمد کو ہاتھ میں آپ لے لیں اور اس کا صفحہ الٹتے جائیں اور ہاتھ میں قلم اور کاغذ بھی رکھ لیں اور امام محمد ہر حدیث کے ساتھ جو اپنا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کتے ہیں اس کو نوٹ کرتے جائیں اور پھر شمار کرلیں کہ کیا امام محمد دس فیصد مسائل میں بھی امام اعظم سے اختلاف کرتے ہیں، دو تہائی کی بات تو بہت بڑی ہے، یہ اس بات کی تحقیق کا بہت عمدہ اور آسان ذریعہ ہے اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ غیر مقلدین حضرات اس طرح کی باتیں بلاتحقیق اڑاتے ہیں، اور اگر کسی حنفی کی کتاب میں ان کو اسی طرح کی بات مل جائے تو پھولے نہیں سماتے، مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی نے یہ بات کہیں لکھ دی ہے اور وہ بھی ایک ایسی کتاب کے حوالہ سے جو منسوب تو ہے امام غزالی کی طرف مگر فی الاصل وہ ان کی کتاب ہی نہیں ہے، اور اگر کسی نے اس کو امام غزالی کی کتاب کہا بھی ہے تو اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کتاب میں تمام باتیں امام غزالی کی نہیں ہیں بلکہ بہت سی باتیں دوسروں نے اس میں شامل کردی ہیں، اس کی کچھ تفصیل علامہ ابن حجر مکی شافعی کتاب الخیرات الحسان میں موجود ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

فقہائے کرام کے اقوال کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوا کرتی ہے

غیر مقلدین حضرات جب دلائل کے میدان میں مات کھا چکے ہیں تو انہوں نے مقلدین عوام ورغلانے اور اسلاف سے بدگمان و بیزار کرنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ وہ چند سوالات ترتیب دیتے ہیں، اور اس کو اشتہار کی شکل میں عوام میں پھیلاتے ہیں اور ان کو جواب عوام سے مانگتے ہیں، اس طرح کے کئی سوالاتی اشتہار ہماری نظر سے گذرے ہیں، غیر مقلدین کا عوام سے ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں جب ائمہ وفقہاء کے مختلف اقوال ہیں تو سب کیسے حق ہوں گے؟ اس سوال کی ان کے نزدیک اتنی اہمیت ہے کہ مجھے تمام اشتہاراتی سوالات میں یہ سوال ضرور نظر آیا، اس سوال کا مقصد عوام کو اسلاف سے بدظن و بدگمان کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اگر تحقیق حق منظور ہوتی تو کسی معتبر و مستند عالم سے رجوع کر کے اس کا جواب معلوم کیا جا سکتا تھا، مگر جب عوام میں دین و مذہب کے خلاف اشتعال پیدا کرنا ہی مقصد ہو تو یہ سنجیدہ طریقہ غیر مقلدین کیوں اختیار کرتے۔

درج ذیل سطور میں ہم اس سوال کا جواب دیں گے، ہم قارئین سے گذارش کریں گے کہ ہماری ان سطور کو وہ سنجیدگی اور غور فکر سے پڑھیں انشاء اللہ اس سوال کا کافی و شافی جواب ان کو ملے گا۔

اس سلسلہ کی پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جس طرح غیر مقلدین یہ سوال فقہی مسائل

کے بارے میں کرتے ہیں اور اس کو اسلاف کی شان میں بدظنی و بدگمانی کا ذریعہ بناتے ہیں اور عوام کو فقہائے امت وائمہ دین کے خلاف ورغلاتے ہیں، بالکل یہی کام منکرین سنت احادیث کے باری میں کرتے ہیں، اور اس قسم کے سوال کو محدثین کے خلاف عوام کو مشتعل کرنے اور ان سے بدظن کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں، منکرین سنت عوام سے کہتے ہیں کہ احادیث پر عمل کیسے ممکن ہے جب کہ ایک ہی حدیث کو ایک محدث صحیح قرار دیتا ہے اور دوسرا ضعیف، ایک راوی کے بارے میں کسی محدث کی اچھی رائے ہوتی ہے اور وہ اس کی حدیث کو قبول کرتا ہے جب کہ وہ ہی راوی دوسرے محدثین کے یہاں ضعیف ہوتا ہے اور اس کی روایت ان کے یہاں مردود ہوتی ہے۔

عوام بیچارے اس طرح کے سوالات سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر غدا کا فضل نہ ہوتو منکرین سنت کے جال میں پھنس جاتے ہیں، اور محدثین کے بارے میں بدعقیدہ اور احادیث کے منکر ہو جاتے ہیں۔

غیر مقلدین نے عوام مسلمین کو فقہ اور فقہاء سے بدظن کرنے کا منکرین سنت والا یہی طریقہ اختیار کیا ہے، جس طرح منکرین سنت کے حدیث کے بارے میں سوالات اور شکوک محض شیطانی فریب ہیں، غیر مقلدین کا بھی یہ عمل فقہ اور فقہاء کے بارے میں شیطانی عمل اور فریب ہے۔

محدثین وفقہاء اور فقہ وسنت کے بارے میں اہل سنت والجماعت میں کبھی اس قسم کے شکوک وسوالات پیدا نہیں کئے گئے، یہ اس دور ضلالت کی ایجاد ہے، فقہاء کے مابین جو اختلافات ہوتے ہیں ان کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر ہوتی ہے ہر فقیہ ومجتہد کے پاس کتاب و سنت سے دلائل ہوتے ہیں، اور جب کوئی بات کتاب وسنت کی روشنی میں کہی جائے گی تو وہ حق ہی ہوگی اس کے ناحق ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، ناحق وہ بات کہلاتی ہے جو

کتاب وسنت کے معارض ومخالف ہو، اور جس کی بنیاد خواہشات نفسانی پر ہو، مندرجہ ذیل مسئلہ میں دیکھئے کہ فقہاء ومحدثین کے اقوال الگ الگ ہونے کے باوجود بھی ہر ایک کا قول کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے مؤید ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہو اور وہ پھر کسی مسجد میں آتا ہے جہاں نماز ہو رہی ہو تو وہ کیا کرے، آیا وہ نماز میں شریک ہو جائے یا شریک نہ ہو۔

اس بارے میں مؤطا امام مالک اور نسائی میں یہ حدیث ہے۔

حضرت محجن رضی اللہ عنہ کے لڑکے بشر بن محجن فرماتے ہیں کہ ان کے والد رسول اکرم ﷺ کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ نماز کیلئے اذان کہی گئی، رسول اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی اور حضرت محجن نماز میں شریک نہیں ہوئے، نماز سے فراغت کے بعد آنحضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تم نے لوگوں کیساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ تو حضرت محجن نے جواب میں فرمایا کہ میں گھر سے نماز پڑھ کر آیا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں آؤ تو لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ، اگرچہ تم نماز پڑھ چکے ہو۔

اس حدیث کی روشنی میں مسئلہ مذکورہ میں فقہاء کے جو اختلافات ہیں اب آپ ان پر نظر فرمایئے اور ان کے دلائل دیکھئے

(۱) اگرچہ یہ حدیث مطلق ہے مگر جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو گھر میں تنہا نماز پڑھ کر کے آیا ہو، اور جس نے باجماعت نماز پڑھ لی ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے، اس لئے کہ وہ جماعت کی فضیلت حاصل کر چکا ہے، ان حضرات کے پیش نظر آنحضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے **لا تعاد صلوٰۃ فی یوم مرتین** یعنی ایک نماز کو دو مرتبہ نہیں پڑھا جائے گا، یعنی اگر کسی نے ایک دفعہ نماز باجماعت ادا کر لی ہے تو وہ اس نماز کو دوبارہ جماعت سے نہیں پڑھے گا۔

فقہائے امت میں سے اس کے قائل امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور ان ائمہ کرام کے اصحاب وتلانذہ ہیں۔

صحابہ کرام میں سے یہی مسلک حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام سلیمان فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے پاس آیا اور دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور حضرت ابن عمران کے ساتھ شریک نہیں ہیں تو میں نے ان سے پوچھا آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے ،تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ایک نماز کو دوبارمت پڑھا کرو، یہ روایت ابوداؤد،نسائی اوراحادیث کی متعدد دوسری کتابوں میں ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اوپر والی حدیث حضرت محجن والی مطلق تھی مگر جمہور فقہاء نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے، مگر ان کا جو قول ہے وہ بھی حدیث کی روشنی ہی میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی وہی ہے جو جمہور فقہاء کا ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں حضرت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہو یہ اور داؤد ظاہری کا قول یہ ہے کہ جو شخص نماز جماعت سے ادا کر چکا ہو پھر کسی مسجد میں وہ جائے جہاں جماعت ہو رہی ہو تو اس کیلئے اس جماعت والی نماز میں شریک ہونا جائز ہے۔

ان حضرات کے سامنے حضرت محجن رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے۔مگر انہوں نے اس حدیث میں آپ کا جو فرمان یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ اس سے وجوب اور تاکید مراد نہیں لیا ہے، بلکہ صرف جواز مراد لیا ہے البتہ حالت اقامت میں مسجد سے باہر نکلنا اور نماز نہ پڑھنا یہ ان ائمہ کرام کے نزدیک جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے روایت میں ہے کہ ایک شخص تکبیر کہی جارہی تھی اور وہ بلا نماز پڑھے

مسجد سے باہر چلا گیا تو آپ نے فرمایا اس شخص نے رسول اللہ کی نافرمانی کی، مسلم، احمد، ابوداؤد وغیرہ متعدد کتابوں میں یہ روایت ہے۔

(۳) اس مسئلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت انس بن مالک، وصلہ بن زفر، امام شعبی، امام نخعی کا قول یہ ہے کہ اگر کسی نے جماعت کے ساتھ بھی نماز پڑھ لی ہو اور پھر وہ ایسی مسجد میں گیا کہ وہاں جماعت ہو رہی ہو تو اس کو دوبارہ نماز جماعت سے پڑھ لینی چاہئے۔

ان حضرات نے حضرت محجن والی روایت کو مطلق سمجھ کر یہ قول اختیار کیا ہے۔

ناظرین غور فرمائیں کہ ایک مسئلہ میں صحابہ کرام، ائمہ دین وفقہاء ومحدثین کے مختلف اقوال ہیں اور ہر ایک قول کی بنیاد احادیث رسول ہی ہیں، اس لئے کسی ایک قول کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں قول حق ہے، اور فلاں قول حق نہیں ہے، جب یہ سارے اقوال احادیث رسول اور صحابہ کرام کی اتباع وتقلید ہی میں اختیار کئے گئے ہیں تو سارے اقوال ہی حق شمار ہوں گے، ان میں سے کوئی قول بھی کوئی اختیار کرے گا وہ اہل حق ہی میں شمار ہو گا اس وجہ سے اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مذاہب اربعہ تمام کے تمام حق ہیں، اس لئے کہ تمام ہی مذاہب کی بنیاد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر ہے۔

ائمہ دین کے کسی مسئلہ میں مختلف اقوال دیکھ کر عوام کو ورغلانا اور ان کو دین و مذہب اور اسلاف سے بدگمان وعقیدہ کرنا یہ ایسی شیطانی حرکت ہے جس سے ہزار بار اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے، اگر حق اور ناحق ہونے کی بنیاد یہی چیز ہو تو پھر احادیث رسول بلکہ قرآن پاک کے بارے میں بھی آدمی کو شکوک وشبہات میں گمراہ اذہان وافکار کے لوگ مبتلا کر سکتے ہیں۔ (۱) حاشیہ اگلے صفحے پر

ہمارے دین وایمان کی حفاظت وبقاء کا دارومدار اس پر ہے کہ ہم اسلاف کے

دامن کو مضبوطی سے تھامے رہیں، اور انہیں کی تشریح وتوضیح کی روشنی میں کتاب وسنت پر عمل کریں (واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم) مزید تفصیل کے لئے حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید جلد چہارم ملاحظہ فرمائیے۔

مثلاً قرآن میں ہے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ یعنی نمازوں کی پابندی کرو اور صلوٰۃ وسطیٰ کی پابندی کرو، اب صلوۃ وسطیٰ کی پابندی کرو، اب صلوۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت ابوسعید خدری کا قول ہے کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہے، حضرت علی اور حضرت حفصہ اور بعض دیگر صحابہ وتابعین کا قول ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت انس بن مالک حضرت عبداللہ بن عباس کی (ایک روایت میں) اور طاؤس، مجاہد عطاء کا قول ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ پانچوں نمازوں میں سے ہر ایک نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے اس وجہ سے کہ ہر نماز سے پہلے اور بعد دو دو نماز ہے۔

قرآن پاک کی ایک آیت کے بارے میں ائمہ دین محدثین اور صحابہ کرام کے درمیان کتنے مختلف اقوال ہیں، اب کیا یہ مناسب ہے کہ ان مختلف اقوال کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی اس آیت کو مشکوک قرار دیا جائے، یا محدثین اور صحابہ کرام کے بارے میں بدظنی و بدعقیدگی پیدا کی جائے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے ابن عبدالبر کی التمہید جلد چہارم)

کیا آنحضور ﷺ کو قبر شریف میں حیات حاصل ہے؟

مکرمی و محترمی حضرت مولانا زاد مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نبی اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں یا مردہ، اہل سنت کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے، غیر مقلدین حضرات کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے، ایک صاحب سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے آیت کریمہ انک میت وانھم میتون سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو قبر مبارک میں حیات حاصل نہیں ہے، براہ کرم زمزم میں اس کی وضاحت فرمائیں۔

والسلام

ناظم حسین انصاری بستی

زمزم!

اہل سنت والجماعت کا عام طور پر عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قبر میں حیات حاصل ہے، اور یہی بات صحیح ہے۔

غیر مقلدین علماء اس بارے میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہیں، ان کے بعض اکابر حیات انبیاء علیہم السلام کے قائل ہیں اور بعض منکر۔

مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حیات انبیاء کا

ہے، فتاوی نذیریہ میں فرماتے ہیں:

''حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو عند القبر درود بھیجتا ہے سنتا ہوں میں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔ (۱)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو روحانی زندگی حاصل ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ کا یہ فتویٰ ملاحظہ ہو۔

سوال:۔ نبی سب حیات ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے انک میت و انھم میتون اے نبی تم بھی مرنے والے ہو اور یہ مخالفین سب بھی ایک دن مرنے والے ہیں۔

رہی روحانی زندگی سو وہ انبیاء اور اولیاء وشہداء سب کو حاصل ہے، مولانا ابوالقاسم سیف بناری کا مذہب یہ ہے کہ:

''انبیاء علیہم السلام کو روحانی زندگی بھی حاصل نہیں ہے''۔ (ص ۱۰۷ ج ۱)

یعنی ان کے عقیدہ کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور عام انسانوں کی موت میں کوئی فرق نہیں جس طرح عام انسان کو خواہ کافر ہو یا مشرک قبر میں کسی طرح کی زندگی حاصل نہیں ہے یہی حال انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ ان کو بھی قبر میں نہ روحانی زندگی حاصل ہے نہ جسمانی، نہ مادی نہ برزخی۔

مولانا سیف بناری مولانا امرتسری کے اوپر والے فتوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) اور یہی مذہب نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی اور نواب وحید الزماں حیدر آبادی صاحب کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے واضح ہے۔ (ص ۵۲ ج ۱)

''حیات برزخی کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے کہ حیات شہداء پر آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الممات قیاس کیا جائے، بلکہ اس کے لئے نص کا ہونا ضروری ہے، آنحضرت کے لئے صاف ارشاد ہے انک میت (یعنی آپ مرنے والے ہیں) آگے چل کر فرماتے ہیں۔''

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ما من احد یسلم علیے الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیه (۱) یعنی جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو میرے بدن میں واپس کر دیتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ اگر آنحضور ﷺ قبر میں زندہ ہوتے تو رد روح چہ معنی دارد (یعنی روح کو سلام کا جواب دینے کیلئے لوٹائے جانے کا کیا مطلب) بخلاف شہداء کے کہ ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے بل احیاء عند ربهم یرزقون (۲) یعنی شہداء اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۱۰۷)

آج کل کے بیشتر غیر مقلدین حضرات کا یہی عقیدہ و مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قبر شریف میں کسی طرح کی حیات حاصل نہیں ہے اور یہ سب حضرات اس عقیدہ کی بنیاد قرآن کی اس آیت کو بناتے ہیں انک میت و انهم میتون یعنی اے محمد ﷺ آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ کافر و مشرکین بھی مرنے والے ہیں۔

میں نے بہت غور کیا مگر مجھے کہیں سے بھی یہ آیت کریمہ منکرین حیات کیلئے دلیل سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ آیت فی الاصل قرآن کے اس ارشاد کے معنی کی تاکید ہے۔ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افأمت فهم الخلدون. یعنی اے نبی اکرم ﷺ ہم

نے آپ سے قبل کسی بشر کو ہمیشہ ہمیشہ کی (دنیا کی) زندگی نہیں دی اگر آپ کا دنیا سے رشتہ ختم ہو جائے اور آپ کو موت آ جائے تو کیا یہ کفار و مشرکین دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

کہا یہ جا رہا ہے کہ دنیا میں اگر آپ کو بقا نہیں تو کافروں و مشرک کو بھی بقا نہیں اور اگر آپ پر موت طاری ہوگئی تو کافر و مشرک پر بھی موت طاری ہوگی دنیا میں آپ کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے نہ کافروں کو۔

یہ مضمون اپنی جگہ پر بالکل برحق ہے مگر اس کا تعلق انبیاء علیہم السلام یا آنحضور اکرم ﷺ کی قبر کی حیات سے کیا ہے۔ موت نام ہے جسد عنصری سے روح کے جدا ہونے کا، اتنی سی بات میں سارے انسان مشترک ہیں، خواہ مومن ہوں، خواہ کافر انبیاء ہوں یا اولیاء اس دنیا سے جانا سب کو ہے اور موت سب پر طاری ہونی ہے اور ہر ایک کے بدن سے اس کی روح نکلنی ہے اس کا نام موت ہے، قرآن کی مذکورہ آیات سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مرنا سب کو ہے مگر مرنے کے بعد قبر میں کیا تمام مرنے والے ایک درجہ میں ہوں گے کفار اور مومنین کی حالت ایک ہی ہوگی، انبیاء اور غیر انبیاء کی حالت میں کچھ فرق نہ ہوگا میرا خیال ہے کہ یہ بات کوئی صاحب ایمان اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتا (۱) افسوس جو بات کسی مسلمان کے وہم و گمان میں نہیں آنے والی تھی وہی بات مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی کا عقیدہ و مذہب بن کر ان کے قلم فیض رقم سے نکلی ہے اپنی کتاب دلیل الطالب میں وہ فرماتے ہیں۔

''و جملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال در جواب برزائر برابر اند تخصیص انبیاء صلحا نسیت (۸۸۶ص) یعنی تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم و شعور ادراک سننے عمل کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے جواب دینے میں برابر و یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں۔''

مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کا شعور ادراک اور علم کو عام مومنین کے برابر قرار دینا بہت بڑی جرات کی بات ہے کہاں

پس جب مومن اور کافر کی انبیاء اور غیر انبیاء کی ان قبروں میں حالت الگ الگ ہوتی تو اگر انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کو پروردگار عالم ان کے اجسام کے باقی رکھنے کے ساتھ اگر ان اجسام کے ساتھ ان کی ارواح کا بھی تعلق قائم فرمادیں تو اس میں استحالہ اور استبعاد کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بدن کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی ہے۔ جب انبیاء کے ابدان محفوظ ہوتے ہیں تو اگر ان بدنوں کے ساتھ روح کا رشتہ بھی قائم رہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کا انکار کرنا کیوں ضروری ہوگا جب کہ متعدد احادیث سے اس کا ثبوت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس درود وسلام پڑھنے والوں کا درود وسلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں منکرین حیات کی تحریروں میں مجھے اب تک کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے قبر میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات کی نفی ہوتی ہو ہاں البتہ متعدد احادیث اس نوع کی ضرور ہیں جن سے ان کی حیات کا پتہ چلتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا مقام علم وعرفان وعلم وشعور اور کہاں عامہ مومنین کا علم وعرفان وعلم وشعور ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اور یہاں تو خانصاحب نے تو غضب ہی کر دیا کہ مومنین اور صلحا کی بات تو الگ وہ فرماتے ہیں کہ کفار کا شعور اور ادراک اور علم بھی مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کے برابر ہوتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ نواب صاحب بھوپالی نے یہ بات شعور وآگہی کی حالت میں رقم فرمائی تھی یا یہ کہ وہ جس وقت لکھ رہے تھے ان پر ذہول ونسیان اور بے شعوری کی حالت طاری تھی اگر انبیاء علیہم السلام حالت زندگی میں اپنے اپنے زمانوں میں علم وشعور اور قوت ادراک میں تمام امتوں سے افضل اور بڑھے ہوئے ہیں تو مرنے کے بعد ان کی یہ قوتیں اور ان کی یہ حالت عام انسانوں کے برابر کیسے ہو جائیں گے حتی کہ کفار اور انبیاء علیہم السلام میں بھی کوئی فرق نہیں رہے گا۔ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

اور جن آیات سے منکرین حیات استدلال کرتے ہیں ان کا تعلق قبر کی حیات اسے ہے ہی نہیں اس میں صرف اس کا ذکر ہے کہ دنیا میں کسی بھی انسان کو دائمی بقا نہیں اور یہ عقیدہ سارے مسلمانوں کا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں قرآن کی کسی آیت یا اللہ کے رسول ﷺ کی کسی حدیث سے انبیاء کی حیات فی القبور کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

آب آخر میں یہ بھی جان لیجئے کہ قبر میں پہنچنے کے بعد انسان کا ادراک اور شعور اور احساس بہت بڑھ جاتا ہے اس وجہ سے انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم کو جو قبر میں حیات ہے وہ دنیا کی حیات سے ادراک وشعور کے اعتبار سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ میرے نزدیک جو صحیح بات تھی وہ عرض کر دی گئی یہ مسئلہ کافی اختلافی ہے مگر عموماً اہلسنت والجماعت کے اکابر کا مسلک یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو قبر میں حیات حاصل ہے اور ادراک وشعور اور علم واحساس کے اعتبار سے یہ زندگی دنیا کی زندگی سے بدر جہا بڑھی ہوئی ہے۔

اگر ان گذارشات سے تسلی نہ ہوئی ہو تو انشاء اللہ اس موضوع پر مفصل ایک تحریر شائع کر دی جائے گی۔

آخر میں ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ حیات انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ مدار ایمان نہیں ہے کہ بلا اس عقیدہ کے کسی کے ایمان میں نقصان ہوگا، اس لئے اس بارے میں بہت زیادہ بحث ومباحثہ سے بچنا چاہئے، عموماً اس طرح کی بحثوں مین زیادہ پڑنے سے آدمی اعتدال کی راہ سے بھٹک جاتا ہے، اگر کوئی حیات انبیاء کا قائل نہیں ہے تو یہ اس کا معاملہ ہے ہم لوگوں کا اپنا عقیدہ جمہور اہلسنت کے مطابق رکھنا چاہئے خواہ تقلیداً ہو یا تحقیقاً، اسی میں ہر طرح کی خیر وعافیت ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب شریعت حاصل ہے؟

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازیپوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا

آپ کے رسالہ زمزم اور بعض کتابوں میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ ''مذہب اہلحدیث'' کا ذکر پڑھا۔ مذہب اہلحدیث کی حقیقت جاننے کے لئے میں نے اس کو ایک جگہ سے حاصل کیا اور اس کو پڑھا، اس رسالہ میں ص ۷۴ میں یہ عبارت ہے۔

''خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا بلکہ کل اہل اسلام کا یہی مذہب ہے کہ سوائے رسول اللہ کے منصب شریعت کسی کو حاصل نہیں'' (مطبوعہ سٹیم پریس امرتسر بماہ اگست ۱۹۱۵ء)

''منصب شریعت کا مطلب تو یہ ہوتا ہی کہ جسے یہ منصب حاصل ہوگا اسے حلال و حرام کا حق حاصل ہوگا جس چیز کو چاہے حلال کردے اور جسے چاہے حرام کردے، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بریلویوں کا یہی عقیدہ تو ہے؟

مولانا امرتسری صاحب کا مذکورہ عقیدہ کو تمام اہل اسلام کا عقیدہ بتلانا کیا درست ہے؟ براہ کرام آپ اس پر روشنی ڈالیں۔

لئیق الزماں انصاری کانپور

۹؍جولائی ۲۰۰۲ء

زمزم!

مجھے آپ کا خط پڑھ کر بہت تعجب ہوا تھا، اس وجہ سے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک جید الاستعداد اور پختہ صلاحیت کے عالم تھے، جماعت اہلحدیث میں ان کا بہت اونچا مقام ہے اور وہ اس جماعت کے شیخ الاسلام تھے، مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ مذکورہ بالا جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اور جس کے مضمون کو مولانا امرتسری نے جماعت اہلحدیث اور کل اہل اسلام کا عقیدہ بتلایا ہے، وہ عبارت ان کے قلم سے نکلی ہوگی، اس لئے مجھے خود اس رسالہ کو دیکھنا پڑا، مجھے وہاں یہ عبارت نظر آ گئی اور اس کے ایک سطر بعد مولانا امرتسری نے آنحضور ﷺ کی شان میں جو قوالی گائی ہے وہ بھی نظر آئی، آپ نے اس قوالی کو نقل نہیں کیا میں ناظرین زمزم کی ضیافت کے لئے وہ قوالی نقل کرتا ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں

بابا کے ہاں سے کون لایا　　　جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب و مقتدا ہے　　　وہ بھی اسی در کا گدا ہے

مولانا امرتسری نے مذکورہ عبارت میں اپنے جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے یعنی سوائے رسول اللہ کے منصب شریعت کسی کو حاصل نہیں یا اپنی قوالی میں جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ جس نے پایا یہیں پایا (یعنی آنحضور ﷺ ہی سے) اور غوث وقطب اسی در کے یعنی آنحضور ﷺ کے در کے گدا اور سوالی ہیں، یہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہو تو ہو (اور نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں جب مولانا امرتسری خود ہی اس کو اہلحدیث کا عقیدہ بتلا رہے ہیں) لیکن ان کا یہ کہنا کہ یہی مذہب اور عقیدہ کل اہل اسلام کا ہے، بالکل غلط اور باطل ہے، یہ عقیدہ شیعوں اور بریلویوں کا تو ہے مگر اہل سنت والجماعت میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ کو منصب شریعت حاصل ہے، یا یہ کہ جس نے جو کچھ پایا ہے آنحضور ﷺ ہی سے

پایا ہے اور سارے انسان آنحضور ﷺ ہی کے در کے گدا ہیں، تمام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کا منصب صرف اللہ کو حاصل ہے اور شارع حقیقی اللہ کی ذات کے سوا کوئی دوسری ذات نہیں ہے، نہ اللہ کے سوا خواہ پیغمبر ہو یا ولی کوئی کسی کو دیتا لیتا ہے، یا یہ کہ انسان کو اللہ کا در چھوڑ کر کسی مخلوق کے در پر سوالی بن کر کے جانا اور اس در کا گدا ہونا جائز اور روا ہے۔

اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا اہلحدیث ہونا تو اس کا در کنار اہلسنت والجماعت کا فرد بھی نہیں شمار ہو سکتا، اس عقیدہ میں کھلا ہوا شرک موجود ہے، اللہ تعالیٰ مولانا امرتسری کو معاف فرمائے، ان کے قلم سے کیسے اس طرح کی خطرناک بات نکلی، معلوم نہیں وہ کسی عالم جذب وسکر میں تھے کہ اس شرکیہ عقیدہ کو انہوں نے اپنا عقیدہ اور مذہب قرار دیا۔

منصب شریعت کا اختیار کس کو ہے، یعنی شارع حقیقی کون ہے، کیا اللہ کے سوا رسول اللہ ﷺ کو بھی اختیار حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں، جیسا کہ بریلویوں کا عقیدہ ہے (اب یہ معلوم ہوا کہ یہی عقیدہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے کو اہلحدیث کہلاتے ہیں) اس موضوع پر مفصل بحث محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے اپنے مشہور رسالہ ''شارع حقیقی'' میں کی ہے۔

---

(۱) یہ رسالہ مولوی سید محمد کچھوچھوی کے ایک رسالہ کا رد ہے، جس میں کچھوچھوی صاحب نے یہ ثابت کیا تھا کہ اللہ کی طرح آنحضور ﷺ کو بھی حلال وحرام کرنے کا حق ہے، مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے، مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مولانا اعظمیؒ فرماتے ہیں:

”تحلیل وقوعہ کے اشیاء کے باب میں تحقیقی مسلک یہ ہے کہ یہ تنہا خدائے تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے، کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اسی کا کام ہے وہ اس میں منفرد ہے اور یہ خالص اسی کا حق ہے کسی دوسرے کو اس میں کسی نوع سے دخل نہیں ہے نہ بالذات کسی کو یہ اختیار حاصل ہے، نہ بتفویض الٰہی، چنانچہ شیخ محقق کمال الدین ابن الہمام حنفی تحریر میں فرماتے ہیں۔ الحاکم لاخلاف فی ان اللہ رب العلمین (ص ۸۹ ج ۲) اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں لا حکم الامن اللہ تعالیٰ ص ۱۲ حکم صرف اللہ ہی کی جانب سے ہوتا ہے“

مولانا اعظمیؒ اس کے معابعد فرماتے ہیں:

یہ معلوم اور کتب اصول فقہ میں مصرح ہے کہ تحلیل اور تحریم حکم تکلیفی کی قسمیں ہیں اور حکم تکلیفی کی تعریف یہ ہے۔ خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بافعال المکلفین طلبا او تخییرا. یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم جو افعال مکلفین سے متعلق ہو بطور طلب یا تخییر کے)

محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مبحث کو دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت محققانہ انداز میں اجاگر کیا ہے، اور اس پر جو شبہات وارد ہوئے ہیں اس کا بہت محققانہ جواب بھی دیا ہے، ایک جگہ تحفہ اثنا عشریہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی بات کی تائید میں یہ عبارت پیش کی ہے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

مذہب صحیح آنست کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبر نمی باشد

یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ تشریع کا معاملہ پیغمبر کے سپرد نہیں ہے

ایک جگہ اور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

بدیہی است کہ امام بلکہ نبی نیز شارع نیست شارع حق تعالیٰ است

یعنی یہ بات بدیہی ہے کہ امام بلکہ نبی بھی شارع نہیں ہے شارع حق تعالیٰ ہے۔

تمام اہلسنت والجماعت اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا یہی مذہب ہے، حضرت اعظمیؒ نے اس بارے میں اہل حق کا مسلک ذکر کرنے اور اس کو اقوال کی روشنی میں واضح کرنے کے بعد نہایت تفصیل سے کتاب وسنت سے بھی اس بات کو ثابت کیا ہے کہ شریعت کا منصب صرف اللہ کو حاصل ہے، پیغمبر کا کام اللہ کی بات بندوں تک پہنچانا ہے، اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال کرنا یا حرام کرنا ان کا منصب نہیں ہے، کبھی نبی اللہ کی بات بذریعہ وحی متلو پہنچاتا ہے جسے قران کہا جاتا ہے اور کبھی نبی اللہ کے احکام کو بندوں تک وحی غیر متلو کے ذریعہ پہنچاتا ہے جسے سنت کہا جاتا ہے، حکم اللہ کا ہوتا ہے نبی اس کا مبلغ ہوتا ہے۔ اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے جیسا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کو منصب شریعت حاصل ہوتا ہے، مولانا کی یہ بات کتاب وسنت اور اقوال علماء کی روشنی میں بالکل غلط ہے، مولانا اعظمی کا رسالہ پڑھنے کے بعد اس بارے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، آپ کو مولانا اعظمی کے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور کر لینا چاہئے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب کی عبارت بڑی خطرناک ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ:

''سوائے رسول اللہ ﷺ کے منصب شریعت کسی کو نہیں''

یعنی مولانا کے نزدیک معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منصب حاصل نہیں ہے، یہ منصب صرف رسول کا حاصل ہے۔ یہ بات تو کوئی جاہل بھی نہیں کہے گا، مولانا ثناء اللہ

صاحب جیسا فاضل عالم اور جماعت اہلحدیث کا شیخ الاسلام کیسے کہہ رہا ہے، اور پھر قوالی گا گا کر اس بات کو مزید پختہ کیا جا رہا ہے۔

مولانا آگے فرماتے ہیں:

''جو بات ایک سائل معمولی علم والوں کو سمجھ میں نہ آویں وہ مجتہد سمجھ سکتے ہیں مگر ایجاد حکم کا منصب ان کو نہیں''

یعنی مولانا یہ فرما رہے ہیں کہ مجتہد کو ایجاد حکم کا منصب نہیں ہوتا، یہ منصب رسول کا ہے حالانکہ جس طرح مجتہد ایجاد حکم کا منصب نہیں رکھتا رسول کو بھی یہ حق اور منصب حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی شرعی حکم ایجاد کرے، اس کا منصب صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا حکم بندوں تک پہنچا دے جیسا کہ اوپر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، آپ ﷺ نے بلا حکم الٰہی اپنے اوپر شہد حرام کر لی تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک یعنی اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔

اگر نبی کو بھی ایجاد حکم کا منصب حاصل ہوتا تو نبی ﷺ کے شہد کے حرام کرنے پر اللہ کی طرف سے یہ تنبیہ کیوں نازل ہوئی۔

یہ آیت تو میں نے اپنی طرف سے پیش کی ہے، مولانا اعظمیؒ نے بہت سی آیات، روایات، اور واقعات کی روشنی میں یہ بتلایا ہے کہ حاکم صرف اللہ ہے اور کسی چیز کو حلال وحرام کرنا صرف اسی کا اختیار ہے، کسی نبی کو جائز و ناجائز اور حلال وحرام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، حکم شرعی کی موجد صرف اللہ کی ذات ہے، کسی نبی یا مجتہد کو ایجاد حکم کا حق حاصل نہیں ہے۔

شریعت حاصل نہیں ہے، صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی کو منصب شریعت حاصل ہے اور نبی احکام شرعیہ کا موجد ہوتا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت کا معاملہ کتنا نازک ہے اور اگر مسائل شرعیہ میں ہر شخص دخل دینے لگے اور خود مجتہد بن کر کتاب وسنت کے سمجھنے کا بار اٹھائے تو وہ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتا ہے، اسی وجہ سے محتاط علمائے دین کا یہ فرمان ہے کہ شرعی معاملات میں ہمیشہ متقدمین اہل علم اور اسلاف امت پر اعتماد کرنا چاہئے، ہر شخص کو یہ حق نہیں ہے خواہ وہ اپنے زعم میں کتنا بڑا بھی علامہ ہو کر وہ شرعی معاملات میں دخل اندازی کرے۔

نورالدین نوراللہ الاعظمی

نوٹ

آپ کا خط مولانا غازی پوری کے نام تھا، مولانا کی مشغولیت کی وجہ سے مجھے جواب لکھنے کا حکم ہوا۔

مولانا امرتسری کے اس رسالہ میں اور بھی بہت سی قابل مواخذہ باتیں جس کا ذکر باعث طوالت ہے، صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے قرآن کی اس آیت **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم** کا یہ ترجمہ کیا ہے جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر ﷺ کے تابع نہ ہوں گے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔ معلوم نہیں مولانا امرتسری نے ہر مذہبی بات کی قید کا یہ اضافہ کیوں کیا؟ گویا مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضور کی تابعداری صرف عبادات ہی میں فرض ہے، غیر عبادت میں فرض نہیں ہے ورنہ پھر مولانا بتلائیں کہ وہ کون سی غیر مذہبی بات ہے جس میں آنحضور ﷺ کی تابعداری فرض نہیں ہے، دین نام ہے عقائد، عبادات، معاملات سب کے مجموعہ کا اور یہ سارے امور مذہبی ہیں...... مولانا نے اس آیت کا یہ ترجمہ ایک خاص ذہن وفکر کے ساتھ کیا ہے جس کا نام غیر مقلدیت ہے، گویا وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مقلدین مذہبی معاملات میں آنحضور ﷺ کے تابع نہیں ہوتے، اس

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

آیت کا صحیح ترجمہ اور مطلب ملاحظہ ہو جس سے آشکارا ہوگا کہ مولانا کا ترجمہ غلط ہے۔ شیخ الہند علیہ الرحمہ اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ ''سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہانتک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی''

اور اس کی تفسیر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی منافق لوگ کس خیال میں ہیں اور کیسے بیہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی و جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کر لیں اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا''۔ اس آیت کا تعلق مذہبی معاملات سے نہیں ہے بلکہ ایک یہودی اور منافق کے جھگڑے سے تھا، یہودی نے آنحضورﷺ کو اپنا حکم تسلیم کیا تھا مگر منافق کو آنحضورﷺ کے فیصلہ سے تنگی پیدا ہوئی تھی۔

ٹخنوں سے نیچے کپڑے کا پہننا اور کھلے سر نماز

مکرمی مولانا محمد ابو بکر صاحب دام مجدہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرات غیر مقلدین ننگے سر نماز پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں اور اس کو سنت بتلاتے ہیں، جرجیس نامی ایک غیر مقلد کی تقریر کا کیسٹ سننے کو ملا جس میں وہ پرزور انداز میں ننگے سر نماز پڑھنے کی تبلیغ کرتا ہے، اس بارے میں فرمائیں کہ کیا آنحضو صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ننگے سر نماز پڑھنے کی تھی؟

بعض لوگ ٹخنے کے نیچے پیجامہ، لنگی، پتلون کئے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ والسلام

جاوید احمد

کانپور

زمزم!

ٹخنے سے نیچے لنگی، پاجامہ یا پتلون پہننا سخت گناہ ہے، اگر کوئی شخص عمداً ایسا کرتا ہے اور اس نے اسی کی عادت بنالی ہے تو اس کا انجام بڑا خطرناک ہے، اور اگر کوئی شخص تکبراً ایسا کرتا ہے تو اور بھی مستحق لعنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا ینظر اللہ عز و جل یوم القیمة الیٰ من جر ثوبه خیلاء. یعنی جو شخص تکبراً اپنا کپڑا ٹخنے سے نیچے کر کے چلتا ہے قیامت کے روز اللہ اس کیطرف نگاہ نہیں کرے گا۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

ازرة المؤمن الی انصاف ساقیه ولا جناح علیه فیما بین ذلک الی الکعبین و ما اسفل من ذلک ففی النار.

یعنی مومن کا لنگی (وغیرہ) کا پہناوا پنڈلی کے نصف تک ہے، اور اگر ٹخنوں تک پہنچ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، مگر ٹخنوں سے نیچے جو پہناوا ہوگا وہ جہنم میں ہے۔ (یعنی ایسا شخص جہنم میں جائے گا)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: **ان جر الاز ارو القمیص و سائر الثیاب مذموم علی کل حال.** (التمهید ص ۲۴۴ ج ۲) یعنی قمیص اور تمام کپڑوں کا ٹخنوں سے نیچے کر کے پہننا ہر حال میں مذموم ہے (یعنی چاہے تکبراً ہو یا تکبرانہ ہو، ایسا کرنا ہر حالت میں ناپسندیدہ اور قابل مذمت عمل ہے)

(۲) ہمیں نہیں معلوم کہ رسول اکرم ﷺ نے ننگے سر ہو کر پنجوقتہ نماز پڑھی ہو، جو لوگ ننگے سر نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں ان کی دعوت گمراہ کن ہے کسی ایک حدیث سے نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ ننگے سر نماز پڑھا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے سر مبارک پر عموماً عمامہ ہوتا تھا، عمامہ ہی کے ساتھ آپ نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت انس بن مالک کی روایت ابوداؤد میں ہے۔ فرماتے ہیں۔ **رائیت رسول اللہ ﷺ یتوضأ و علیه عمامة قطریة** یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو

کرتے ہوئے دیکھا اور آپ کے سر مبارک پر قطری عمامہ تھا۔

کتاب الام میں امام شافعی حضرت عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ ان رسول اللہ ﷺ توضأ فحسر العمامة عن رأسه یعنی رسول اکرم ﷺ نے وضو کیا تو اپنا عمامہ سر سے اوپر کر کے مسح کیا۔

حضرت مغیرہ کی مسلم میں روایت ہے ان النبی ﷺ مسح بنا صية وعلی العمامة و علی خفيه یعنی آنحضور ﷺ نے پیشانی، عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں آپ کے سر پر عمامہ ہوا کرتا تھا،

مسلم کی روایت میں ہے، عمرو بن حریث فرماتے ہیں رأيت رسول الله ﷺ علی المنبر و عليه عمامة سوداء قدارخی طرفيها بين كتفيه. یعنی میں نے رسول اکرم ﷺ کو منبر پر دیکھا، آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا اس کے دونوں کناروں کو آپ ﷺ نے دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں ان رسول الله ﷺ دخل مكة و عليه عمامة سوداء (مسلم) یعنی رسول اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ آپ اپنے سر پر عمامہ رکھتے تھے، اگر عمامہ نہ ہوتا تو آپ کے سر مبارک پر ٹوپی ہوتی سر ننگا نہ ہوتا۔ ابن قیم فرماتے ہیں۔

كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليا و كان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة، و كان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. (زادالمعاد

ص ۱۳۵ ج ۱)

یعنی نبی اکرم ﷺ کہ ایک عمامہ کا نام ''سحاب'' تھا، اس کو آپ نے حضرت علی کو پہنا دیا تھا، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ عمامہ پہنتے اور اس کے نیچے ٹوپی ہوتی، اور کبھی ٹوپی پہنتے بغیر عمامہ کے اور کبھی عمامہ پہنتے بلاٹوپی کے۔ (زادالمعاد ص ۱۳۵ ج ۱)

ان مذکورہ نصوص کی روشنی میں ان لوگوں کی دعوت گمراہ کن ہے جو ننگے سر نماز پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

آپ نے رفع یدین اور آمین بالجہر کی دعوت دینے کے لئے تو غیر مقلدوں میں خوب جوش وخروش دیکھا ہوگا، مگر رسول اکرم ﷺ کی عمامہ والی سنت پر عمل کرانے کے لئے غیر مقلدین نے چند سطر کا ایک کتابچہ بھی نہیں لکھا ہوگا، اور نہ ان سلفیوں کے سر پر آپ کو کبھی عمامہ نظر آئے گا، اور اب ان کی بے غیرتی اور بے دینی اتنی بڑھ گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف ننگے سر نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

کیا ہر عالم سے مسئلہ معلوم کرکے دین پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

مکرمی!   زید مجدکم

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، زمزم کا گزشتہ شمارہ نمبر۳ جلد نمبر۵ ملا، پہلی گذارش تو یہ ہے کہ زمزم میں وفیات پر طویل مضامین نہ ہوں تو مناسب ہے، زمزم کے صفحات محدود اور سائز بھی متوسط ہے، اسی وجہ سے اس میں وہی مضامین شائع ہوں جن سے ہم لوگ دینی مسائل میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ زمزم نے ہماری معلومات میں بہت اضافہ کیا ہے اور بہت سے حقائق جو ہم سے مخفی تھے وہ اجاگر ہوگئے۔

دوسری بات جو عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ دینی و فقہی معلومات حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے یہ کیوں ضروری ہے کہ کسی مذہب خاص ہی کے علماء سے فتویٰ حاصل کیا جائے ایسا کیوں نہ ہو کہ جو بھی مسائل شرعیہ سے واقف ہے اس سے مسائل معلوم کرکے اس پر عمل کیا جائے، ایسا کرنے میں حرج کیا ہے؟ براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں، اگر فوری جواب عنایت ہو جائے تو مہربانی ہوگی۔

محمد مرتضیٰ چوبیس پرگنہ بنگال

زمزم!

آپ کا خط ملا تو میں بھوپال اور اندور کے سفر پر تھا۔ پھر کچھ اور مشغولیات نے گھیرے رکھا اس لئے جواب میں تاخیر ہوگئی اور اب زمزم ہی میں اپنے سوال کا جواب ملاحظہ فرمالیں۔

یہ بات تو بہت مناسب ہے کہ عوام اہل علم سے مسئلہ معلوم کر کے شریعت پر عمل کریں قرآن کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ آیت **فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** سے واضح ہے۔

اگر یہ دور نفسانیت کا نہ ہوتا اور اہل علم میں انصاف اور عدل پایا جاتا اور شریعت پر عمل کرانے میں کوئی مخصوص جذبہ یا فکر اور عقیدہ کام کرتا نظر نہ آتا، اور جن کو عوام اہل علم سمجھتے ہیں ان میں اتنی دیانت اور تقوی ہوتا کہ وہ مسائل کے بتلانے میں اسلاف کی راہ اعتدال و جادہ مستقیم سے گریز نہ کرتے، مسائل بتلانے والے علماء راسخین میں سے ہوتے اور ان کو مسائل شرعیہ سے پوری واقفیت ہوتی، وہ کتاب وسنت کے ناسخ ومنسوخ سے واقف ہوتے، وہ کسی مخصوص نظریہ ومذہب کی پابندی کرانے کے بجائے جو واقعی شرعی مسئلہ ہے اس سے عوام کو واقف کرانے کا ان میں جذبہ وخلوص ہوتا تو اس کی اجازت ضرور دی جاتی کہ عوام جس عالم سے چاہیں ان سے مسائل معلوم کر کے ان پر عمل کریں۔

مگر اس وقت ہم لوگ جس دور سے گزر رہے ہیں یہ دور بڑے فتنہ کا ہے طرح طرح کے مذاہب پیدا ہو گئے ہیں، کم علم عالم ومفتی بنے پھر رہے ہیں، ہر شخص محقق وعلامہ بنا ہے، انانیت کا عالم یہ ہے کہ اپنی تحقیقات کے آگے اکابر واسلاف کو وہ کچھ نہیں سمجھتا کتاب و سنت میں کیا ہے اس کا اس کو پتہ نہیں مگر وہ شرعی مسئلہ بتلانے کو تیار ہے اپنی تحقیق کو حرف آخر سمجھتا ہے اور اسے اصرار ہوتا ہے کہ جو ہم نے سمجھا ہے وہی حق اور درست ہے، بڑے طنطنہ

سے دعوی کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے فتاوی اور ان کے اقوال حجت نہیں ہیں، فقہاء امت نے جو کچھ کہا ہے وہ غیر معتبر ہے، اور بے شرمی کا عالم یہ ہے کہ صحابہ کرام اور فقہائے امت کے اقوال کو نا قابل اعتبار قرار دینے والا اس پر مصر ہوتا ہے کہ وہ جو کہے اسے مان لو خواہ وہ اس کی ذاتی رائے اور اس کا اپنا اجتہاد و استنباط ہی کیوں نہ ہو۔

ہر شخص کی ایک فکر ہے، ایک مذہب ہے، اس کا اپنا عقیدہ ہے، اس کی اپنی تحقیق ہے، وہ اپنے ہی دائرہ میں رہ کر مسئلہ بتلائے گا چاہے وہ مسئلہ کتاب وسنت سے کتنا ہی متصادم اور شریعت کے خلاف کیوں نہ ہو، اس سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کتاب و سنت کا صحیح مسئلہ بتلائے گا اور اسلاف و اکابر کے جادہ مستقیم سے بھکائے گا نہیں۔۔طلاق کے مسئلہ میں غیر مقلدین، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب کو اپنے مذہب والا مسئلہ بتلائیں گے حالانکہ ان کا یہ مسئلہ اجماع امت اور کتاب وسنت کے صریح خلاف ہے، اگر اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی بات کو مان لیا جائے تو فیصلہ کرنا پڑے گا کہ امت کے تمام فقہاء، محدثین اور علماء اس شرعی مسئلہ سے جاہل تھے حتی کہ صحابہ کرام تک کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔اس زمانہ میں حق کا دروازہ صرف غیر مقلدین پر کھلا۔

تراویح کا مسئلہ آپ غیر مقلدین سے پوچھیں وہ کہیں گے کہ تراویح آٹھ رکعت ہے حالانکہ جمہور امت کے یہاں آٹھ رکعت تراویح کا کوئی وجود نہیں، نہ صحابہ کرام نے کبھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی۔اگر غیر مقلدین کی بات کو حق سمجھ لیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ یہ مسئلہ اسلاف امت کو معلوم نہیں تھا حتی کہ صحابہ کرام کو بھی اس صحیح مسئلہ پر عمل کرنے کی معاذ اللہ توفیق نہیں ہوئی۔

یہ تو غیر مقلدین کی بات ہے، بریلویوں کا حال ان سے برا ہے، ان سے شرعی مسائل معلوم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ شرک وبدعت کی لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے پھر

آپ کا عقیدہ یہ بنے گا کہ آنحضوﷺ عالم الغیب تھے، مختار کل تھے، اولیاء اللہ کو تصرف فی الکائنات حاصل تھا، قبر کی تعظیم جائز ہے، عرس کرنا، قبروں پر پھول چڑھانا، نذر و نیاز کرنا سب دین ہے اور سب کام جائز ہیں۔

یہی حال شیعوں کا ہے، وہ آپ کو صحابہ کرام اور خلفائے راشدین سے بدظن گمراہ کریں گے، حضرت علی کی الوہیت اور ائمہ اہل بیت کی معصومیت ثابت کریں گے، تعزیہ بنانے کو اور نوحہ ماتم کرنے کو سب سے بڑا دینی کام قرار دیں گے۔

اگر آپ دینی مسئلہ قادیانیوں سے پوچھیں گے تو آپ کو سب سے پہلے مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لانا پڑے گا اور آنحضور اکرمﷺ کو نبی آخرالزماں ماننے کے عقیدہ سے دامن جھٹکنا ہوگا۔

اگر آپ آزاد فکروں کے گروہ میں پہنچ گئے تو پھر وہ آپ کو الحاد دھریت کی راہ پر ڈال دیں گے، کوئی معجزہ کا منکر نظر آئے گا، کوئی جنت و دوزخ کا انکار کرنے والا ہوگا، کسی کو فرشتہ کی کوئی حقیقت نظر نہیں آئے گی، کوئی انبیاء کی عصمت کی دھجیاں بکھیرتا نظر آئے گا، کسی کو قرآن و حدیث کے بارے میں متقدمین کے علوم فرسودہ اور پرانے ذخیرے نظر آئیں گے۔

غرض ہر شخص سے مسئلہ معلوم کرنے میں آپ کو بھانت بھانت کی بولیاں سننے کو ملیں گی اور شریعت کے مسائل پر عمل کرنا تو درکنار اندیشہ ہے کہ شریعت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

اس زمانہ میں جو علمی قحط ہے وہ سب کو معلوم ہے، جو اجتہاد کے دعویدار ہیں ان کو کتاب و سنت میں کیا ہے اس کا پتہ ہی نہیں، نہ کتاب و سنت کے ناسخ کو جانیں نہ ان کے منسوخ کا انہیں پتہ ہو، نہ ائمہ دین کے فتاوی اور ان کے فیصلوں پر ان کی نگاہ ہوتی ہے، آخر

ایسے لوگوں پر خواہ وہ زمانہ حال کے شیخ الاسلام ہی کیوں نہ ہوں کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے اور دین کے صحیح مسائل ان سے کیونکر جانے جا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر مشہور غیر مقلد عالم مولانا صادق سیالکوٹی ہی کو لے لیجئے انہوں نے صلوٰۃ الرسول نامی ایک کتاب لکھی ہے جس میں عوام کو آنحضور اکرم ﷺ کی نماز سکھلائی گئی ہے، اس کتاب کے بڑے بڑے مشاہیر غیر مقلدین علماء نے تقریظ وتعریف کی ہے جو اس کتاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں انہوں نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ پانی میں نجاست پڑنے سے خواہ اس کا رنگ، مزہ، بو بدل جائے وہ پانی پاک ہی رہے گا۔ نجس نہیں ہوگا، حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے، پانی میں نجاست پڑنے سے خواہ پانی کثیر ہی کیوں نہ ہو اگر اس کا ایک وصف بھی بدلا تو پانی ناپاک ونجس ہوگا اس سے طہارت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ صادق صاحب نے متعدد حدیثوں کا غلط حوالوں سے نقل کیا ہے یعنی جن کتابوں کی طرف ان حدیثوں کی نسبت کی ہے ان میں وہ حدیث ہی نہیں، اور اگر وہ حدیث ہے تو ان الفاظ کے ساتھ نہیں جن کا ذکر صادق صاحب نے کیا ہے، اب شرعی مسائل میں اس طرح کے علماء پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ہیں، انہوں نے اپنے رسالہ اہلحدیث کا مذہب میں یہ آیت نقل کی ہے **فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم.** (سورہ النساء ع۹) اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔

جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر ﷺ کے تابع نہ ہوں گے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔ (ص۳۲)

آپ قرآن کا ترجمہ اور کوئی تفسیر دیکھ لیں، مولانا ثناء اللہ صاحب والا یہ ترجمہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا، ہر مذہبی بات اس آیت کے ترجمہ میں خاص مولانا امرتسری کا ایجاد

کردہ جملہ ہے۔

یہ دو ایک باتیں اس بات کو بتلانے کے لئے بطور مثال ذکر کی گئی ہیں کہ زمانہ حال کے جو علماء مجتہد بن کر فتوی دیں گے وہ امت کو اسلاف کی شاہراہ سے گمراہ کر دیں گے نہ ان کے علم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے خلوص پر، ہر شخص ایک خاص نظریہ کا پابند ہے اسی کی روشنی میں وہ دوسروں کو چلانا چاہتا ہے۔

اس لئے امت کی بھلائی اور خیر اسی میں ہے کہ آدمی کتاب وسنت پر عمل کرنے کے لئے متقدمین علماء راسخین کا دامن تھامے، اور اس کا پابند رہے کہ وہ صحابہ کرام کے منہج اور ان کے اسوہ سے دور نہ ہو۔

مذاہب اربعہ کو اللہ نے دین کی بقاء اور حفاظت کا تکوینی طور پر ذریعہ بنایا ہے امت نے ہر زمانہ میں انہیں مذاہب کے تابع رہ کر اپنی علمی ودینی زندگی کا کارواں آگے بڑھایا ہے، جب سے ان مذاہب کا وجود ہوا ہے امت کے اکابرین نے، محدثین نے، فقہاء نے، اولیاء اللہ نے ان مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھا ہے، اور انہیں مذاہب کے سایہ میں رہ کر اپنی دینی زندگی کو سعادت جانا ہے، ان مذاہب کی تدوین کتاب وسنت اور سنت صحابہ کی روشنی میں ہوئی ہے، جو باتیں اجتہادی اور قیاسی ہیں ان کی بنیاد اور اصل بھی کتاب وسنت ہی میں موجود ہے اسی وجہ سے تمام شرعی مسائل محقق اور مدون ہیں، ان پر عمل کرنے میں کسی طرح کی گمراہی، بدراہی کا اندیشہ نہیں ہے، ائمہ اربعہ ان خاصان خدا میں سے تھے جن کے علم وفہم، تقوی اور دیانت پر ساری امت کا اجماع ہے، آج کے دور میں کون ہے جو ان ائمہ کا ان اوصاف میں سے کسی ایک وصف مین بھی مقابلہ کر سکے، پس جب شروع ہی سے ساری امت نے اور امت کے اصحاب فضل وکمال نے ان ائمہ کو اپنا مقتدی جانا ہے اور ان پر کامل اعتماد کیا ہے تو ہمیں بھی ان کی اتباع میں ان ائمہ کی

تقلید واقتداء سے گریز نہ ہونا چاہئے۔ ہمارے نزدیک سلامتی کا خصوصاً اس دور پرفتن میں بس یہی ایک راستہ ہے کہ دینی وشرعی مسائل میں ائمہ اربعہ کی تقلید کی جائے۔ والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

غیر مقلدین کے سوالوں کے جوابات

غیر مقلدین حضرات عوام اور ناواقفوں کو لامذہبیت کے راستہ پر لگانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، انہیں میں سی ایک طریقہ ان کا یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ سوالات قائم کر رہے ہیں اور ان کو کتابچہ کی شکل میں عوام میں پھیلا کر مقلدین سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔ ان سوالات میں علم وعقل سے زیادہ عوام کے جذبات کو ابھارنے کی تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔

میرے پاس مختلف جگہوں سے اس قسم کے رسالے و پمفلٹ آتے رہتے ہیں ابھی ابھی بمبئی سے ایک صاحب نے اسی قسم کا ایک پمفلٹ بھیجا ہے میں نے ان سوالات کی لغویت کے پیش نظر ان کو ہمیشہ نظرانداز کیا، مگر غیر مقلدین کے بارے میں مجھے مسلسل یہ اطلاع مل رہی ہے کہ یہ اس قسم کی حرکت بڑے منصوبہ بند انداز میں کر رہے ہیں اور عوام مسلمانوں میں انتشار اور بےچینی کی فضا پیدا کر رہے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ایک دفعہ ان سوالات کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے۔

ابھی ابھی جو بمبئی سے کتابچہ شائع ہوا ہے اس کے بھیجنے والے نے بالیقین کوئی غیر مقلد ہی ہے میرے نام ایک خط بھی لکھا ہے اور مجھ سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے۔ ان غیر مقلد صاحب نے یہ خط حنفی بن کر لکھا ہے، اس طرح کے بناوٹی حنفیوں کے میرے پاس مسلسل خطوط آتے رہتے ہیں۔ کتابچہ کا عنوان ہے متلاشیان حق کی

خدمت میں قابل توجہ چند سوالات۔

ملت نگر اندھیری بمبئی میں کوئی مرکز الاحیا لدعوۃ والا رشاد غیر مقلدین کا ادارہ ہے اس نے اس کو شائع کر کے فتنہ وشر پھیلانے کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ کتابچہ ۳۱ سوالات پر مشتمل ہے ان ۳۱ سوالات کا تفصیلی جواب دینا تو ایک ضخیم کتاب چاہتا ہے اس کے لئے زمزم کے صفحات کی گنجائش کے بقدر ان کا مختصراً جواب دیا جائے۔

سوال نمبر۱: دین اسلام رسول اللہ ﷺ پر مکمل نازل ہوا یا ادھورا؟

جواب نمبر۱: اللہ کے رسول ﷺ پر دین تو مکمل نازل ہوا مگر شاید غیر مقلدین کا اس پر ایمان نہیں ہے ان کو یہ شک ہی ہے کہ دین ادھورا نازل ہوا یا مکمل ورنہ یہ سوال نہ کیا جاتا۔

سوال نمبر۲: کیا سورہ المائدہ کی یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ دین اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان نہیں کر رہی ہے؟

جواب نمبر۲: اعلان تو کر رہی ہے مگر غیر مقلدین مانیں جب تو؟ ان کو تو ابھی یہ شک ہی ہے کہ دین کامل ہے کہ ادھورا ہے۔

سوال نمبر۳: اگر دین مکمل نازل ہوا تو نبی ﷺ نے ہم تک دین پہنچایا کہ نہیں جو اللہ نے ان پر نازل کیا تھا یا اس میں خیانت کی۔

جواب نمبر۳: پہلے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں غیر مقلدین اپنا عقیدہ درست کریں۔ اس طرح کا سوال ان کی بد عقیدگی کو بتلاتا ہے، تمام مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ دین مکمل ہے اور نبی اکرم ﷺ نے دین کو مکمل پہنچایا۔ مگر غیر مقلدین کو اس شک ہے، اگر غیر مقلدین کا یہی ایمان ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ نے دین بلا خیانت مکمل پہنچایا ہے تو وہ الگ سے شرعی مسئلہ بتلانے کے لئے مسئلوں کی کتابیں نہ لکھتے۔ نزل الابرار، کنز الحقائق بدور الاہلہ وغیرہ نہ معلوم غیر مقلدوں نے مسئلوں والی کتنی کتابیں لکھ ڈالیں اور ان

میں ایسے مسائل ہیں جو نہ قرآن میں ہیں اور نہ حدیث میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدوں کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دین کو کامل نہیں پہنچایا اور معاذ اللہ انہوں نے اس میں خیانت کی ہے۔

سوال نمبر ۴: اگر دین بھی مکمل نازل ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو مکمل دین سکھلایا، تو اسمیں چاروں ائمہ کی تقلید کا حکم دیا ہے کہ نہیں؟ (مختصراً)

جواب نمبر ۴: اللہ کے رسول پر دین مکمل بھی نازل ہوا اور صحابہ کرام کو آپ ﷺ نے مکمل دین سکھلایا بھی مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ غیر مقلدوں کا یہ ایمان نہیں ہے مثلاً اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا جو حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو تم اجتہاد سے کام لینا، یہ دین کا حکم تھا غیر مقلدین اس کو نہیں مانتے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو دین یہ بتلایا تھا کہ تم خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا مگر غیر مقلدین کو خلفائے راشدین کی سنتوں سے چڑ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے دین کی بات یہ بتلائی تھی کہ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہنا، غیر مقلدین کا صحابہ کرام کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ وہ خلاف کتاب وسنت کام کرتے تھے بلکہ صحابہ کی ایک جماعت فاسق تھی، صحابہ کرام کے بارے میں دین کی بات یہ تھی کہ ان کی اقتداء اور پیروی کی جائے، مگر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نہ صحابہ کرام کی فہم حجت ہے نہ قول حجت ہے، نہ فعل حجت ہے اس طرح ان کی پیروی واقتداء سے انکار کر دیا۔

قرآن کریم میں صاف حکم ہے کہ **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** کہ اگر تم دین کی بات نہ جانتے ہو تو جاننے والوں سے معلوم کرو، اس آیت سے فقہا وعلماء کی تقلید کا وجوب حکم نکلتا ہے مگر غیر مقلدین اصلاً تقلید ہی کے منکر ہیں، وجوب کی بات تو دور کی ہے۔ قرآن میں ہے **يا يها الذين امنوا اطيعو الله واطيعوا الرسول واولى الامر**

منکم یعنی اے ایمان والوں اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر یعنی علماء وفقہا کی اطاعت کرو، اطاعت کہتے ہیں بات ماننے کو۔ اس آیت میں اللہ ورسول کے ساتھ ساتھ اولی الامر یعنی علماء فقہاء کا بھی ذکر ہے۔ کہ ان کی بھی بات مانی جائے گی۔ اس سے بھی تقلید کا حکم ثابت ہورہا ہے مگر غیر مقلدین علماء وفقہا کی تقلید کا انکار کرکے اس آیت کے حکم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اولی الامر سے مراد اہل فقہ اور ارباب خیر ہیں۔ (مستدرک حاکم ص ۱۴۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد اہل فقہ ہیں (ایضاً) لیکن غیر مقلدین صحابہ کرام کی تفسیر کے منکر ہیں، جب آیت کریمہ میں اہل فقہ بھی مراد ہیں تو فقہاء کرام کی بات ماننا بھی ضروری ہے ان فقہائے کرام میں چاروں ائمہ بھی داخل ہیں اس لئے کہ ان کے اہل فقہ ہونے کا انکار کرنا دوپہر میں سورج کے وجود کا انکار کرنا ہے، اس لئے ان فقہائے کرام کی بھی تقلید شرعاً ثابت ہے اس کا انکار قرآن کا انکار ہے، یہ بھی یاد رکھیئے کہ فقہائے کرام کے بارے میں یہ تصور گمراہ کن ہے کہ وہ کتاب وسنت کے خلاف فتویٰ دیں گے جس طرح سے صحابہ کرام کے بارے میں تصور گمراہ کن ہے کہ وہ خلاف کتاب وسنت فیصلہ کریں گے، مگر افسوس غیر مقلدین اس حقیقت سے بے خبر ہیں، فقہا مجتہدین کی بات تو الگ رہی وہ صحابہ کرام کے بارے میں بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خلاف کتاب وسنت فتویٰ دیا کرتے تھے ایک غیر مقلد محقق صاحب حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"ان دونوں جلیل القدر صحابہ نے نصوص شرعیہ کے خلاف موقف مذکور اختیار کرلیا تھا۔" (تنویر الآفاق ۸۷ص شائع کردیا جامعہ سلفیہ بنارس)

حضرت عمرؓ کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ انہوں نے نصوص کتاب وسنت کے خلاف طلاق کے مسئلہ میں قانون شریعت بنایا تھا (۴۹۹ص ایضاً) انہیں محقق صاحب کا یہ بھی ارشاد ہے۔

''پوری امت کا اس اصول پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام کے وہ فتاوے
حجت نہیں بنائے جا سکتے جو نصوص کتاب وسنت کے خلاف ہوں''
(ایضاً ص۵۱۵)

اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے غصہ میں خلاف شریعت فتویٰ دیا تھا ،غرض صحابہ کرام کے بارے میں جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے مقتدیٰ بنایا، اوران کی پیروی کا تاکیدی حکم فرمایا، غیر مقلدین کا یہ عقیدہ ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ دین وشریعت کے خلاف عقیدہ ہے۔

جب اللہ نے علماء وفقہا کے اطاعت کو بھی واجب قرار دیا اور نہ جاننے والوں کو جاننے والوں سے پوچھنے اوران کی اطاعت کو لازم بتلایا تو اب خواہ کوئی ایک سے پوچھے یا دو چار سے پوچھے، دوسرے لفظوں میں خواہ ایک کی تقلید کرے خواہ دو چار کی تقلید کرے یہ سب امر شرعی ہیں، ان کو خلاف شریعت کہنا کتاب وسنت کا انکار ہے

سوال نمبر۵: رسول اللہ ﷺ قیامت تک کیلئے امت کے واسطے کیا چھوڑ گئے ہیں، چاروں اماموں کی تقلید یا اتباع کتاب وسنت؟

جواب نمبر۵: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امت کو گمراہی سے بچانے والی چیز اللہ اوراس کے رسول کی ہدایتیں ہیں مگر افسوس غیر مقلدین ان ہدایتوں کے منکر ہیں، اللہ کا حکم ہے جیسا کہ ابھی

معلوم ہوا تقلید کرنے کا اور غیر مقلدین تقلید کے منکر ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہمارے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، مگر غیر مقلدین خلفائے راشدین کی سنت کو بدعت کہتے ہیں، ترمذی کی روایت ہے کہ اللہ نے حق حضرت عمرؓ کی زبان پر نازل کیا ہے مگر غیر مقلدین اس حدیث کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ خلاف نصوص اور خلاف کتاب وسنت کام کرتے تھے، ایک غیر مقلد بکواسی یہ بکواس کرتا ہے۔

> حضرت عمرؓ کھلے کھلے اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل میں کھلی کھلی غلطی کرتے تھے۔

سینکڑوں مسائل میں غیر مقلدین نے کتاب وسنت کو چھوڑ رکھا ہے، مثلاً دیکھئے آنحضور ﷺ نے نماز پڑھنے کا طریقہ یہ بتلایا تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ:

> رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، آپ نے ہمارے لئے ہماری سنت کو بیان کیا اور ہمیں نماز سکھلائی، فرمایا کہ لوگو اپنی صفوں کو سیدھا رکھو پھر تم میں کا ایک امام ہو تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (مسلم شریف)

مگر غیر مقلدین اللہ کے رسول کے اس حکم کو نہیں مانتے اور امام کے پیچھے مقتدی بن کر خاموش نہیں رہتے۔

اللہ کے رسول کا حکم تھا، فجر کی نماز اجالا میں پڑھو، مگر غیر مقلدین اس کو نہیں مانتے اللہ کے رسول کا بخاری شریف میں حکم موجود ہے کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، مگر غیر مقلدین اس کو بھی نہیں مانتے، اللہ کا فرمان ہے کہ شراب نجس ہے مگر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ شراب پاک ہے، اللہ کا حکم ہے کہ نماز کے وقت کپڑا انجاست سے

پاک ہو، اوران غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ نجاست سے لت پت نماز ہو جائے گی، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے کہ تھوڑے دودھ یا زیادہ دودھ کی کوئی قید نہیں جس عورت نے کسی بچہ کو دودھ پلا دیا حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نہیں پانچ دفعہ دودھ پلانا ضروری ہے، اس طرح اور نہ معلوم کتنے مسائل ہیں جن میں غیر مقلدین کتاب وسنت سے ہٹ کر مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ میری سنت اور کتاب اللہ کو پکڑو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور انہوں نے مسئلے مسائل کی موٹی موٹی کتابیں لکھی ہیں جن میں کتاب وسنت کا کہیں نام ونشان نہیں۔

سوال نمبر ۶: نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص کے کہنے پر کوئی چیز واجب فرض، یا سنت، حلال یا حرام ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

جواب نمبر ۶: اللہ ورسول نے جن کی اطاعت اور تقلید کا حکم دیا ہے اوران کو امت کے لئے مطاع بنایا ہے اگر وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے کسی بات کا حکم کریں تو حسب ضرورت اور موقع ان کا حکم ماننا بھی کبھی فرض وواجب اور سنت کے درجہ میں ہوتا ہے، مثلاً اگر حاکم یا قاضی کوئی فیصلہ کرے تو اس کا ماننا ضروری ہے، اس سے دلیل کا طلب کرنا غیر شرعی عمل ہوگا، یا مثلاً صحابہ کرام اگر کسی ایسے امر کا حکم فرمائیں جو آنحضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا تو اس کا ماننا بھی سنت ہوگا، جیسے حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت بیس رکعت ایک امام کے پیچھے پورے رمضان مقرر فرمائی تو اس کو تمام امت نے مسنون قرار دیا۔ البتہ غیر مقلدین نے انکار کر دیا یا مثلاً حضرت عثمانؓ نے جمعہ میں ایک اذان کا اضافہ کیا اس کو تمام امت نے خلیفہ راشد کی سنت سمجھ کر اختیار کیا مگر غیر مقلدین نے اس کا انکار کر دیا، ائمہ مجتہدین نے اپنی فقہی بصیرت سے کام لے کر کتاب وسنت سے مسائل اخذ کئے جن کے بارے میں بتلایا کہ یہ سنت ہے، یہ واجب ہے، یہ فرض ہے، ساری امت ان کے فیصلہ کو

مانتی ہے۔

سوال نمبر ۷: اگر کوئی شخص اپنے امام یا عالم کے کہنے پر کسی چیز کو حلال یا حرام فرض یا سنت سمجھے تو وہ اتخذوا احبارھم الخ کے مصداق اپنے اماموں کو اللہ کے مقابلہ میں رب نہیں بنا رہا ہے؟

جواب نمبر ۷: کوئی مسلمان کسی عالم کے کسی فتوی کو رب سمجھ کر نہیں مانتا، بلکہ یہ سمجھ کر اس کا فتوی قبول کرتا ہے کہ یہ عالم مجتہد شریعت اور دین کے واقف کار ہیں اور ہم نہیں ہیں، اور اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھیں، اس لئے ناواقف واقف کاروں سے پوچھتا ہے اور اس ناواقف کے ذمہ یہی واجب ہے کہ وہ اس عالم اور مجتہد کے فتوی پر عمل کرے، خود سے جاہلوں کو کتاب وسنت سے مسئلہ معلوم کرنا حرام ہے، اب وہ عالم اگر کسی مسئلہ کو سنت کہے تو سنت سمجھے، اگر واجب کہے تو واجب سمجھے، اگر جائز کہے تو جائز سمجھے اور اگر ناجائز کہے تو ناجائز سمجھے۔ بہر حال جاہلوں کے ذمہ عالموں کی تقلید اور غیر مجتہدین کے ذمہ مجتہدین کی تقلید مسائل دین میں واجب ہے۔

مگر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نہیں ہر عام وخاص کو براہ راست کتاب وسنت سے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۸: اگر بالفرض چاروں مسلک برحق مانے جائیں تو کسی ایک امام کی تقلید کر کے اس کو پورا اسلام مل جائے گا الخ۔

جواب نمبر ۸: کیوں نہیں ملے گا۔ قرآن سات لہجوں میں نازل ہوا ہے اور آپ صرف ایک لہجہ میں پڑھتے ہیں تو کیا آپ کو پورا قرآن پڑھنا حاصل نہیں ہوتا، کیا آپ نماز میں ساتوں قرأت پڑھتے ہیں؟ چاروں مسلک اصول میں متحد ہیں، چاروں ائمہ اہل سنت والجماعت کے مذہب وعقیدہ پر تھے تو ان کے مقلدین کا بھی یہی حکم ہے،

قرآن وحدیث میں یہ کہاں لکھا ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید مت کرو۔

اگر کوئی جاہل غیر مقلد پوری زندگی صرف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری سے فتوی پوچھ پوچھ کر عمل کرتا اور اسی پر مرجاتا تو کیا وہ غیر مقلد مذہب سے باہر قرار پاتا کیا ہر جاھل غیر مقلد اپنے تمام غیر مقلد علما سے فتوئ پوچھتا ہے، یا ایک سے فتوی معلوم کر کے اس پر عمل کرنا بھی وہ اپنے لئے جائز سمجھتا ہے؟۔

سوال نمبر۹: تقلید کا ذکر قرآن میں کتنی مرتبہ آیا ہے اور کہاں ہے؟

جواب نمبر۹: کتنی مرتبہ کا کیا مطلب اگر تقلید کا ذکر قرآن میں صرف ایک دفعہ ہوتو اس کو آپ نہیں مانیں گے؟ یہ سوال کتنا جاہلانہ ہے، تقلید کا ذکر وحکم قرآن میں متعدد جگہ ہے۔سورہ نساء میں یاایھا الذین امنوا اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم. سورہ نحل میں۔فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون. سورہ لقمان میں۔واتبع سبیل من اناب الی. خوب یادرکھئے کہ اتباع، اطاعت تقلید سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی علمائے متقین ومجتہدین کی دین وشریعت میں تابعداری کرنا، ان کی بات ماننا، اوران سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اتباع الگ ہی اور تقلید الگ، مگر یہ صرف بات کا الٹ پھیر ہے اور چونکہ بے جان بات ہے اس وجہ سے شیخ الکل فی الکل میاں صاحب نذیر حسین دہلوی کو کہنا پڑا۔

آنحضرت ﷺ کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا مجوز (جائز) ہے۔(معیار الحق ص ٦٧)

اس عبارت کا حاصل یہ نکلا کہ آنحضور ﷺ کی اتباع کو تقلید بھی کہا جاتا ہے جس طرح مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہا جاتا ہے، دونوں میں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

سوال نمبر ۱۰: تقلید کی شرعی حیثیت کیا ہے، فرض، واجب، یا سنت؟

جواب نمبر ۱۰: اگر آدمی غیر مجتہد ہے یا جاہل ہے تو دین و شریعت پر عمل کرنے کے لئے بحکم قرآن علماء و مجتہد کی تقلید ضروری ہے، غیر مجتہد کا خود سے بلا کسی کی رہنمائی کے شریعت پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ وہ گمراہ ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۱۱: تقلید کا حکم کس نے دیا؟

جواب نمبر ۱۱: اللہ و رسول نے تقلید کا حکم دیا ہے، قرآن کی آیتیں تو اوپر گذر چکیں، دو ایک حدیث بھی سن لیں۔

(۱) مشہور حدیث ہے۔ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکو ابها و عضوا علیها بالنواجذ یعنی میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو اور اس پر دانت جمائے رکھو۔

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ و عمل کا لازم پکڑنے کا کتنا تاکیدی حکم ہے۔ اس حدیث سے تقلید شخصی کا بھی پتہ چلتا ہے، اس لئے کہ ہر زمانہ میں خلیفہ راشد ایک ہی ہوگا، اس لئے ہر زمانہ کے خلیفہ راشد کی تقلید کا حکم دیا جا رہا ہے، اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے گویا مسلمانوں پر اس کے زمانہ کے خلیفہ راشد کی تقلید و اتباع واجب اور ضروری ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے تمام صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر. یعنی تم میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتداء کرنا، اس حدیث سے بھی تقلید اور تقلید شخصی کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

(۳) آنحضور ﷺ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ارشاد ہے رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد، یعنی جو طریقہ و عمل تمہارے لئے حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ پسند فرمائیں میں اس پر راضی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں آنحضور ﷺ کی اس وزنی شہادت کے بعد کون شخص ہوگا جو یہ کہے کہ ان کی تقلید واتباع حرام ہے۔

سردست یہ تین حدیثیں کافی ہیں، افسوس غیر مقلدین ان ارشادات رسول کو قبول نہیں کرتے۔

سوال نمبر۱۲: کیا ہم اللہ کی شریعت کے خلاف فیصلے کر کے کفر کا ارتکاب نہیں کر رہے ہیں؟

جواب نمبر۱۲: اگر آپ اللہ کی شریعت کے خلاف جان بوجھ کر فیصلے کر رہے ہیں تو بلا شبہ آپ جہنمی ہیں اور کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں، یہ سوال پوچھنے کا ہے ہی نہیں، بہر حال یہ آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔

سوال نمبر۱۳: چاروں اماموں سے پہلے لوگ اور خود یہ چاروں امام کس کی تقلید کرتے تھے؟

جواب نمبر۱۳: جو مجتہد تھے وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اس لئے کہ مجتہد کے لئے تقلید نہیں ہے، اور جو غیر مجتہد تھے وہ مجتہدین کی تقلید کرتے تھی، اس لئے کہ قرآن کا یہی حکم تھا، چاروں ائمہ مجتہد تھے وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، براہ راست کتاب وسنت سے اور سنت خلفائے راشدین سے مسائل کا استنباط کرتے تھے اور دوسرے غیر مجتہدین لوگ ان کی اتباع وپیروی کرتے۔

سوال نمبر۱۴: اگر وہ کسی تقلید کے بغیر اسلام پر عمل پیرا تھے تو آج یہ ناممکن کیوں؟

جواب نمبر۱۴: اگر کسی میں اجتہاد کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں تو وہ تقلید نہ کرے، اگر نہیں پائی جاتی ہیں تو تقلید کرے گا، پہلے بھی یہی حکم تھا اور آج بھی یہی حکم ہے۔

سوال نمبر ۱۵: رسول کے فرمان کے مطابق زمانہ خیر القرون میں تقلید نہیں کی جاتی تھی تو آج کیوں وہ ضروری ہے؟

جواب نمبر ۱۵: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زمانہ خیر القرون میں تقلید تھی اور یہ خدا اور رسول کا حکم ہے، ان زمانوں مین تھلید شخصی وغیر شخصی دونوں کا وجود تھا، خود اماموں کے زمانہ میں تقلید شخصی تھی، مشہور غیر مقلد عالم مولانا نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:

اهل مصر كانوا مالكية فلما قدم الشافعي مصر تحولوا الى الشافعية (الجُنة) یعنی مصر والے مالکی تھے جب امام شافعی مصر تشریف لے گئے تو لوگ شافعی مسلک والے بن گئے، اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ ائمہ کے زمانہ میں تقلید شخصی تھی۔

سوال نمبر ۱۶: اگر چاروں اماموں سے پہلے لوگ تقلید نہیں کرتے تھے تو تقلید کی ابتدا کب سے ہوئی؟ کیا یہ بدعت نہیں ہے؟ بدعت کسے کہتے ہیں؟

جواب نمبر ۱۶۔: یہ سوال ہی غلط ہے کہ چاروں اماموں سے پہلے تقلید نہیں تھی جیسا کہ معلوم ہوا، کہ تقلید کا حکم خدا اور رسول کا ہے اس لئے اس کو جو بدعت کہے وہ خود سب سے بڑا بدعتی اور کتاب وسنت کا مخالف ہے، بدعت وہ ہے جو خلاف شریعت ہو۔

سوال نمبر ۱۷: کیا رسول کے زمانہ سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک کوئی عامی یا جاہل نہیں تھا، اگر تھا تو وہ کس کی تقلید کرتا تھا؟

جواب نمبر ۱۷: ہر زمانہ میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، پہلے بھی یہی شکل تھی اور اب بھی یہی شکل ہے، جاہل عالم کی تقلید کرتا تھا، اور اس کو اس کی تقلید کرنی چاہئے کہ خدا اور رسول کا فرمان یہی ہے مگر غیر مقلدین خدا اور رسول کے اس حکم کے انکاری ہیں۔

سوال نمبر ۱۸: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر زمانہ میں حق پر قائم رہنے والی ایک جماعت ہوگی، جب کہ چوتھی صدی ہجری تک تقلیدی مذاہب کی پیدائش ہی نہیں تھی تو

آج چاروں مسلک برحق اور اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے تو یہ کس طرح حق پر قائم رہنے والی جماعت مانی جائے گی؟

جواب نمبر ۱۸: چوتھی صدی ہجری تک تقلیدی مذاہب نہیں تھے یہ جاہل غیر مقلدوں کا پروپیگنڈہ ہے نواب صاحب بھوپالی فرماتے ہیں نشأ ابن شریع فاسس قواعد التقلید، الجنة ص ۳۹. یعنی ابن شریح نے تقلید کی بنیاد ڈالی، اگر چوتھی صدی سے پہلے تقلید نہیں تھی تو دوسری صدی کے مجدد ابن شریح کو تقلید کے قواعد وضوابط مرتب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ابن شریح دوسری صدی کے آدمی ہیں۔ نواب صاحب فرماتے ہیں ولذلک یعد من المجد دین علی راس المآ تین یعنی اسی وجہ سے (یعنی تقلید کے قواعد وضوابط مرتب کرنے کی وجہ سے) وہ دوسری صدی کے مجددین میں شمار ہوتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی علامت ہے کہ وہ رسول اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہوگی چاروں مذاہب رسول اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں اس لئے یہ سب اہل سنت والجماعت ہیں، البتہ غیر مقلدین صحابہ کرام کے طریقہ پر نہیں ہیں اس لئے سب اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام میں کچھ لوگ فاسق تھے اور صحابہ کرام غلط فتوی دیا کرتے تھے، اور کتاب وسنت کے خلاف فتوی دیا کرتے تھے، اس قسم کی باتیں رافضیت اور شعیت کی علامت ہیں، اہل سنت والجماعت کی نہیں۔

سوال نمبر ۱۹: کسی امام کی تقلید کرنے پر آخرت میں مواخذہ ہوگا یا رسول اللہ کی اطاعت سے منہ پھیر کر مفتی کے قول پر عمل کرنے سے؟

جواب نمبر ۱۹: شریعت کے احکام قصد وارادہ سے چھوڑنے والوں اور بدعقیدہ لوگوں پر آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

سوال نمبر ۲۰: کیا قبر میں پوچھا جائے گا کہ تو کس کا مقلد تھا یا تیرا امام کون ہے؟

جواب نمبر ۴۰: قبر میں یہ سوال نہیں ہوگا بلکہ یہ سوال ہوگا کہ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے اور یہ کہ من ھذا الرجل یا آدمی کون تھا قبر میں اس بات کا کوئی سوال نہیں ہوگا کہ تو غیر مقلد تھا کہ نہیں۔

سوال نمبر ۴۱: کیا حنفی شافعی اپنے اماموں کے ناموں سے پکارے جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری ہے یوم ندعوا کل اناس بامامھم ؟

جواب نمبر ۴۱۔: ایک غیر مقلد عالم اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے امام کے معنی پیشوا، لیڈر اور قائد کے ہیں۔ یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پیغمبر ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے آسمانی کتاب مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد نامہ اعمال ہے یعنی ہر انسان کو اس کے نامہ اعمال سمیت امام شوکانی نے ترجیح دی ہے۔

معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک امام سے مراد نامہ اعمال ہے اگر غیر مقلدین کا خیال ہے کہ حنفی شافعی اپنے اماموں کے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے تو اس میں بھی اشکال کیا ہے؟ جبکہ امام کے معنی پیشوا کے بھی ہے۔

سوال نمبر ۴۲: چاروں خلفاء افضل تھے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی، اماموں کی تقلید کیوں کی جاتی ہے؟

جواب نمبر ۴۲: غیر مقلدوں کو یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک خلفاء کی بھی تقلید ایسے ہی حرام ہے جیسے اماموں کی تو پھر یہ سوال کیوں؟

سوال نمبر ۴۳: صرف انہیں چاروں اماموں کی تقلید کیوں کی جاتی ہے کسی اور عالم مفتی کی تقلید کیوں نہیں کیجاتی؟

جواب نمبر ۴۳: اس لئے کہ ان چاروں کے سوا کسی اور امام وفقیہ کا فقہ مرتب اور مدون

نہیں ہے، اوران چاروں کا فقہ مرتب اور مدون ہے اس لئے ان چاروں کی تقلید میں سہولت زیادہ ہے۔

سوال نمبر ۲۴: ان چاروں اماموں کے اساتذہ کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی ؟

جواب نمبر ۲۴: اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے، رہا یہ سوال کہ ان چاروں ائمہ نے اپنے اساتذہ کی تقلید کیوں نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقلید مجتہد کا کام نہیں ہے، عامی کا فریضہ ہے۔

سوال نمبر ۲۵: ان چاروں اماموں کے شاگرد اپنے استادوں کی تقلید کرتے تھے؟

جواب نمبر ۲۵: جو خود مجتہد تھا وہ نہیں کرتا تھا اور جو مجتہد نہیں تھا وہ ان کی تقلید کرتا تھا۔

سوال نمبر ۲۶: اگر ان چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید کرے تو بھی نجات کہاں؟ اس لئے کہ حنفی فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ جو امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے تو اس پر ہماری رب کی ڈھیری لعنت ہے۔

جواب نمبر ۲۶: غیر مقلدین ان ا چاروں اماموں میں سے کسی کی صدق دل سے تقلید کریں انشاء اللہ نجات پائیں گے۔ یہ شعر کسی شافعی، مالکی کے لئے نہیں ہے بلکہ غیر مقلدین کے لئے ہے جو امام ابوحنیفہ کی شان میں بدگوئی کرتے ہیں اور ان کے اقوال کو خلاف کتاب وسنت قرار دیتے ہیں، شافعی، مالکی، حنبلی یہ تمام کے تمام مذہب حنفی کی عزت کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ کا احترام کرتے ہیں، ان کی فقہی بصیرت کے قائل ہیں اس لئے اس شعر کے مستحق صرف دشمنان ابوحنیفہ یعنی غیر مقلدین ہیں، اگر کوئی شافعی حنفی، مالکی، حنبلی ایک دوسرے کو برا بھلا کہتا ہے تو وہ قابل ملامت ہے۔

سوال نمبر ۲۷: اگر چاروں مسلک برحق ہیں تو مقلدین حنفی شافعی ایک دوسرے کی تنقیص وتکفیر کیوں کرتے ہیں؟

جواب نمبر ۲۷: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ایک دوسرے کی تنقیص ہرگز نہیں کرتے ہر ایک دوسرے کا احترام کرتا ہے، اگر کوئی جاہل ایسا کرے تو جاہلوں کا قول و فعل حجت نہیں ہے اور اختلاف کا نام تنقیص رکھنا جاہلوں کا کام ہے۔

سوال نمبر ۲۸: کیا ہم اسلام کو چار فرقوں میں تقسیم کر کے گروہ بندی اور فرقہ بندی نہیں کر رہے ہیں؟

جواب نمبر ۲۸: اسلام کو کوئی تقسیم نہیں کرتا، سب کا دین اسلام ہے عقیدہ سب کا ایک ہے، سب اہلسنت والجماعت ہیں، رائے کے اختلاف کا نام دین کی تقسیم رکھنا جاہلوں کا کام ہے، رائے واجتہاد کے اختلاف سے دین کی تقسیم نہیں ہوتی۔

سوال نمبر ۲۹: اگر چاروں مسلک برحق ہیں تو حنفیوں کو آمین اور رفع یدین سے چڑ کیوں ہے؟

جواب نمبر ۲۹: کوئی حنفی نہ آمین سے چڑتا ہے اور نہ رفع یدین سے، حنفی آہستہ سے آمین کہنے کو پسند کرتے ہیں، اور عدم رفع یدین کو اولی سمجھتے ہیں، اس کا نام چڑ رکھنا احمقوں کا کام ہی، البتہ غیر مقلدین شیعوں کی طرح بیس ۲۰ رکعت تراویح سے چڑھتے ہیں اس لئے اس کو بدعت عمری کہتے ہیں جیسا کہ شیعہ اسے بدعت عمری کہتے ہیں، حالانکہ بیس ۲۰ رکعت تراویح جمہور اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

غیر مقلدین جمعہ کی اذان میں حضرت عثمانؓ والی اذان سے شیعوں کی طرح چڑھتے ہیں، اسی وجہ سے جیسے شیعہ اس کو بدعت کہتے ہیں یہ بھی اس کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ ساری امت نے اس کو سنت سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔

سوال نمبر ۳۰: کیا تقلید میں ہم قول امام کے مقابلے میں حدیث رسول کو ترک کر کے جنت سے محروم نہیں ہو رہے ہیں؟

جواب نمبر ۳۰: تقلید تو اسی لئے کی جاتی ہے کہ قول رسول اور پوری شریعت پر کسی ماہر شریعت کی رہنمائی میں عمل کیا جائے، تقلید کا راستہ تو سیدھا جنت میں لے جائے گا البتہ غیر مقلدین کا جنت میں جانا مشکوک ہے اس لئے کہ ان کا ہر جاہل بھی براہ راست کتاب وسنت پر دسترس رکھتا ہے اور یہ کتاب وسنت کے بارے میں انتہائی درجہ جرأت اور گستاخی کی بات ہے۔

سوال نمبر ۳۱: کیا ہم رسول کے مقابلے میں غیر نبی کی اطاعت کر کے اپنے اعمال برباد نہیں کر رہے ہیں؟

جواب نمبر ۳۱: اگر آپ غیر مقلدین یہ حرکت کرتے ہوں تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہے اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو بلا شبہ سیدھے جہنم میں جائیں گے اور اپنا سارا عمل برباد کریں گے، البتہ اہلسنت والجماعت کا کوئی فرد رسول کے مقابلے میں کسی غیر کی اطاعت نہیں کرتا، بلکہ اللہ ورسول کی اطاعت ہی کے لئے غیر کی اطاعت کرتا ہے اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ غیر ہم سے زیادہ دین وشریعت اور ان کے حقائق واسرار کا راز داں ہے

سوالات کے ختم ہونے پر، سوالات کے مرتب فرماتے ہیں:

”آپ کی ایمانی غیرت ودینی حمیت کا تقاضہ ہے کہ آپ حق کی جستجو کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم چار مسلکوں میں تقسیم ہو کر صراط مستقیم چھوڑ کر شیطان کے راہ پر چل رہے ہیں“۔

غیر مقلدین کو عقل اور دین کی سمجھ ہوتی تو اس طرح کی باتیں نہ کرتے، گمراہی اور شیطان کا راستہ یہ ہے کہ جاہل لوگ براہ راست قرآن حدیث لیکر بیٹھ جائیں اور اپنی سمجھ سے قرآن وحدیث سے مسئلے مسائل معلوم کریں، ائمہ اربعہ ماہران شریعت تھے، ان کی رہنمائی میں دین وشریعت کی وادی کو بلا خوف وخطر طے کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ ساحل مراد

تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی، البتہ جو تیرنا نہ جانتا ہو وہ دریا میں اترے گا تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بچے گا یا مرے گا، جو مریض اپنا علاج خود سے کرے گا اس کا انجام معلوم ہے، عقلاء اور اہل فہم ہمیشہ ماہر طبیب کی طرف لپکتے ہیں، کتاب وسنت اور دین وشریعت بچوں کا کھلونا نہیں ہے کہ جو چاہے اس سے کھیلے، شریعت کے ماہرین اور اہل فقہ واجتہاد کی قیادت ہی میں دین کا راستہ طے ہوگا، ورنہ پھر کوئی عبداللہ چکڑالوی بن جائے گا، اور کوئی پرویز اور کوئی نیاز، اور کوئی غلام احمد قادیانی، کوئی اسلم جیراجپوری یہ سب غیر مقلد تھے اور آخر میں سب کے سب دین سے باہر ہو گئے، کوئی کتاب وسنت کا منکر ہوا، کوئی ملحد ہوا اور کوئی نبوت کا مدعی بن گیا۔

آج بھی عدم تقلید کے نتیجہ میں غیر مقلدوں میں شیعیت ورافضیت کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں اور اسلاف اور صحابہ کرام کے بارے میں ان کی تبرا گوئی شیعوں کی طرح ہو گئی۔

اللهم احفظنا من كل بلاء الدنيا والاخرة واجعل اخرتنا خير النا من الاولى، وصل وسلم على سيد الانبياء والمرسلين واله وصحبه اجمعين.

نصف شعبان کی فضیلت

میت کے ایصال ثواب کے لئے جمع ہوکر قرآن پڑھنا

محترم المقام حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

فجر کی سنت کے بعد لیٹنے والے مسئلہ میں میرے سوال کا جواب، آپ نے جس تفصیل سے دیا ہے اس پر آپکا بے حد ممنون ہوں، الحمدللہ جواب کافی وشافی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور آپ کے قلم میں برکت دے، اس زمانہ میں جب کہ غیر مقلدیت پیسوں کے زور پر پھیلائی جارہی ہے، اور سلفیت کی تحریک ایک ہمہ گیر فتنہ بن رہی ہے، آپ کا وجود ہمیں بڑا غنیمت محسوس ہوتا ہے، براہ کرم مندرجہ ذیل دو سوالوں کا بھی جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

(۱) نصف شعبان کا جو اہتمام عبادت وغیرہ کے سلسلہ میں ہوتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ غیر مقلدین اس رات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں۔

(۲) میت کے لئے ایصال ثواب کے لئے جمع ہوکر قرآن پڑھنا یہ از روئے شرع کیا ہے؟ قران پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

ابوالمجاہد سرفراز   گورکھپور

زمزم!

پہلے ایک اصولی بات ذہن میں رکھئے کہ جو عمل اسلاف میں معمول یہ رہا ہو اس کا انکار کرنا جائز نہیں ہے، ہمارے پاس دین اسلاف ہی سے منتقل ہو کر کے آیا ہے، تو اب اسلاف میں کوئی بات عمومی انداز میں ہوتی چلی آئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل شریعت میں ضرور ہے، خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو، اگر ہم نے اسلاف پر اتنا بھی اعتماد نہیں کیا تو پھر ہمیں اس دین پر اعتماد کرنے کا کیا حق ہے جو انہیں سے منتقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔

دوسری بات جو بہت اہم ہے وہ یہ کہ بعض چیزیں اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہوتی ہیں مگر ہم اپنی طرف سے کچھ ایسی زیادتیاں کر دیتے ہیں کہ وہ جائز عمل بھی ناجائز ہو جاتا ہے، مثلاً مدح صحابہ کا عمل مشروع ہے، سیرت کا جلسہ کرنا مشروع ہے، قبروں پر جانا مشروع ہے، لیکن مدح صحابہ کے نام پر جلوس نکالنا، چراغاں کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح سیرت کے جلسوں کے لئے ربیع الاول یا ربیع الثانی کے دنوں کا خاص اہتمام کرنا، کھڑے ہو کر ان جلسوں میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اتنی رات تک جلسوں میں جاگنا کہ فجر کی نماز ہی چلی جائے اس قسم کی حرکتوں سے جائز عمل بھی ناجائز ہو جائیگا، قبروں کی زیارت کا بھی یہی مسئلہ ہے، قبر کی زیارت آخرت کی اور موت کی یاد کے لئے کی جاتی ہے، اب اگر اس زیارت کو تماشا بنالیا جائے، قبروں پر اجتماع ہو، عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہو، پھر آگے بڑھ کر قبروں کا طواف اور بوسہ ہو، سجدہ ریزی ہو تو ایسی زیارت حرام ہوگی۔

نصف شعبان کی رات کے سلسلہ میں یہی بات ہے کہ اگر اس رات کو عید کی رات بنالیا جائے، مساجد میں لوگوں کا اجتماع ہو اور اجتماعی نماز ودعا کا اہتمام کیا جائے، اور رات میں جاگنا بطور رسم ہو تب تو یہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر اس رات میں تنہا عبادت کی جائے،

تضرع اور عاجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوکر استغفار کیا جائے، گناہوں کی معافی مانگی جائے، اللہ سے اس کی رحمتوں کا سوال ہوتو اس کے نامشروع اور ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بہت سی احادیث سے لیلۃ نصف شعبان کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، اگر چہ یہ احادیث قوت سند کے اعتبار سے بہت زیادہ اونچے درجے کی نہیں ہیں مگر تعدد طرق کی وجہ سے ان میں اتنی پختگی پیدا ہوگئی ہے کہ ان کا انکار کرنا اصول حدیث اور قاعدہ محدثین کے خلاف ہوگا، آپ کہتے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات نصف شعبان کی اہمیت کے انکاری ہیں یہ میری سمجھ سے باہر ہے اس وجہ سے کہ غیر مقلدین کے عقل کل مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا فرمان تو اس کے خلاف ہے، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

اعلم انه قدورد فی فضيلة النصف شعبان عدة احاديث مجموعها يدل علی ان لها اصلاً (تحفة ص ۲۵۲ ج ۲)

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ نصف شعبان کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان سب کے مجموعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان احادیث کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔

اس کے بعد مولانا مبارک پوری نے ترمذی میں حضرت عائشہؓ والی حدیث کے سوا متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن سے نصف شعبان کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔

اور ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

فهذه الاحاديث بمجموعها حجة علی من زعم انه لم يثبت فی فضيلة النصف من شعبان شیء (ایضاً ص ۵۳ ج ۲)

یعنی یہ تمام حدیثیں ان لوگوں پر حجت ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نصف

شعبان کی فضیلت کے سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، غیر مقلدین، امام بخاری، امام مسلم، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی باتوں کا تو انکار کر دیں گے مگر اپنے عقل کل مولانا مبارکپوری کی باتوں کا ان سے انکار نہ ہو سکے گا۔

امام ابن تیمیہ بھی اس رات کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں بلکہ وہ تو مخصوص جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو بھی اس رات میں مستحسن قرار دیتے ہیں اور اس کو اسلاف کا مذہب وعمل بتلاتے ہیں، امام ابن تیمیہ کا یہ پورا کلام آپ غور سے پڑھیں۔

سئل عن صلوٰة نصف شعبان فاجاب اذا صلى الانسان ليلة النصف وحده اوفى جماعة خاصة كما كان يفعل طواف من السلف فهو احسن. (فتوی شیخ الاسلام ص ۱۳۱ ج ۲۳)

یعنی امام ابن تیمیہ سے نصف رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر اس رات میں کوئی تنہا یا مخصوص جماعت کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ اسلاف کے بہت سے لوگوں کا یہ معمول تھا، تو یہ اچھا عمل ہے۔

اگر آپ نے اپنے اطراف کے غیر مقلدوں کا حال لکھا ہے کہ آپ کے اطراف میں غیر مقلدین نصف شعبان کی فضیلت کے منکر ہیں، تو ان کے انکار کی زیادہ سے زیادہ وجہ یہ ہوگی کہ وہ ان احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہوں گے، مگر شاید ان بیچاروں کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے علماء ضعیف احادیث کا فضائل ہی میں نہیں بلکہ احکام ومسائل میں قابل حجت مانتے ہیں، مولانا عبدالوہاب ملتانی کے صاحبزادہ مولانا عبدالستار غیر مقلد کے فتاوی کا

مجموعہ چار جلدوں میں فتاوی ستاریہ کے نام سے شائع ہوا ہے اس کی جلد چہارم میں اس کا فتوی موجود ہے، آپ بھی سن لیں اور سارے غیر مقلدین بھی کان کھول کر سن لیں۔

(سوال نمبر ۴۷۶) کیا ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ شاہ ولی اللہ کی متعلق سنا ہے کہ وہ کمزور حدیث پر عمل کرتے تھے۔

(جواب نمبر ۴۷۶) ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے

فتاوی ستاریہ شائع کردہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

(۴) میت کے لئے جمع ہو کر کے اور اس کا کوئی خاص دن مقرر کر کے قرآن پڑھنے کا اسلاف میں معمول نہیں تھا، اور جو چیز سلف میں نہ پائی جاتی ہو اس کا شرعی ہونا محل نظر ہے۔

میت کے لئے انفرادی طور پر قرآن پڑھ کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا چاہیے، اتفاقیہ طور پر اگر کچھ لوگ جمع ہو جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر اس کو رسم اور رواج نہیں بنانا چاہیے، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ میت کو قرآن پڑھنے کا ثواب پہنچتا ہے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

وقرأة القران عنه فهذا فيه قولان احدهما ينتفع به وهو مذهب احمد و ابی حنیفة. (فتاوی ص ۳۱۵)

یعنی میت کی طرف سے قرآن پڑھنے کے بارے میں دو قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ میت کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور یہی امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

فاذا اهدی میت ثوابصیام اوصلاة او قرأة جاز ذالک

(ص ۳۲۲)

یعنی اگر میت کو روزہ، نماز یا قرآن کی تلاوت کا ثواب ہدیہ کرے تو یہ جائز ہے۔

آج کل دستور یہ ہو گیا ہے کہ میت کی تدفین کے تیسرے روز بطور خاص اس کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں، بلکہ بعض جگہ تو پیسے دے کر اور کھانے پینے کا انتظام کر کے کچھ لوگوں کو بلایا جاتا ہے جو قرآن پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب پہنچاتے ہیں، یہ عمل سراسر بدعت، خلاف شریعت اور ناجائز ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

حدیث پر صحت وضعف کا حکم امر اجتہادی ہے

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری مدظلہ،

سلام مسنون۔

زمزم کے شماروں کا مطالعہ ہم سب کے لئے کافی نظر کشا ثابت ہو رہا ہے، بہت سے اشکالات رفع ہوئے، احناف رحمہم اللہ کی فقہی بصیرت اور ان کی دیدہ وری کے ٹھوس دلائل مہیا ہوئے اور اطمینان وسکون کی کیفیت سے دل میں آسودگی وتازگی پیدا ہوئی، آپ کے بالمقابل غیر مقلدین اہل قلم کی بھی ہم تحریریں پڑھتے ہیں، ان کی تحریروں کے اسلوب، لب ولہجہ کی درشتی دلائل کا دلائل سے جواب دینے کے بجائے صریح دشنام گوئی سے نفرت ہوتی ہے، ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہی کی وادی تیہ میں سرگرداں رکھے۔ وما علینا الا البلاغ.

حدیث کی صحت وضعف اور اس کے قابل قبول ونا قابل قبول ہونے پر مختصر سی روشنی عام فہم انداز میں ڈالیں۔ والسلام

اسرائیل موسیٰ پٹیل احمد اباد

زمزم!

حدیث کے صحیح وضعیف ہونے کا فیصلہ کرنا بھی امر اجتہادی ہے، محدثین رحمہم اللہ عموماً سندوں کو دیکھ کر اس پر صحیح وضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں، فقہائے کرام سندوں سے زیادہ درایت کو کام میں لاتے ہیں، اور زیادہ تر اسی بات کو حدیث کے قبول کرنے یا نہ کرنے

کی بنیاد بناتے ہیں۔

مثلاً امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضورﷺ کے ساتھ رمضان میں عمرہ کیا تو آپ نے تو روزہ نہیں رکھا اور میں نے روزہ رکھا، اور آپﷺ نے نماز قصرا ادا کی اور میں نے پوری نماز پڑھی قصر ادا نہیں کی۔

اس حدیث کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اسنادہ حسن یعنی اس کی سند حسن ہے گویا سند کے اعتبار سے یہ حدیث محدث امام دارقطنی کے نزدیک قابل قبول ہے۔

مگر اس حدیث میں جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے غور کیا تو اس کے باطل ہونے کا فیصلہ فرمایا۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضورﷺ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں عمرہ کیا جب کہ رمضان کے زمانہ میں آنحضورﷺ کا عمرہ ثابت نہیں ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو متعدد وجوہ سے باطل قرار دیا۔

دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الثانی ان فی الحدیث ، انھا خرجت معتمرة معه فی رمضان عمرة رمضان و کانت صائمة وهذا کذب باتفاق اهل العلم فان النبیﷺ لم یعتمر فی رمضان قط وانما کانت عمرته فی شوال واذا کان لم یعتمر فی رمضان ولم یکن فی عمرة علیه صوم بطل هذا الحدیث (فتاویٰ ص ۸۰ ج ۲۲)

یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے رمضان میں آپ ﷺ کے ساتھ رمضان کا عمرہ کیا اور وہ روزہ سے تھیں، اور یہ بات اہل علم کے متفقہ فیصلہ کے مطابق جھوٹ ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان میں کبھی عمرہ کیا ہی نہیں، آپ کا عمرہ شوال میں ہوا کرتا تھا، اور جب رمضان میں آپ ﷺ سے عمرہ کرنا ثابت نہیں اور عمرہ میں آپ پر روزہ فرض ہی نہیں تھا تو یہ حدیث باطل ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ امام دار قطنی جس حدیث کو سند کی بنیاد پر ثابت مان رہے ہیں اس حدیث کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ باطل اور جھوٹ بتلا رہے ہیں، اسی لئے اہل اصول کا یہ فیصلہ ہے کہ سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، اور نہ سند کے ضعیف ہونے سے حدیث کا ضعیف ہونا ضروری ہے۔

ہمارے نزدیک اس بارے میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ خیر القرون کے فقہاء جو صرف فقیہ نہیں تھے بلکہ حدیث میں بھی بابصیرت تھے ان کا فیصلہ حدیث کے صحیح وضعیف ہونے کے بارے میں زیادہ موجہ اور قابل قبول ہے، اگر فقہائے کرام اور خصوصا ائمہ اربعہ کا عمل کسی حدیث پر ہے تو اس کا صحیح ہونا اغلب ہے خواہ اس کی سند ضعیف ہو یا صحیح، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فمن تكلم بجهل وبما يخالف الائمة فانه ينهى عن ذلك (فتاوىٰ ۲۲ ص ۲۲۷) یعنی جو بلا علم جہالت سے گفتگو کرے یا ایسی بات کرے جو ائمہ کے اقوال کے مخالف ہو تو اس کو اس سے روکا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام کے اقوال عموماً صحیح حدیث کی روشنی میں ہوا کرتے تھے نیز وہ شریعت کے منشاء ہوتے تھے۔

اسی طرح اگر زمانہ خیر القرون میں کسی حدیث پر عمومی انداز سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے تو وہ حدیث بھی قابل قبول ہے سند کے صحت وضعف پر نگاہ نہیں کی جائے گی، کسی حدیث کے صحیح ہونے کی سب سے قوی دلیل سلف کا تعامل ہے، مثلاً بیس رکعت تراویح کی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر زمانہ خیر القرون میں نیز بعد کے ادوار میں بھی زیادہ تر مسلمانوں کا عمل بیس رکعت تراویح پڑھنے کا رہا ہے، اس وجہ سے سند کے ضعف کے باوجود تعامل سلف کی وجہ سے بیس رکعت ہی تراویح پڑھنا موجبہ قرار پائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث سنداً ضعیف ہیں مگر امام ترمذی وغیرہ تصریح فرماتے ہیں **وعلیہ عمل اھل العلم** یعنی سنداً حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔

کبھی ایک مسئلہ میں متعدد مختلف المعنی حدیثیں ہوتی ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کو کوئی فقیہ قبول کرتا ہے اور دوسری پر اس کا عمل نہیں ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دوسری حدیث اس کے نزدیک غیر ثابت ہے، بلکہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینے کی بنیاد دوسری چیزیں ہوتی ہیں جن کی تفصیل کتابوں میں مذکور ہے۔

آپ کا خط ایسے موقع سے ملا کہ میری طبیعت ہفتوں سے خراب چل رہی ہے، نقاہت اور ضعف بہت ہے، ہمت نہیں ہے کہ کتابوں کی طرف زیادہ رجوع کروں اگر خدانخواستہ اتنے سے آپ کی تشفی نہیں ہوئی تو انشاء اللہ کسی دوسرے موقع سے اس کی تفصیل کردی جائے گی، خطوط جب زیادہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کا جواب لکھنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے فوری طور پر جو بات ذہن میں تھی عرض کردی گئی۔ میری کتاب لمحہ فکریہ اگر مل جائے تو اس کا کا مطالعہ کرلیں، بہت سی باتیں اس سے سمجھ میں آجائیں گی۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

علم غیب اور علمائے دیوبند

محترم المقام حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ گذشتہ دنوں ترجمان اہلحدیث دہلی کے کچھ شمارے بعض احباب نے لا کر دیئے، ان تمام شماروں میں آپ کے خلاف لمبی لمبی تحریریں ہیں، مگر چونکہ جو لکھا گیا ہے اس کا انداز غیر مہذب اور سوقیانہ ہے، جس سے بندہ کو قطعی مناسبت نہیں ہے اس وجہ سے میرے بس میں نہیں تھا کہ میں ان مضامین کو بالاستیعاب اور غور وفکر سے پڑھتا، مگر کہیں کہیں نگاہ پڑنے سے اس کا اندازہ لگا کہ لکھنے والے حضرات نے علماء دیوبند کو غیب کا جاننے والا قرار دیا ہے، بعض واقعات سے استدلال بھی کیا ہے، جماعت دیوبند میں اس عقیدہ کی حقیقت کیا ہے؟ ان واقعات کا انتساب ان علمائے دیوبند کی طرف کہاں تک درست ہے، براہ کرم افادہ فرمائیں۔ (ایم، اے رومی گلبرگہ نا ٹک)

زمزم!

علمائے دیوبند اور جماعت دیوبند سے جو لوگ واقف ہیں انہیں خوب معلوم ہے کہ علمائے دیوبند تو آنحضور ﷺ کے بارے میں عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے، نہ آپ کے سوا کسی اور پیغمبر اور پیر بزرگ کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے بریلویوں سے اس معاملہ میں ان کی رزم آرائیاں مشہور زمانہ ہیں، تو بھلا ان کا یا ان کے اکابر کا یہ عقیدہ کیسے ہو

سکتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی غیب والا ہے۔

غیر مقلدین کی اس قسم کی فضولیات میں پڑنے کے بجائے ان کے حق میں دعائے خیر کرنا چاہیئے کہ رب العالمین ان کو راہ شدو ہدایت دکھلائے ،افتراء اور جھوٹ سے بچائے ،نفاق کی راہ بڑی پر خطر ہے، اور منافق کی بہت بڑی علامت جھوٹ بولنا ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ان الصفة الفارقة بين المومن المنافق هو الصدق فان اساس النفاق الذى يبنى عليه الكذب ، وعلى كل خلق يطبع المومن ليس الخيانة والكذب .(فتاوی ص ۵۷ ج ۲۰)

یعنی مومن اور منافق کے درمیان فرق کرنے والی صفت راست بازی ہے، اس لئے کہ نفاق کی اساس اور بنیاد جھوٹ ہی ہے، مسلمان میں تمام خصلتیں جمع ہوسکتی ہیں مگر خیانت اور دروغ گوئی نہیں۔

علمائے دیوبند کے بارے میں اس قسم کا پروپیگنڈہ منافق ہی کرے گا جسے نہ آخرت کا خوف اور نہ بندوں سے شرم وحیا سے مطلب۔

الحمدللہ علمائے دیوبند کی ہزاروں تالیفات ہیں اور یہ سب پڑھی جانے والی اور بار بار طبع ہونے والی تالیفات ہیں، ہمیں کوئی دکھائے کہ کس دیوبندی عالم نے اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ غیب داں ہے، یا دیوبندی جماعت کے کس فرد نے اپنے علماء و مشائخ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ غیب داں تھے۔

کسی جماعت اور اس کے اکابر پر کوئی تہمت لگانے سے پہلے ہزار بار اس کے عواقب وانجام کے بارے میں آدمی کو سوچ لینا چاہیئے۔

کشف وکرامت کے کسی جزئی واقعہ سے کوئی عقیدہ مستنبط کرنا یہ غیر مقلدین

حضرات کا نیا نیا چودھویں صدی کا اجتہاد ہے، اگر عقیدہ کی بنیاد اس قسم کے جزئی واقعات ہوں تو پھر اللہ کے سوا بندوں میں سے غیب دانوں کی ایک طویل فہرست تیار ہو جائیگی اور غیر مقلدین جماعت کے بھی ایسے غیب داں بڑی تعداد میں سر فہرست نظر آئیں گے۔

ہاں یہ حقیقت ہے کہ ایمان کامل اور تقویٰ کا نور کبھی انسان میں ایک ایسی کشفی حالت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے لئے بہت سے مظنونات یقین بن جاتے ہیں اور بہت سی وہ چیزیں جو دوسروں کے لئے مخفی ہوتی ہیں وہ اس کے لئے مشاہد ہو جاتی ہیں۔

مثلاً ہم کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو کسی جھلملاتی چیز کے بارے میں وہم و خیال ہوتا ہے کہ وہ ستارہ ہے مگر اس کے ستارہ ہونے کا یقین نہیں ہوتا صرف وہم و خیال کے درجہ کی چیز ہوتی ہے، مگر دوربین سے دیکھنے والا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے کہ وہ ستارہ ہی ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

یا مثلاً ایٹمی ذرات نگاہ سے نظر نہیں آتے مگر طاقتور دوربینوں سے ان کا نظر آنا کوئی امر محال نہیں رہ گیا ہے۔

یہی حال اہل ایمان اور اہل تقویٰ اور عامیوں کا ہے، تقویٰ اور ایمان کے کمال کی وجہ سے انسان کی باطنی طاقت اور معنوی بصارت بہت بڑھ جاتی ہے جیسے دوربین لگانے سے انسان کی بصارت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ارباب تقوی اور اہل ایمان کامل و خالص کو ان چیزوں کا مشاہدہ ہو جاتا ہے جو عام آدمیوں کے حد ادراک سے دور ہوتی ہیں مگر ایسا ہونا ہر وقت ضروری بھی نہیں کبھی یہ ادراک ہوگا کبھی نہیں ہوگا۔ جیسے دوربین ہر وقت کام نہیں کرتی ہے کسی عارض کی وجہ سے اس کی قوت کمزور یا بالکل ختم ہو جاتی ہے، جیسے دوربین کے شیشہ پر دھول جم جائے یا اس کے محاذات میں کوئی آڑ آ جائے۔ پہلی شکل میں دوربین صاف دیکھے گی نہیں، اور دوسری شکل میں بالکل نہیں دیکھے گی۔

اسی طرح اللہ والوں پر بھی مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں، کبھی وہ عالم بالا تک پہنچ جاتے ہیں اور اس عالم کا غیب ان کے لئے مشاہد بن جاتا ہے اور کبھی عالم اسفل کی چیزوں کا بھی انہیں ادراک نہیں ہوتا۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینم
گہے برپشت پائے خود نہ بلیم

بہرحال کشفی واقعات کو بنیاد بنا کر کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں علم غیب حاصل ہے یا ان کا عقیدہ علم غیب کا ہے حقائق سے بے خبری کا نتیجہ ہے، اور جہالت کی بات ہے۔

میں نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی تقریبا یہی بات کہتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ان عبارتوں میں آپ غور فرمائیں۔ فرماتے ہیں:

واذا کان القلب معمورا بالتقوی انجلت له الامور والکشف

یعنی جب تقویٰ سے دل آباد ہوتا ہے تو آدمی کے لئے معاملات بالکل واضح اور کھل جاتے ہیں۔ (فتاویٰ ص ۴۵ ج ۲۰)

نیز فرماتے ہیں:

وکلما قوی الایمان فی القلب قوی الکشاف الامور له وعرف حقائقها من بواطلها وکلما ضعف الایمان ضعف الکشف له (ایضا)

یعنی جب دل میں ایمان قوی ہو جاتا ہے تو اس کا کشف بھی بڑھ جاتا ہے اور چیزیں اس کے لئے کھل جاتی ہیں وہ حقیقتوں کو پالیتا ہے اور جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو دل کا کشف بھی کمزور ہو جاتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

وایضا فاذا کانت الامور الکونیة قد تنکشف للعبدالمومن لقوة ایمانه یقینا وظنا فالامورالدینیه کشفهاله ایسر بطریق الاولیٰ (ص ۴۶ ایضا)

یعنی جب بندوں کے لئے اس کے ایمان کی قوت کے مطابق عالم کون یعنی دنیا و آخرت کے امور کبھی یقین اور کبھی ظن کی شکل میں کھل جاتے ہیں تو دینی امور کا کشف تو ان کو بدرجہ اولیٰ آسان ہے۔

اور اب یہ آخری بات بھی اسی فتاویٰ سے یہ بھی سن لیں۔ فرماتے ہیں:

وکثیر من اهل الایمان والکشف یلقی الله فی قلبه ان هذا الطعام حرام، وان هذا الرجل کافر، اوفاسق، اودیوث اولوطی، اوخمار اومغن او کاذب من غیر دلیل ظاهر بل بما یلقی الله فی قلبه (ص ۴۷ ایضاً)

یعنی بہت سے اہل ایمان اور اہل کشف کے دل میں اللہ یہ ڈالتا ہے کہ یہ کھانا حرام ہے، یہ آدمی کافر ہے، یہ آدمی فاسق ہے، یہ آدمی دیوث ہے، یہ آدمی لوطی ہے، یہ آدمی شرابی ہے، یہ آدمی گویا ہے، یہ آدمی جھوٹا ہے، ان باتوں کو بتلانے کے لئے اس کے پاس کوئی ظاہری اور کھلی دلیل نہیں ہوتی ہے، محض اللہ کے دل میں ڈالنے سے اللہ والے ان باتوں سے باخبر ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ان عبارتوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ عام آدمی کی قوت علم اور ہے اور خاصان خدا کی قوت علم اور ہے، اور عام آدمی کے وسائل علم و معرفت اتنے نہیں ہیں جتنے سے مقربان بارگاہ الٰہی کو نوازا گیا ہے، عام آدمی کی حد ادراک صرف اسی عالم تک ہے جب کہ خاصان خدا اور اہل ایمان و تقویٰ کی حد ادراک اس عالم کو پار کر کے

اس عالم تک بھی ہے، مگر اس کی وجہ سے ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ انہیں علم غیب حاصل ہے، یہ غیب داں ہیں، یہ جہالت اور بددینی ہے، عالم الغیب ذات صرف اللہ کی ہے، اور تمام غیوب کا وہی جاننے والا ہے، اگر کسی کی قوت کشفیہ وعلمیہ میں ایمان وتقویٰ کی وجہ سے عام لوگوں کے مقابلہ میں قوت پیدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے وہ مانند دوربین ان چیزوں کا بھی مشاہدہ کرے جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں تو اس کا نام غیب کا جاننا نہیں رکھا جائے گا ورنہ اس کی وجہ سے کوئی غیب داں ہوگا۔

بزرگوں سے کشف وکرامات کے واقعات کا منقول ہونا تواتر سے ثابت ہے، اور اہل صلاح وتقویٰ سے کشف وکرامت کا صادر ہونا عین ممکن ہے، تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ اسی طرح بزرگان دیوبند کا معاملہ ہے، ان میں بھی اہل اصلاح اور اہل تقویٰ اور کامل الایمان اور اللہ کے مخلصین کی ایک جماعت ہر دور میں رہی ہے، اور ان سے بھی سنت اللہ کے مطابق کشف وکرامت کے واقعات ظہور میں آئے ہیں، ہمیں اس کا انکار نہیں، کشف وکرامت کے ان واقعات سے اللہ کے یہاں ان کے مقام ومرتبہ اور علو منزلت کا پتہ لگتا ہے، اور ان کے اہل حق ہونے کی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے۔

اگر کسی کو بزرگان دیوبند کی بزرگی کا یقین نہیں ہے، اور ان کے کشف وکرامات کے واقعات کو جھوٹ اور من گھڑت سمجھتا ہے، تو اس کو اس کا حق حاصل ہے، مگر ان جزئی واقعات کو بیناد بنا کر علمائے دیوبند یا جماعت دیوبند کی طرف غلط عقیدہ منسوب کرنا ہے بہت بڑا ظلم ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی للرشد والصواب

ائمہ متبوعین کا
معرفت حدیث میں مقام

محترم المقام مولانا غازی پوری صاحب زاد مجدہ

بعد سلام مسنون و نیاز شوق

کتابیں سب پہنچ گئیں زمزم کے بھی سارے شمارے مل گئے، آپ نے اپنے خرچ سے ان کتابوں کو رجسٹری بھیج کر مزید کرم فرمایا۔ جزاک اللہ

میں نے جو خط لکھا تھا اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ احادیث کے مدونات ائمہ متبوعین کے زمانہ کے بعد وجود میں آئے۔ محدثین کرام نے شہروں شہروں میں پھر کر حدیث کو جمع کیا، پوری زندگی اسی میں صرف کر دی، ان کے زمانوں میں حدیث کی خوب چھانٹ پھٹک بھی ہو گئی تھی اس لئے ان کو سنت کا علم اور احادیث کی صحت و سقم کا علم ائمہ متبوعین سے زیادہ ہوگا، اس لئے ائمہ کرام کے جو اقوال ان احادیث کے خلاف ہوں ان کا قبول کیا جانا محل نظر ہے، ترجیح محدثین کی جمع کردہ احادیث کو حاصل ہوگی۔

والسلام

سلیمان راشد رام پوری

مقیم حال نور نگر اوکھلا، دہلی

زمزم!

غالباً آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ ائمہ متبوعین محدثین نہیں تھے، حالانکہ مجتہد وہ ہو ہی نہیں سکتا جس کی نگاہ کتاب وسنت میں بہت دقیق اور بہت وسیع نہ ہو، ائمہ متبوعین کو اجتہاد کا بلند ترین مقام حاصل تھا، اس وجہ سے ان کا کتاب وسنت میں مقام بہت وبلند ہونا امر یقینی ہے، احادیث رسول پر ائمہ متبوعین رحمہم اللہ کی بڑی وسیع نظر تھی، بعد کے محدثین کو یہ فضیلت حاصل نہیں تھی، محدثین میں امام بخاری امام مسلم کا درجہ بہت اونچا سمجھا جاتا ہے مگر ائمہ مجتوعین کے مقابلہ میں معرفت احادیث میں ان کی نظر کم تھی، امام بخاری وامام مسلم کو کون اہل علم امام مالک اور امام احمد بن حنبل پر فوقیت دے گا، امام احمد بن حنبل امام شافعی کے شاگرد تھے، امام شافعی امام محمد کے شاگرد تھے، امام محمد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، اور یہ بات طے ہے کہ متقدمین کا علم متاخرین سے زیادہ تھا، احادیث کی معرفت جو متقدمین کو حاصل تھی وہ متاخرین کو کہاں حاصل ہوسکتی تھی۔

معرفت سے مراد ہماری یہاں یہ ہے کہ احادیث رسول ہونے کی جانچ و پرکھ، معرفت حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ کس کو کتنی حدیثیں یاد تھیں، احادیث کا زیادہ یاد ہونا اہل حقیقت کے نزدیک کوئی بڑا کمال نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ امام بخاری رحمہم اللہ کو تین لاکھ حدیثیں یاد تھیں، کسی نے کہا کہ چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں، ان میں ایک لاکھ صحیح حدیثیں تھیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو آپ فرمائیں کہ امام بخاری کو ایک قول کے مطابق دو لاکھ اور ایک قول کے مطابق پانچ لاکھ وہ حدیثیں یاد تھیں جو صحیح نہیں تھیں اور ظاہر ہے کہ صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دینی زندگی میں کام نہیں لیا جاسکتا تھا، تو پھر اتنا بڑا غیر صحیح حدیث کا ذخیرہ جمع کرنا حافظہ کا تو کمال قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کا عملاً فائدہ خود امام بخاری کو یا امت کو کیا پہنچا اور یہ کام کون سا خوبی کا ہوا۔

رہی ایک لاکھ صحیح حدیث والی بات تو اہل علم کو معلوم ہے کہ احادیث رسول کا خالص متن دس ہزار سے زائد نہیں، تو زیادہ سے زیادہ خالص احادیث رسول کا ذخیرہ دس ہزار حدیث ہوا، اب یہی دس ہزار حدیثیں صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کے ساتھ بڑھتے بڑھتے لاکھوں تک پہنچتی ہیں، ہزاروں کا لاکھ تک پہنچنے کی علت تعدد وطرق واختلاف اسانید ہے، اور کبھی ایک ہی حدیث کا متعدد ومختلف الفاظ سے مروی ہونا علت بنتا ہے، اب مثلا ایک حدیث ہے اور اس کو کسی محدث نے دس آدمیوں سے سنا تو اب وہ ایک حدیث دس ہو گئی، حقیقت میں حدیث ایک اور گنتی میں دس، بعض محدثین کا یہی ذوق تھا کہ ایک حدیث کی سندیں اور اس کے طرق زیادہ سے زیادہ کئے جائیں، سوان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مختلف بلاد وامصار کا سفر کریں اور اسی ایک حدیث کو متعدد وشیوخ سے روایت کریں، بعض نے اس طرح ایک حدیث کو سو واسطوں سے نقل کیا اور بعض نے ایک حدیث کو پانچ سو واسطوں سے نقل کیا پس وہ ایک حدیث محدثین کی اصطلاح میں ایک سو اور پانچ کہلائی یہ ذوق حدیث، حدیث رسول کے ساتھ شیفتگی و تعلق کا اظہار تو بتلاتا ہے، مگر عملا دینی زندگی میں اس کا فائدہ مفقود، اگر کسی کے نزدیک یہ کمال کی بات ہے تو کسی کے نزدیک اس سے حدیث کے بارے میں پیچیدگیوں کا بھی ظہور رہوا، اور سنت کے باب میں شبہات کا دروازہ کھلا۔

اور اس کی شرح یہ ہے کہ جتنے طرق بڑھتے گئے اور احادیث کی جتنی سندیں الگ ہوتی رہیں طرح طرح کے رواۃ بھی ان سندوں کی زینت بنتے گئے، ان میں ثقہ بھی تھے اور ضعیف بھی، اور خالص ثقہ بھی اور خالص ضعیف بھی، اب ایک حدیث جو اپنے ابتدائی دور میں جب تک دو تین واسطوں سے روایت کی جاتی تھی وہ بلا غبار صحیح تھی اس میں کسی کو کوئی کلام نہیں تھا، اس کا حدیث رسول ہونا دن کے اجالا کی طرح واضح تھا، مگر جب یہ حدیث

دوسرے ادوار میں پہنچی اور محدثین کے ذوق حدیث وشوق حدیث نے اس کی سندیں متعدد کر کے ایک حدیث کو کئی حدیث کر دیا، تو اس کی سندوں میں طرح طرح کے رواۃ کے آجانے کی وجہ سے اس پر طرح طرح کا کلام بھی ہونے لگا، اور جو حدیث اپنے دور اول میں بالکل بے غبار تھی اور دن کے اجالا کی طرح اس کی صحت واضح تھی اب وہ حدیث شکوک و شبہات کے گھیرے میں آ گئی۔

میں اپنی اس بات کو بہت طول نہیں دینا چاہتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ دور اول کے فقہاء ومحدثین کے بارے اور خصوصاً ائمہ متبوعین کے بارے میں کسی کا یہ کہنا کہ انہیں حدیث کا علم اصحاب دواوین حدیث سے کم تھا، صواب نظریہ پر مبنی نہیں ہے اور نہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے، اگر ائمہ متبوعین نے اپنے کسی فقہی مسئلہ کی بنیاد کسی حدیث کو بنایا ہے تو اس کا صحیح ہونا امر غالب ہے اور بعد کے کسی محدث کا اس کے بارے میں اس کے سوا فیصلہ کرنا قابل قبول نہ ہوگا، خواہ وہ فن حدیث کا کتنا بڑا بھی کیوں نہ امام ہو۔ (۱) ائمہ متبوعین کے زمانہ میں تین چار واسطوں سے احادیث مروی ہوتی تھیں اور ان میں بھی صحابی وتابعی کا دو واسطہ ہوتا تھا، ایک دو واسطے تبع تابعین کے ہوتے تھے، اس زمانہ میں احادیث رسول کے بارے میں احتیاط وتورع بھی عام ومشہور بات تھی، تقوی وتدین کا غلبہ تھا، اس لئے احادیث کی صحت وضعف کو پرکھنا جتنا ان ائمہ کے زمانہ میں آسان تھا بعد کے ادوار میں

صحیح حدیث ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہو، حدیث پر عمل کرنے کے لئے صحت حدیث کے ساتھ ساتھ مجتہدین ائمہ کرام اور بھی بہت سی چیزوں کو نگاہ میں رکھتے ہیں، مثلاً یہ کہ وہ منسوخ نہ ہو یا یہ کہ وہ عام متواتر عمل رسول کے خلاف نہ ہو، یا یہ کہ اس کا تعلق کسی اتفاقی حادثہ سے نہ ہو، ان کے علاوہ اور بہت سی چیزوں پر مجتہدین ائمہ کی نگاہ ہوتی ہے۔

اتنا آسان نہیں رہا، آخر کیا وجہ ہے کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی پوری صحیح بخاری میں وہی ۲۲/۲۳ حدیثیں سرمایۂ افتخار قرار پائیں جنکو ثلاثیات کہا جاتا ہے، ائمہ متوعین کے زمانہ میں انہیں ثلاثیات کا عمومی رواج تھا جس کا جی چاہے مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، کتاب آلاثار لابی یوسف، کتاب الآثار و کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ للامام محمد شیبانی و کتاب الام للامام شافعی و مصنف عبدالرزاق، و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لے۔

میری یہ گفتگو اگر چہ خلاصہ ہے اہل علم ہی کی تحقیقات کا اور جو کچھ کہا گیا ہے یہ انہیں کے کلام سے ماخوذ ہے مگر ہمارے کرم فرما آپ جیسے حضرات شاید اس کو افسانہ قرار دیں اس لئے کہ اس قسم کی باتوں سے آپ حضرات کے کان آشنا نہیں ہیں، اس لئے میں یہاں آپ کے بھی معتبر اور ہمارے بھی بزرگ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام سے کچھ اقتباسات نقل کرتا ہوں جن سے میری ان باتوں کی تائید ہوتی ہے، ان اقتباسات میں آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو آپ کے لئے حقیقت تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ اور میری ان باتوں کو بھی آپ قابل توجہ قرار دیں گے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں:

بل الذین کانوا قبل جمع هذه الدواوین اعلم بالسنة من المتاخرین بکثیر

(یعنی یہ کہنا درست نہیں ہے کہ کتب احادیث کے مؤلفین و جامعین کا علم زیادہ ہوگا) بلکہ جو ائمہ متبوعین احادیث کی ان تالیفات و مدونات سے پہلے تھے وہ اپنے متاخرین ائمہ حدیث کے مقابلہ میں سنت کے بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

اوراس کی وجہ بقول ابن تیمیہ یہ ہے فرماتے ہیں:

لان کثیر مما بالغهم وصح عندهم قد يبلغنا الاعن مجهول اوباسناد منقطع او لا يبلغنا بالكلية فكانت دواوينهم صدورهم التي تحوى اضعاف مافي الدواوين وهذا امر لا يشك فيه من علم القضية (فتاویٰ ج ٢٠ ص ٢٣٩)

اس لئے کہ بہت سی احادیث جو انہیں پہنچیں اور جن کی صحت ان کو پایہ ثبوت کو پہنچی ممکن ہے کہ وہ حدیث ہم تک کسی مجہول سند سے پہنچی ہوں یا ایسی سن سے جو منقطع ہوں، یا وہ حدیثیں ہمیں بالکل پہنچی ہی نہ ہوں۔

ان ائمہ کرام کے دواوین ان کے سینے تھے اوران سینوں میں کتابوں سے زیادہ علم تھا اور یہ وہ حقیقت جس کے بارے میں وہ شبہ نہیں کرسکتا جوصورت حال اوراصل قضیہ سے واقف ہے۔

دوسری جگہ ابن تیمیہ محدثین کے حدیث کے قبول کرنے یا نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فان الاحاديث كانت قد انتشرت واشتهرت لكن كانت تبلغ كثيرا من العلماء من طرق ضعيفة وقد بلغت غيرهم من طرق صحيحة غير تلك الطرق فتكون حجة من هذا الوجه (ايضا ص ٢٤٠)

یعنی احادیث (بعد کے ادوار میں) پھیلیں اور مشہور ہوئیں لیکن بہت

سے محدثین کو وہ حدیثیں کمزور سندوں سے پہنچیں (تو وہ ان کے نزدیک نا قابل حجت قرار پائیں) جبکہ دوسروں کو یہ حدیثیں صحیح سندوں سے پہنچیں تو اس وجہ سے وہ ان کے نزدیک حجت قرار پائیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اس کلام میں آپ بار بار غور کریں تو وہ تمام حقیقتیں آپ کیلئے ایک ایک کر کے کھلتی چلی جائیں گی جن کا میں نے اپنے سابقہ کلام میں مفصلاً ذکر کیا ہے۔

آپ حضرات سے ایک گزارش یہ ہے کہ آپ ائمہ متبوعین اور خصوصاً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے اور فیصلہ کرنے کا انداز اپنائیں، اگر اللہ کے یہاں یہ محبوبیت ومقبولیت کے انتہائی مقام پر نہ ہوتے تو چہار دانگ عالم میں ان کا یہ شہرہ نہ ہوتا اور پوری دنیا میں انہیں کے نام کا آوازہ نہ گونجتا، انہیں کی مذہب وفقہ کے پیروکار زمین کے چپہ چپہ پر نظر نہ آتے، آج امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث کی کتاب صحیح بخاری کو تو ہر شخص احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر ان کے فقہی نظریات مستقل مکتبہ فکر اختیار نہ کر سکے اور نہ کوئی آج امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہو کر کے جانا پہچانا جاتا ہے۔(۱)

امام بخاری تو خیر بہت بعد کے ہیں ائمہ متبوعین کے ہم عصر جو ائمہ فقہ حدیث تھے کا بھی چراغ نہیں جل سکا، ان ائمہ کے مذاہب وفقہ کا ذکر آج صرف کتابوں میں ہے۔

---

(۱) کمال کی بات تو یہ ہے کہ آپ جیسے اہلحدیث حضرات بھی امام بخاری سے تعلق کے اظہار کے باوجود صحیح بخاری کی تمام احادیث پر عمل پیرا نہیں ہیں اور نہ امام بخاری کے تمام فقہی نظریوں کو قبول کرتے ہیں تا بدیگراں چہ رسد۔

مثلاً امام اوزاعی، امام ثوری، امام لیث وغیرہم ان میں سے ان ائمہ اربعہ کے مقابلہ میں کسی
دین اسلام اور شریعت اسلامیہ پر آج پوری دنیا میں عمل انہیں مذاہب اربعہ کے
واسطہ سے ہو رہا ہے، یہ مذاہب اربعہ دین وشریعت کے حفاظت کا ذریعہ ہیں، اگر خدا
نخواستہ اللہ کا یہ تکوینی اور غیبی نظام وانتظام نہ ہوتا اور دنیا کے مسلمان غیر مقلد ہوکر جیتے تو
اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا، اور شریعت خیالات ورجحانات کے تابع ہو جاتی، اور پھر انا نحن
نزلنا الذکر و انا له لحافظون. کا خدائی وعدہ پورا نہ ہوتا۔

یہ مذاہب اربعہ ہی حقیقت میں اس آیت کریمہ میں جو وعدہ ہے اس کی حق اور
سچے ہونے کی عملی تفسیر ہیں، انہیں مذاہب کے طفیل قیامت تک انشاء اللہ کتاب وسنت پر عمل
اور ان کی حفاظت ہوتی رہے گی۔

صحابہ کرام کو برا کہنے والا اہلسنت نہیں قرار پائے گا (۲) تارکین تقلید کا نام عقلاً وشرعاً ''غیر مقلد'' سے زیادہ کوئی اور مناسب نہیں

مکرمی مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب

سلام مسنون!

اولاً میں صاف کردوں کہ میں مسلکاً اہلحدیث ہوں، دہلی میں میری تعلیم مکمل ہوئی ہے مجھے آپ سے کسی مسئلہ پر الجھنا نہیں ہے نہ بحث میرا مقصود ہے، میں آپ سے صرف دو باتوں کا سوال کروں گا۔

(۱) اہلحدیث جماعت کو آپ اہلسنت والجماعت میں سے شمار کرتے ہیں یا نہیں اگر اہلحدیث اہل سنت والجماعت نہیں ہیں، تو اس کے دلائل آپ کے پاس کیا ہیں، معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کتاب وسنت سے جو ثابت ہو وہی مذہب ہے۔

(۲) آپ جماعت اہلحدیث کے افراد کو غیر مقلد کہتے ہیں، جب کہ اس نام سے ہم اپنے کو مخاطب نہیں کرتے ہیں، جو نام پسند نہ ہو تو اس نام سے ہمیں پکارنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، آپ کی تحریروں سے متاثر ہو کر دیوبندی جماعت کے تمام پرچے اب ہمیں اس نام سے یاد کرتے ہیں، کیا اس کا گناہ آپ کو نہیں ہوگا؟

زبیر احمد السلفی بستی، یوپی

زمزم!

مجھے آپ کی صاف گوئی پسند آئی، میرے پاس بہت سے خطوط آتے ہیں جن میں حنفی ظاہر کر کے سوال کیا جاتا ہے، میں ان خطوط کا جواب نہیں دیتا، آپ اہلحدیث ہیں، خدا مبارک کرے، آپ کے دونوں سوالوں کا جواب مختصراً عرض ہے۔

کسی جماعت کا اہلسنت والجماعت ہونے کا دعوی کرنا یا کسی جماعت کا یہ کہنا کہ اس کا عقیدہ کتاب وسنت پر ایمان کا ہے، اہلسنت ہونے کے لئے محض یہ دعوی اور زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہے، دیکھئے قادیانی تک یہ کہتے ہیں کہ ان کا مذہب اسلام ہے، وہ کتاب و سنت پر یقین رکھتے ہیں، ان کی کتابیں پڑھئے تو وہ کتاب وسنت سے استدلال بھی کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ان کے اس دعوی کے باوجود اہلسنت والجماعت تو کجا کوئی مسلمان ان کو مسلمان بھی نہیں سمجھتا۔

شیعہ فرقہ دعوی کرتا ہے کہ وہ شیعان علی اور محبان اہلبیت میں سے ہے اور وہ اپنے مسائل وعقیدہ کو کتاب وسنت سے پیش کرتا ہے، مگر اہل نظر نہ ان کو محبان اہلبیت و شیعان علی سمجھتے ہیں اور نہ ان کے کتاب وسنت کے دعوی ہی کو صحیح سمجھتے ہیں۔۔ کسی کا اہلسنت والجماعت ہونا حقائق اور اس کے واقعی عقائد کی روشنی میں ثابت ہوگا اور دیکھا جائے گا کہ اس فرقہ کی اساسی و بنیادی کتابیں کیا کہتی ہیں، اور اس فرقہ کے اکابر علماء کیا عقیدہ رکھتے ہیں، اس روشنی میں کسی کے بارے میں اہلسنت والجماعت ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اب آپ ذرا صرف ان باتوں میں غور کریں جو میں آپ کی جماعت کے اکابر کی کتابوں سے نقل کرتا ہوں۔

(۱) نزل الابرار نواب وحید الزماں صاحب حیدر آبادی کی کتاب ہے اس میں صحابہ کرام کے بارے میں لکھا ہے۔

ان جاء کم فاسق بنبآ فتبینو انزلت فی ولید بن عقبة و کذالک قوله تعالی من کان مومناً کمن کان فاسقا، ومنه یعلم ان من الصحابة من هو فاسق کالولید و مثله یقال فی حق معاویة و عمر و مغیره وسمرة
(ص ۶۴ جلد ۳)

اس عبارت کا ترجمہ بدرجہ مجبوری آپ کے لئے کر رہا ہوں ورنہ دل نہیں چاہتا کہ اس بیہودہ عبارت کا ترجمہ کروں۔ ترجمہ یہ ہے

ان جاء کم فاسق بنبآ فتبینو والی آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور اسی طرح یہ آیت بھی من کان مومناً کمن کان فاسقاً اور اس سے جانا جاتا ہے کہ صحابہ میں سے کچھ لوگ فاسق بھی تھے۔ جیسے ولید، اور یہی بات کہی جائے گی معاویہ، عمرو، مغیرہ اور سمرہ کے بارے میں بھی۔

حضرت ولید بن عقبہ، حضرت معاویہ بن سفیان حضرت عمرو بن عاص حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب جلیل القدر اور عظمت و شان والے صحابی ہیں، ان صحابہ کرام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے (رسالت) کے لئے مجھے پسند کیا۔ اور (میری رفاقت اور صحبت کے لئے) میرے اصحاب کو میرے لئے چنا۔ ان صحابہ کرام کے بارے میں خدا نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہا، اور ان کی اتباع کا مسلمانوں کو حکم فرمایا۔

ذرا آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں یہ کسی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہوسکتا ہے۔؟

انہیں نواب وحید الزماں صاحب کی ایک کتاب کنز الحقائق ہے، اس میں ان صحابہ کرام کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو رضی اللہ عنہ کہنا بھی جائز نہیں ہے، اصل عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

ویستحب الترضی للصحابة غیر ابی سفیان و معاویة و عمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبة و سمرة بن جندب (ص ۲۴۳)

یعنی صحابہ کرام کو رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے مگر ابو سفیان، معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب کو رضی اللہ عنہ کہنا مستحب نہیں ہے۔

بھلا بتلایئے کہ یہ کسی اہل سنت کا عقیدہ ہوسکتا ہے، اور کسی سنی کی زبان سے یہ بات نکل سکتی ہے؟

نواب صاحب کی کتاب ھدیة المھدی آپ کی جماعت اہلحدیث کی بہت معتبر کتاب ہے، اس میں صحابہ کرام اور خصوصاً حضرت معاویہ کو جو کچھ کہا گیا ہے اس کا نقل کرنا بھی دشوار ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ صحابہ کرام کے بارے میں جن کا یہ عقیدہ ہو کہ معاذ اللہ وہ فاسق بھی تھے، اس کو اہلسنت کہنا جائز ہوگا، یا وہ فرقہ اہلسنت والجماعت میں سے شمار ہوگا۔

آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ نواب وحید الزماں کی ذاتی رائے ہے۔ اور اہلحدیث نامی فرقہ کا ان عقائد سے کوئی تعلق نہیں، یہ عذر اس لئے قابل قبول نہیں کہ ان دونوں کتابوں نزل الابرار و ہدیۃ المہدی کا تذکرہ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع شدہ کتاب اہلحدیث کی تصنیفی خدمات میں کیا گیا ہے۔ اور نزل الابرار کے متعلق تو تعریف کے یہ کلمات

لکھے گئے ہیں کہ یہ فقہ اہلحدیث میں مشہور کتاب ہے اور عوام وخواص میں مقبول ہے، اور اس کتاب نزل الابرار کو مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی مشہور اہلحدیث عالم اور اہلحدیث مناظر نے اپنے اہتمام میں اپنے مطبع سعیدی بنارس سے ۱۳۲۸ھ میں اپنی حواشی کے ساتھ شائع کیا تھا۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے اپنے حواشی میں بہت سی جگہ مصنف سے اختلاف ظاہر کیا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں نزل الابرار کے مصنف کا جو بیہودہ کلام ہے اس پر مولانا ابوالقاسم نے کوئی حاشیہ نہیں لگایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بنارسی صاحب خود بھی اس سے متفق ہیں۔ معاذ اللہ۔ اس لئے کسی بھی اہلحدیث نامی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کتاب کو اہلحدیث فرقہ کی متفق علیہ کتاب قرار نہ دے۔

صحابہ کرام کے بارے میں آپ کے تمام اکابر واصاغر کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کا فہم حجت ہے نہ ان کا قول دین وشریعت میں حجت ہے، اور نہ ان کا عمل حجت ہے، خلفائے راشدین تک کا قول وفعل اور عمل آپ کے یہاں حجت نہیں ہے۔

اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے، یہ شیعوں خارجیوں ناصبیوں کا عقیدہ ہے، پھر اہلحدیث فرقہ کو آپ کیسے اہلسنت فرقہ قرار دیں گے۔

صحابہ کرام کے بارے میں آپ کے مرکزی ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع شدہ تنویر الآفاق نامی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ کسی سنی کے قلم سے صحابہ کرام کے بارے میں نہیں لکھا جاسکتا، اس کتاب کی صرف دو عبارتیں پیش کرتا ہوں، مصنف کتاب لکھتا ہے:

''ہم آگے چل کر کئی ایسی مثالیں پیش کرنے والے ہیں جن میں
احکام شرعیہ ونصوص کے خلاف خلفائے راشدین کے طرز عمل کو پوری
امت نے اجتماعی طور پر غلط قرار دیکر نصوص واحکام شرعیہ پر عمل کیا

ہے''۔ص ۱۰۷۔

خدارا آپ فرمائیں کہ جن خلفائے راشدین کے بارے میں اللہ کے رسول کا یہ ارشاد ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، ان خلفائے راشدین کے بارے میں اہلحدیث نامی فرقہ کا یہ عیقدہ و مذہب کہ خلفائے راشدین خلاف نصوص اور احکام شرعیہ کے خلاف کام کرتے تھے اور پوری امت نے ان کے طرز عمل کو غلط قرار دیا اور اس کو رد کر دیا، کیا کسی بھی اہل سنت کی زبان وقلم پر یہ بیہودہ کلام آ سکتا ہے، اور کسی بھی سنی کا یہ مذہب وعقیدہ ہوسکتا ہے۔

ایک جگہ یہ مصنف خلفائے راشدین ہی کے بارے میں لکھتا ہے:

''اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذاتی مصلحت بینی کی بنیاد پر بعض خلفائے راشدین نے بعض احکام شرعیہ کے خلاف بخیال خویش اصلاح ومصلحت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے، ان احکام کے سلسلہ میں ان خلفاء کی باتوں کو عام امت نے رد کر دیا'' ص ۱۰۷

اس پوری عبارت میں ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ خلفائے راشدین کے بارے میں اس قسم کی باتیں کسی اہلسنت والجماعت فرقہ کا کوئی فرد لکھ سکتا ہے، اس عبارت کی ایک ایک سطر اس بیہودہ مصنف کے صحابہ سے بغض کو ظاہر کر رہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کی عداوت ودشمنی کو آشکارا کر رہی ہے، اس قسم کی بیہودہ کتابیں جامعہ سلفیہ سے شائع ہوں اور پھر بھی یہ ادارہ اہل سنت کا ادارہ کہلائے تعجب نہیں تو اور کیا ہے۔

میں اہلحدیث فرقہ کے اور دوسرے عقائد ومسائل سے اس وقت تعرض نہیں کرتا،

خط کے جواب میں ساری باتیں لکھی نہیں جاسکتی ہیں۔

آپ سے گذارش کروں گا کہ صرف انہیں مذکورہ باتوں میں آپ کتاب وسنت کی روشنی میں غور کر کے بتلائیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں جن کا اس قسم کا عقیدہ اور مذہب ہو ان کو اہلسنت والجماعت میں سے شمار کرنا کیونکر جائز ہوگا، ممکن ہے کہ آپ کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اس قسم کی بکواسیں دین وایمان قرار پائیں اور ان عقائد کے باوصف آپ اپنے کو اہلحدیث اور اہلسنت ہی سمجھیں، مگر ہمارے نزدیک صحابہ کرام کے بارے میں جن کا یہ عقیدہ اور مذہب ہو اس کا تعلق اہلسنت والجماعت سے قطعاً نہیں ہے، اور انشاء اللہ آپ بھی اگر اہلحدیث ہوں گے تو ہماری بات کو قبول کریں گے اور ہماری موافقت فرمائیں گے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال ہے کہ جب اہلحدیث فرقہ اپنے کو اہلحدیث کہتا ہے تو اس کو ہم غیر مقلد کیوں کہتے ہیں۔

اس کا جواب اوپر والے جواب ہی سے معلوم ہو گیا کہ اہلحدیث نام رکھنے سے کوئی فرقہ اہلحدیث نہیں ہو جائے گا، شیعہ اگر صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے اور قرآن کو محرف ماننے کے باوجود اپنے کو مسلمان کہیں تو ان کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا، قادیانی ختم نبوت کا انکار کریں اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بارے میں گندی باتیں کہیں اور پھر خود کو مسلمان بھی کہیں تو کوئی عقل والا ان کو مسلمان نہیں کہے گا، کوئی فرقہ یا جماعت اپنا کچھ بھی نام رکھ لے اگر اس کے عقائد درست نہیں ہیں تو اس کو ہدایت یافتہ جماعت نہیں قرار دیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرات یعنی اہلحدیث نام کا فرقہ تقلید کو شرک بتلاتا ہے، کافرین اور مشرکین کے بارے میں قرآن کی جو آیتیں ہیں ان کا مصداق مقلدین کو بھی قرار دیتا ہے اور ان کو کافروں اور مشرکوں کی فہرست میں رکھتا ہے، تو جب تقلید شرک ہے

اور مقلدین مشرک ہیں تو عدم تقلید عین ایمان قرار پایا، اور لفظ غیر مقلدین مومنین کا ہم معنی ہوا، تو آخر تقلید کو شرک سمجھتے ہوئے یا کم ازکم گمراہی سمجھتے ہوئے غیر مقلد یا غیر مقلدیت کا کلمہ آپ حضرات کو ناگوار کیوں ہوتا ہے، یہ تو آپ کا حقیقی و اصلی نام ہے، اس لفظ یا نام کا استعمال تو آپ حضرات تارکین تقلید کو بطور فخر کرنا چاہئے، اس نام سے معلوم نہیں آپ حضرات کو چڑ کیوں ہوتی ہے، غیر مقلدیت کو آپ عین ایمان بھی قرار دیں اور غیر مقلد کے لفظ سے آپ چڑیں بھی یہ منطق ہمارے پلے نہیں پڑتی، براہ کرم آپ بتلائیں کہ جب آپ کا مذہب عدم تقلید ہے تو غیر مقلد کا لفظ آپ کو ناگوار کیوں ہے؟

آپ حضرات نے اپنا مختلف نام رکھا ہے، کبھی اپنے کو موحد کہا، کبھی محمدی کہا، کبھی اہلحدیث کہا کبھی سلفی کہا، کبھی اثری کہا مگر ان تمام ناموں کا اپنے کو صحیح مصداق قرار دینے کے لئے آپ حضرات کو بڑا زور صرف کرنا پڑے گا مثلاً اگر اپنے کو موحد کہیں گے تو کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ زندہ اور مردہ لوگوں سے توسل جائز ہے، نواب وحیدالزماں اپنی کتاب نزل الابرار میں لکھتے ہیں:

"التوسل الی الله تعالیٰ بانبیآئه والصالحین من عباده جائز ویستوی فیه الاحیاء والاموات" (ص ۵)

یعنی اللہ کے بندوں انبیاء اور صالحین سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے، اس میں مردے اور زندے سب برابر ہیں۔

اس عقیدہ کے ساتھ کوئی خالص موحد نہیں رہ سکتا، اس لئے آپ کا نام موحد رکھنا جائز نہیں ہے۔

اگر آپ اپنے کو محمدی کہیں گے اور بطور علم اپنی جماعت کا یہ نام رکھیں گے تو کوئی اعتراض کردے گا کہ مسلمانوں مین یہ نام بطور علم کبھی بھی متعارف نہیں رہا، اس لئے بطور علم

یہ نام رکھنا بدعت ہے۔

اگر آپ اپنے کو اہلحدیث کہیں تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث کی مختلف قسمیں ہیں، صحیح ،ضعیف، شاذ ،منکر، معروف ،مشہور، متواتر، معضل ،مرسل موقوف وغیرہ آپ کون سی حدیث والے ہیں۔ اهل الحديث الصحيح، اهل الحديث الضعيف، اهل الحديث الشاذ، اهل الحديث المنكر، اهل الحديث المعروف، اهل الحديث المشهور، اهل الحديث المتواتر اور اهل الحديث المعضل، اهل الحديث المرسل يااهل الحديث الموقوف یا یہ تمام اقسام والے اہلحدیث ہیں، آج تک آپ کی جماعت نے اس کو صاف نہیں کیا کہ آخر آپ کون سی حدیث والے ہیں۔

جب حدیث کا معنی حدیث کی ان تمام اقسام میں مشترک ہے تو جب تک آپ متعین نہ کردیں کہ ہم اس معنی والے اہلحدیث ہیں، اس وقت تک اس لفظ کا استعمال آپ کے لئے کیسے جائز ہوگا۔

سلفی کا لفظ آپ حضرات اپنے لئے استعمال کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں، بھلا آپ خود سوچیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں جب آپ کی جماعت کا عقیدہ و مذہب وہی ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تو پھر آپ کو سلفی کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ اصل سلف تو صحابہ کرام ہی ہیں۔

اثری کا لفظ بھی آپ کی جماعت پر فٹ نہیں ہوتا، اسلئے کہ اثر کا کلمہ حدیث رسول اور اقوال صحابہ وتابعین میں مشترک ہے، اور آپ حضرات کے نزدیک صحابہ کا قول وعمل حجت نہیں، تابعین کی بات تو الگ رہی اس لئے اس کلمہ کا استعمال بھی نرا دھوکہ اور فریب قرار پائے گا۔

بہر حال ان ناموں کے استعمال میں (جب آپ ان کو استعمال کریں گے) مختلف اشکالات وشبہات پیدا ہونگے، مگر غیر مقلد کا لفظ آپ کے عقیدہ اور مذہب کے مطابق مومن کا ہم معنی ہے، نیز آپ کے مسلک و مذہب کا بہترین ترجمان بھی ہے، اسلئے آپ کی جماعت کے لئے اسی نام کا استعمال ہر طرح مناسب ہے، جب تک آپ کا عقیدہ و مذہب ترک تقلید کا رہے گا اس لفظ کا استعمال آپ کے لئے کیا جاتا رہے گا، اگر آپ کو یا آپ کی جماعت کو اس کلمہ غیر مقلد سے تکلیف پہنچتی ہے تو پھر ہمیں یہ کہنا پڑیگا کہ ترک تقلید آپ کا مذہب نہیں ہے۔

ہمارا طریقہ اتباع شریعت تقلید کا ہے، یعنی ہم اپنے بڑوں کی رہنمائی میں دین و شریعت اور کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں، اس بنا پر آپ ہمیں مقلد کہتے ہیں، ہمیں اس نام پر کبھی اعتراض نہیں ہوتا، اور ہم اپنی مقلدیت کا برملا اظہار کرتے ہیں اور اپنے مقلد ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں، تو پھر کیا یہ بات کسی بھی درجہ میں معقول ہے کہ آپ حضرات ایک طرف عدم تقلید کا مذہب وعقیدہ بھی رکھیں اور دوسری طرف غیر مقلد کینام سے اظہار بیزاری بھی کریں۔

اوراب میں اس بات پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ آپ نے لکھا ہی کہ ہمارا عقیدہ و مذہب یہ ہے کہ کتاب وسنت سے جو ثابت ہو وہی مذہب ہے۔

میرے بھائی یہ آپ حضرات کی محض قوالی ہے، اور صرف زبانی دعوی ہے، یہ آپ کا عقیدہ و مذہب نہیں ہے، اگر یہی عقیدہ و مذہب ہوتا تو صحابہ کرام کے بارے میں آپ کا عقیدہ و مذہب وہ نہ ہوتا جن کا پہلے سوال کے جواب میں قدر تفصیل سے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اللہ کے رسول کا صریح ارشاد ہے علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین اور آپ کا عقیدہ اور مذہب خلفاء راشدین مہدیین کے بارے میں یہ ہے کہ

نہ ان کو قول حجت نہ فعل وفہم، بلکہ آپ کا عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدین خلاف کتاب وسنت کام کرتے تھے اور کچھ لوگ صحابہ میں سے معاذ اللہ فاسق بھی تھے۔

قرآن کا ارشاد ہے: والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعو هم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه. اس آیت میں صحابہ کرام کے متبعین کے بارے میں بشارت خداوندی ہے کہ ان سے اللہ راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، مگر آپ کی جماعت کو صحابہ کرام کی اتباع وتقلید سے عار اور شرم ہے، بلکہ آپ کو (حکم خداوندی اور فیصلہ خداوندی کے خلاف) صحابہ کرام کی ایک جماعت کو رضی اللہ عنہم کہنا بھی گوارا نہیں ہوتا، زبان سے آپ بڑا سے بڑا دعوی کر سکتے ہیں مگر اہل نظر تو آپ کے ہر دعوی کو حقائق کی کسوٹی پر رکھیں گے، اس کے بعد ہی آپ کا کوئی دعوی معتبر ہوگا، اور آخری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپکی یہی بات کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو کتاب وسنت سے ثابت ہو وہی مذہب اور دین ہے، آپ کو اہلسنت والجماعت سے خارج کرتی ہے، اسلئے کہ تمام اہلسنت کے نزدیک دلائل شرعیہ چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، اور قیاس، شیعوں نے اجماع اور قیاس کی انکار کیا تو مسلمانوں نے ان کو اہلسنت سے خارج کر دیا تو اجماع اور قیاس کے انکار کی بعد آپ کو کیسے اہلسنت میں سے شمار کیا جائے گا۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

اکابر دیوبند کے بارے میں ایک غلط پروپیگنڈہ ایک سوچی سمجھی شرارت

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

غیر مقلدین بعض اکابر دیوبند کی طرف منسوب بعض واقعات کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ دیوبندیوں کے عقیدہ میں بندہ بھی موت وحیات پر قادر ہوتا ہے اور اکابر دیوبند کو یہ قدرت حاصل تھی، اس کی حقیقت کیا ہے۔

کیا کسی بندہ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ مردہ کو زندہ یا زندہ کو مردہ کر دے؟

براہ کرم جواب باصواب سے نوازیں۔ والسلام

نوشاد احمد بنگلور

زمزم!

موت وحیات کا مالک صرف اللہ ہے، کسی کو مارنا یا جلانا بندہ کی قدرت میں نہیں ہے، نہ اس پر نبی کو قدرت حاصل ہے نہ کسی پیر ولی کو، تمام صحیح العیقدہ مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔

دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ مارنے اور جلانے پر بندہ

بھی قادر ہے اور اکابر دیوبند کو یہ قدرت حاصل تھی بدترین جھوٹ ہے، اور یہ ایسا اتہام ہے جس کا سچائی سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، جو لوگ دیوبندیوں کے بارے میں اس قسم کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں ان کو خدا کے قہر و غضب سے ڈرنا چاہئے۔

اس وقت غیر مقلدین سخت احساس کمتری کا شکار ہیں اسی وجہ سے وہ اس قسم کے بیہودہ و لایعنی باتیں عوام میں پھیلاتے ہیں اور اکابر دیوبند سے جاہلوں کو برگشتہ کرنے کی مقدس خدمت انجام دیتے ہیں۔

کرامات کے بعض جزئی واقعات کو بنیاد بنا کر کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کا عقیدہ اپنے اکابر کے بارے میں مارنے اور جلانے کا ہے اور یہ کہ ان کے اکابر کو اس پر قدرت حاصل ہے اس کا ہلکا سے ہلکا نام شرارت رکھا جا سکتا ہے، غیر مقلدین شرارت کا یہی کام انجام دے رہے ہیں۔

معجزہ اور کرامت کے حق ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کا منکر اہلسنت والجماعت سے خارج ہے، معجزہ نام ہے خرق عادت امر کا، معجزہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے، خرق عادت ہی کی ایک قسم کا نام کرامت ہے، کرامت اللہ والوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔

نبی جس طرح ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر نہیں ہوتا اسی طرح ولی کے ہاتھ پر ہر وقت کرامت ظاہر نہیں ہوتی ہے اور جس طرح معجزہ اصلاً خدا کا فعل ہوتا ہے اسی طرح کرامت بھی اللہ ہی کا فعل ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مردہ زندہ ہو جاتا تھا، اور اندھا بینا ہو جاتا تھا اور کوڑھی اچھا ہو جاتا تھا اور آسمان سے کھانوں سے سجا دسترخوان اتر آتا تھا، حضرت عیسیٰ کے ان معجزات کو دیکھ کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مارنے اور

جلانے اور بیماریوں کو شفا دینے اور آسمان سے روزی برسانے پر قادر تھے، بالکل خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت بات ہوگی، کسی مسلمان کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے، مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر یہ تمام امور اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے تھے۔

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص بائیں ہاتھ سے پانی پیتا تھا، آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ دائیں ہاتھ سے پانی پیو، اس نے شرارتاً کہا مجھ کو اس پر قدرت نہیں ہے، آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ اگر تجھے اس پر قدرت نہیں ہے تو اب سچ مچ تجھے اس پر قدرت نہ رہے گی۔ آپ کی بددعا کا اثر یہ ہوا کہ ساری زندگی اس کا دایاں ہاتھ کام کا نہیں رہا۔

آنحضور اکرم ﷺ کا یہ معجزہ تھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ نفع ونقصان کے مالک تھے۔

کرامت از قسم معجزات ہے جو اللہ کے نیک وصالحین بندوں سے ظاہر ہوتی ہے، کرامات کے واقعات سے عقیدہ مستنبط نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسا کرنا جائز ہوگا جس طرح معجزہ انبیاء کے حق ہونے پر دلیل ہوا کرتا ہے اسی طرح کرامت سے بزرگوں کا اللہ سے قرب وتعلق ظاہر ہوتا ہے اور کرامت اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اس بندہ کا مقام ومرتبہ اللہ کے یہاں بہت بلند ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کا ولایت وبزرگی میں مقام بہت بلند تھا، ان کی زندگی تقوی وپرہیزگاری، عبادت وعبدیت کا کامل ومکمل نمونہ تھی، ان کے تقوی وبزرگی کی شہادت ان کے تمام معاصرین نے دی ہے، شیعوں سے آپ کی مناظرانہ گفتگو رہا کرتی تھی، اسی طرح کی ایک گفتگو میں شیعوں کی بڑے بڑے علماء کو منہ کی کھانی پڑی تھی اور عوام میں ان کی کافی بے عزتی وبدنامی ہوئی تھی،

شیعوں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بدلہ لینے کی سازش رچی، انہوں نے ایک جھوٹا جنازہ تیار کیا اور ایک نوجوان کو اس پر سلایا اور اسے سکھلایا کہ ہم جنازہ کی نماز مولانا محمد قاسم نانوتوی سے پڑھوائیں گے وہ جب دوسری یا تیسری تکبیر کہیں تو تم کود کر بھاگنا، اس طرح حضرت نانوتوی کا تماشہ بنے گا اور ہم ان سے اپنی بدنامی اور اپنے علماء کی بے عزتی کا بدلہ لیں گے۔

چنانچہ حسب پروگرام شیعہ جنازہ تیار کر کے حضرت نانوتوی کے پاس گئے اور ان سے اس مصنوعی جنازہ کے نماز پڑھانے پر اصرار کیا، حضرت نانوتوی تیار نہیں تھے انہوں نے بہت ضد کی، تو حضرت تیار ہو گئے، اور جب جنازہ کے قریب پہنچے تو ان کے قلب میں یہ ڈالا گیا کہ یہ سب شیعوں کی شرارت ہے اور آپ سے انتقام لینے کی سازش ہے، حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا، مگر آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور غصہ کی حالت میں فرمایا کہ اب یہ شخص قیامت تک اٹھ نہیں سکے گا، نوجوان مر چکا تھا اور شیعوں میں آہ و بکا مچ گیا، حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے شیعہ خاندان نے شیعیت سے توبہ کر لی اور صحیح العقیدہ سنی مسلمان بن گئے۔

اس پورے واقعہ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ دیوبندیوں کے عقیدہ میں ان کے اکابر مارنے اور جلانے پر قادر تھے، بزرگوں کی شان میں گستاخی اللہ کو پسند نہیں آتی، اور اللہ ان کی آبرو کی حفاظت کے لئے اگر اپنی قدرت سے کسی بزرگ کے ہاتھ پر اس قسم کی کرامت ظاہر کر دے تو آخر اس میں استحالہ کیا ہے اور تعجب کی کیا بات ہے۔

غیر مقلدین نے اسی واقعہ کو بہت اچھالا ہے اور اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ دیوبندیوں کا اپنے اکابر کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ انہیں

مارنے اور جلانے کی قدرت حاصل تھی۔

ہم دیوبندی کیا عقیدہ رکھتے ہیں، غیر مقلدین کو ہم سے پوچھنا چاہئے نہ کہ وہ اپنی طرف سے گڑھ کر جو عقیدہ چاہیں ہماری طرف منسوب کر دیں، اس کا نام شرارت ہی رکھا جا سکتا ہے۔

کرامات کا انکار کرنا یا اس کا استہزاء اور مذاق کرنا بدعقیدگی کی دلیل ہے۔

امت محمدیہ ﷺ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے نیک بندوں کے ہاتھوں پر خرق عادت امور ظاہر کرتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فان خوارق العادات انما تکون لامة محمد ﷺ المتبعین له ظاهراً و باطناً (فتاوی جلد ۱۱ ص ۲۶۰)

یعنی کرامات کا ظہور امت محمدیہ کے ان افراد کے لئے ہوتا ہے جو حضور ﷺ کے ظاہری و باطنی طور پر متبع ہوتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

''اللہ کی متقی بندے وہ ہیں جو محمد ﷺ کی اتباع کرتے ہیں، آپ نے جس کا حکم دیا اس کو کرتے ہیں اور جس سے منع کیا اس سے رکتے ہیں۔ تو اللہ اپنے ملائکہ اور روح القدس سے ان کی تائید کرتا ہے اور ان کے دلوں میں اپنے انوار ڈالتا ہے، ان کے لئے کرامات ہوتی ہیں، ان سے اللہ اپنے متقی بندوں کو نوازتا ہے اور ان کو اعزاز بخشتا ہے'' (ایضاً ص ۲۷۴

نیز فرماتے ہیں:

وکرامات اولیاء اللہ انما حصلت ببرکة اتباع رسول اللہ ﷺ فهی فی الحقیقة تدخل فی معجزات

الرسول ﷺ (ایضاً ص ۲۷۵)

یعنی اولیاء اللہ کی کرامات آنحضور ﷺ کی اتباع کی برکت کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں، یہ کرامات حقیقت میں آنحضور ﷺ کے معجزات ہی کا حصہ ہیں۔

غرض اولیاء کی کرامات اپنی جگہ برحق ہیں جس طرح معجزات کا انکار کرنا گمراہی ہے اور بددینی اور الحاد کی علامت ہے اسی طرح اولیاء کی کرامات کا انکار کرنا بھی بددینی و گمراہی اور الحاد ہے۔

معجزات اور کرامات میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ خوارق عادت امور اگر انبیاء سے ظاہر ہوں تو معجزہ کہلاتے ہیں، اور اگر اولیاء سے ظاہر ہوں تو انہیں کرامات کا نام دیا جاتا ہے، دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، صرف نسبت کے بدلنے سے نام کا فرق ہو جاتا ہے۔

صحابہ وتابعین اور بزرگوں سے کرامات کے بیشمار واقعات ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان میں سے کچھ کا ذکر کیا ہے، مثلاً:

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے

کہ وہ جب سورۂ کہف پڑھتے تو آسمان سے چھتری نما بادل پیدا ہو جاتا اور اس میں چراغوں کی طرح روشنی ہوتی، یہ فرشتے ہوتے جو ان کی تلاوت سننے کے لئے آسمان سے تشریف لاتے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔

حضرت سلمانؓ وحضرت ابو درداءؓ جس پلیٹ میں کھانا کھاتے تو پلیٹ تسبیح کرتا یا پلیٹ میں جو کھانا ہوتا وہ تسبیح کرتا۔

حضرت عباد بن بشر اور حضرت اسید بن حضیر ایک دفعہ اندھیری رات میں آپ ﷺ کے پاس سے اپنے گھر جارہے تھے تو ان کے لئے روشنی پیدا ہوگئی اور جب ایک موڑ پر دونوں الگ ہوئے تو دونوں کے ساتھ الگ الگ روشنی ہوگئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے تین مہمانوں کو اپنے گھر لے گئے، کھانا کم تھا چراغ کو حیلہ سے بجھا دیا، مہمانوں نے آسودہ ہو کر کھانا کھایا، حضرت ابوبکرؓ نے کچھ نہیں کھایا، بعد میں دیکھا تو بچا ہوا کھانا پہلے سے زیادہ تھا پھر اس کھانے کو آپ ﷺ کے بہت سے اصحاب نے کھایا اور سب آسودہ ہوئے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہجرت کے سفر پر تھیں، ان کے ساتھ کھانا پانی کچھ نہیں تھا، روزہ سے تھیں پیاس کی شدت سے پریشان حال تھیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو اپنے سر پر کچھ آہٹ محسوس کی سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک ڈول لٹک رہا ہے اس سے پانی پیا، اور اس ڈول کی برکت کا اثر یہ تھا کہ ساری زندگی انہیں پیاس ہی نہیں لگی۔

آنحضور ﷺ کے غلام حضرت سفینہ راستہ بھول گئے، راستہ میں ایک شیر ملا انہوں نے شیر سے کہا کہ وہ آنحضور ﷺ کا قاصد ہیں تو شیر نے ان کو صحیح راستہ کی راہنمائی کردی۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب وہ کسی بات پر قسم کھالیتے تھے تو اللہ ان کی قسم کو پورا کرتا تھا۔ حضرت خالدؓ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا قلعہ والوں نے کہا کہ ہم قلعہ کو تمہارے سپرد اسوقت کرینگے جب تم یہ زہر پی لو تو انہوں نے پی لیا اور انہیں کچھ نہیں ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر سے **یا ساریة الجبل** کی آواز لگائی اور حضرت ساریہ کو یہ آواز ملک شام میں سنائی دی۔

حضرت زبیرہ رضی اللہ عنہا کو اسلام لانے کی وجہ سے مشرکین ستاتے تھے،

مشرکین کے ستانے سے ان کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی اور وہ اندھی ہوگئیں، مشرکین نے کہا کہ تمہاری آنکھ کی روشنی ہمارے معبود لات وعزی نے ختم کر دی ہے، حضرت زبیرہ نے کہا ہرگز نہیں، اور اللہ نے ان کے اس ایمان ویقین سے بھرے انکار پر ان کی آنکھ کی روشنی لوٹا دی۔

اروی بنت حکم نے حضرت سعید بن زید کے اوپر ایک جھوٹا الزام لگایا، حضرت سعید نے اس کے لئے بد دعا کر دی کہ اللہ تو اس کو اندھا کر دے اور اس کی زمین ہی میں تو اس کو موت دے، چنانچہ اروی اندھی ہوگئی، اور خود اپنی زمین کے ایک گڑھے میں گر کر مر گئی۔

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی طرف سے بحرین کے حاکم تھے، بڑے مستجاب الدعوات تھے، ان الفاظ سے دعا مانگتے یا علیم، یا حلیم یا علی یا عظیم اور ان کی دعائیں قبول ہوتیں، ایک دفعہ لوگوں کو پینے اور وضو کے لئے پانی نہیں مل رہا تھا، چنانچہ انہوں نے دعا کی اور پانی برس گیا۔

صحابہ کرام سمندر پار کرنا چاہتے تھے، سمندر کا پار کرنا مشکل تھا، حضرت علاء نے دعا کی تمام اصحاب رسول سمندر میں گھوڑوں کے ساتھ کود گئے اور سمندر پار کر لیا اور گھوڑوں کی زین تک نہیں بھیگی۔

اپنے لئے انہوں نے دعا کی مرنے کی بعد ان کا بدن لوگ نہ دیکھیں، قبر میں جب ان کو اتارا گیا تو ان کا بدن قبر سے غائب تھا۔

حضرت ابو مسلم خولانی اپنے اصحاب کو لے کر دجلہ چلتے ہوئے پار کر گئے، اسود عنسی جو نبوت کا دعوی کرتا تھا اس نے ابو مسلم خولانی سے اپنی رسالت کا اقرار لینا چاہا انہوں نے انکار کیا، اس نے کہا کہ تم محمد کو اللہ کا رسول سمجھتے ہو، انہوں نے کہا ہاں میں آپ

ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں، اس پر اسے غصہ آیا اور ان کو آگ میں ڈال دیا لوگوں نے دیکھا کہ آگ میں یہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، اور آگ ان کے لئے بردوسلام بن گئی ہے۔

انہیں کا واقعہ ہے کہ خادمہ نے انکے کھانے میں زہر ملا دیا، انہوں نے کھانا کھالیا اور زہر نے اثر نہیں کیا۔

انہیں کا واقعہ ہے کہ ان کی بیوی کو ایک عورت نے ان کے خلاف بھڑکایا تو انہوں نے اس عورت کے لئے بددعا کردی وہ اندھی ہوگئی، اس نے آکر ان سے معافی مانگی اور توبہ کی تو دوبارہ دعا کی اور اس کی آنکھ واپس آگئی۔

حضرت عامر بن عبدقیس اپنا وظیفہ دو ہزار درہم اپنی آستین میں لے کر نکلتے، راستہ میں جو سائل ملتا اس کو بلا گنے اس میں سے دیتے جاتے پھر جب گھر آکر اس کو شمار کرتے تو وہ جوں کا توں رہتا۔

انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ جاڑے کے دنوں میں ان کو وضو کرنے میں سہولت رہے تو ان کے پاس وضو کا پانی لایا جاتا اور سخت سردی میں اس میں سے گرم گرم بھاپ نکلتی۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو حجاج تلاش کررہا تھا وہ انہیں سزا دینا چاہتا تھا اس کے سپاہی چھ دفعہ ان کے گھر گئے انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ان سپاہیوں کو نظر نہ آئیں، چنانچہ وہ موجود رہتے مگر حجاج کے سپاہی ان کو دیکھ نہ پاتے۔

انہیں کا واقعہ ہے کہ ایک خارجی ان کو ستاتا تھا انہوں نے بددعا کردی وہ اسی وقت گرا اور مرگیا۔

صلتہ بن اشیم ایک بزرگ ہیں، وہ جہاد میں تھے انکا گھوڑا مرگیا، انہوں نے دعا

کی اوران کا مرا گھوڑا زندہ ہو گیا۔

ایک دفعہ انہیں بھوک لگی اور کھانے کو کچھ نہیں تھا، انہوں نے دعا کی تو ان کے پیچھے تروتازہ کھجور کا ریشمی کپڑا میں لپٹا ہوا خوشہ گرا، انہوں نے اسے کھایا اور شکم سیری حاصل کی، اور یہ بابرکت کپڑا ان کی بیوی کے پاس بہت دنوں تک رہا۔

واقعہ حرہ میں مسجد نبوی میں کئی دنوں تک نماز اور اذان نہیں ہوئی، حضرت سعید بن مسیب تنہا مسجد میں ہوتے اور نماز کے وقت آنحضور اکرم ﷺ کی قبر سے انہیں اذان کی آواز سنائی دیتی۔

قبیلہ نخع کا ایک آدمی اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا، راستہ میں اس کا گدھا مر گیا، اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کی اور اس کا گدھا زندہ ہو گیا۔

اویس قرنی کا جب انتقال ہوا تو ان کے کپڑوں میں تیار شدہ کفن بھی ملا، حالانکہ یہ پہلے موجود نہیں تھا اور قبر بھی کھدی ملی قبر کو بھی پہلے سے کھودا نہیں گیا تھا۔

عمرو بن عقبہ بن فرقد گرمی کے زمانہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آسمان میں بادل ظاہر ہوا اور ان کی سر پر چھتری بن گیا، یہ جانور چراتے اور ان کی حفاظت درندے کرتے۔

مطرف بن عبداللہ جب گھر میں داخل ہوتے تو ان کے برتن بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے۔

عبدالواحد بن زید کو فالج کا اثر ہو گیا تھا، انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وضو کے وقت ان کے اعضاء اصلی حالت پر ہو جایا کریں، چنانچہ جب وہ وضو کرتے تو ان کے اعضاء ٹھیک ہو جاتے اور وضو کے بعد پھر فالج زدہ ہو جاتے۔

ان کرامات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وھذا باب واسع" (ص ۲۸۲ ج ۱۱) یعنی اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔

ان کرامات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وھذا باب واسع" (ص ۲۸۲ ج ۱۱) یعنی اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔

آپ ان کرامات میں غور فرمائیں ہر طرح کی کرامتیں ہیں، اللہ والوں کی بددعا سے مردہ کے مرنے کا واقعہ بھی ہے اور ان کی دعا سے مرے ہوئے کے زندہ ہونے کا واقعہ بھی ہے، اللہ والوں کی دعا سے آنکھ کی روشنی واپس بھی آجاتی ہے اور ان کی بددعا سے آدمی اندھا بھی ہو جاتا ہے، دریا و سمندر میں بھی انسان اس طرح چلتا نظر آتا ہے کہ اس کے کپڑے بھی نہیں بھیگتے، اور ابو مسلم خلانی پر آگ اسی طرح بردوسلام بن جاتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ گلزار بن گئی تھی اور وہ آگ میں نماز پڑھتے نظر آتے ہیں، حضرت سعید بن میسب کو اللہ کے رسول کی قبر سے اذان سنائی دیتی ہے، اور ایسے بھی اللہ والے نظر آتے ہیں کہ آسمان سے ان کے لئے رزق نازل ہوتا ہے۔

بزرگوں سے کرامات کا ظہور تواتر سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنا مشاہد و محسوس چیز کا انکار کرنا ہے۔

اب اگر اس طرح کی کوئی کرامت دارالعلوم دیوبند کے اکابر سے ظاہر ہو جائے تو غیر مقلدین کو اس پر تعجب کیوں ہے۔

اور اگر حضرت نانوتوی کے ہاتھ پر یہ کرامت ظاہر ہو جائے کہ ان کی بددعا سے ان کا کوئی دشمن مر جائے اور اس کا فائدہ یہ ہو کہ بہت سے گمراہ راہ حق پر آجائیں اور بدعقیدہ صحیح العقیدہ بن جائیں تو آخر غیر مقلدین کی پیشانی پر شکن کیوں پڑ جاتی ہے۔

غیر مقلدین کے اکابر میں بھی کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں جو غیر مقلد ہونے کے باوجود اللہ والے تھے، ائمہ دین اور بزرگوں کا اکرام اور احترام کرتے تھے، سنت کے پابند تھے، سلسلہ تصوف سے جڑے ہوئے تھے، ان کی زندگی پاکیزہ تھی، ان کے اخلاق اسلامی

تھے، ان کی راتیں عبادت میں گزرتی تھیں، اور ان کی زبان پر اللہ کا نام رہتا تھا حرام اور مشتبہات سے بچتے تھے، تقوی اور ورع میں ممتاز تھے، وہ اہلحدیث تھے، سنت کی اتباع ان کا مقصود تھا، تو ان اللہ والے اہلحدیث غیر مقلدین کے ہاتھوں پر بھی کرامات کا ظہور ہوتا تھا، اور ان کی کرامت کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

مولانا عبداللہ غزنوی مشہور بزرگ صوفی غیر مقلد اہلحدیث عالم تھے، انہوں نے ایک دفعہ اپنے شاگرد میاں غلام رسول سے غصہ میں فرمایا کہ مولوی رسول تو مولوی شدی محدث شدی عالم شدی واعظ شدی واللہ ہنوز مسلمان نہ شدی، یعنی مولوی رسول تم مولوی بن گئے، محدث بن گئے، عالم بن گئے، واعظ بن گئے مگر خدا کی قسم ابھی مسلمان نہیں بنے، یہ کہنا تھا کہ مولوی غلام رسول میاں فرش پر گر گئے اور تڑپنے لگے، پھر مولانا عبداللہ غزنوی نے ان سے کہا کہ بگو لا الہ الا اللہ، یعنی لا الہ الا اللہ کہو، یہ کہنا تھا کہ مسجد کے در و دیوار سے لا الہ الا اللہ کی آواز آنے لگی۔ (۱)

مولانا غلام رسول صاحب قلعوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید فرماتے ہیں کہ میں غریب آدمی تھا میرے پاس پیسے نہیں تھے کہ دودھ گھی خرید کر کھا سکوں میرے پاس ایک بہت بوڑھی اور کمزور بھینس تھی جو گابھن نہیں ہو سکتی تھی، میں نے مولانا سے کہا کہ دعا کریں

مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا حال یہ تھا انه كان فى جمع احواله مستغرقا فى ذكر الله عزوجل حتى ان لمحمد و عظامه و اعصابه و اشعاره وجميع بدنه كان متوجها الى الله تعالىٰ فانيا فى ذكره عزو جل (داؤد غزنوی ص ۲۱۸) یعنی وہ ہر وقت اور ہر حالت میں خدائے بزرگ و برتر کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے حتی کہ ان کا گوشت انکی ہڈیاں، ان کے پٹھے اور ان کے بال اور پورے بدن اللہ کی طرف متوجہ تھے، اللہ عزوجل کے ذکر میں فنا ہو گئے تھے۔ غیر مقلد ہونے کے باوجود جب مولانا عبداللہ غزنوی میں یہ حالت پیدا ہوئی تو ان کے ہاتھوں پر بھی کرامات ظاہر ہوتی تھیں۔ (داؤد غزنوی ص ۱۶)

کہ خدا کوئی دودھ گھی کا انتظام کر دے، مولانا نے فرمایا کہ تمہاری وہی بھینس گابھن ہو چکی ہے اور عنقریب بچہ دینے والی ہے، وہ مدت تک دودھ دیتی رہے گی اس مرید کا بیان ہے کہ سچ مچ وہ بھینس تھوڑے ہی دنوں میں دودھ دینے لگی اور قریبا گیارہ مرتبہ وہ گابھن ہوئی اور اس نے بچہ دیا اور ہمیں بہت دنوں تک دودھ ملتا رہا۔ (کرامات اہلحدیث ص ۱۳)

اگر ابن بازیوں اور البانیوں اور سلفیت زدہ غیر مقلدوں کو اس قسم کی کرامتوں سے انکار ہے تو رہا کرے، ان کے انکار سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی، بزرگوں کی کرامتیں برحق ہیں اور برحق رہیں گی کسی کے انکار سے سورج کی روشنی مدھم نہیں پڑتی۔

البتہ کرامتوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو کائنات میں تصرف کا اختیار حاصل ہو گیا ہے، جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کا خیال ہے، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ کرامت کا ظہور بزرگوں سے ہوتا ہے مگر وہ فعل خدا کا ہوتا ہے، بزرگوں کا اس سے صرف ظاہری تعلق ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا فتویٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شان گھٹانیوالا یا بدترین جاہل ہے یا زندیق ہے یا منافق ہے

محترم المقام حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نظام آباد آندھرا پردیش کے علاقہ میں بعض غیر مقلدین حضرات اختلافی مسائل پر گفتگو کرتے رہتے ہیں، آجکل انہوں نے ایک نیا شوشہ یہ پیدا کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز کی بہت سی چیز کو بھول گئے تھے، رفع یدین کرنا آنحضور اکرم ﷺ کی سنت متواترہ تھی مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سنت کو بھلا دیا تھا، یہ لوگ تحفۃ الاحوذی ترمذی کی شرح کا حوالہ دیتے ہیں، براہ کرم آپ اس بارے میں ہمیں صحیح معلومات فراہم کریں۔

محمد اسحاق شیخ عطاء اللہ

نظام آباد، مقیم حال کریم نگر۔ آندھرا پردیش

زمزم!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں آنحضور اکرم ﷺ کے خاص خدام میں سے آپ کا شمار ہوتا ہے، علم وفقہ میں آپ کا مقام حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے برابر کا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے چند ہی صحابہ کا نام لیکران کی اقتداء اور پیروی کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ تم لوگ قرآن کریم کی تعلیم چار آدمیوں سے حاصل کیا کرو، ان میں پہلا نام آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اہم معاملہ میں شریک رکھتے اوران سے مشورہ لیتے، کوفہ والوں کی تعلیم کے لئے بطور خاص ان کو بھیجا تھا اور کوفہ والوں سے کہا تھا کہ ابن مسعود علم کا بھرا ہوا پیالہ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود سابقین اولین میں سے ہیں جن کیا تباع واقتداء کرنے والوں کو قرآن پاک مین جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے، اور رضوان خداوندی کا انہیں مژدہ سنایا گیا ہے، آنحضور اکرم ﷺ کا ارشاد تھا کہ نماز میں اصحاب عقل وفہم مجھ سے قریب رہیں انہیں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔

ایسے جلیل القدر اور صاحب فضل وکمال اور فقیہ صحابی کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے نماز کی بہت سی چیزوں کو بھلا دیا تھا، اور رفع یدین جو سنت متواترہ عمل تھا اس کو بھی بھول گئے تھے، یہ شیعی ذہنیت کا کرشمہ ہے اور انتہائی درجہ جہالت کی بات ہے، صحابہ کرام کے بارے میں اس قسم کی باتیں رافضی قسم کے لوگ کرتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نہایت متعصب اور لاپرواہ غیر مقلد عالم تھے، انہوں نے رفع یدین کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ

رافضیوں والی بات نقل کی ہے، رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں غیر مقلدین کا یہ تبصرہ ایسا عمل ہے کہ اس سے ان کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

رفع یدین کے مسئلہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بہت اچھل کود مچائی ہے مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیصلہ کے بعد کرو کہ وبہ یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین وهو قول سفیان واهل الکوفة. (ترمذی)

یعنی رفع یدین نہ کرنا ہی اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کی اکثریت کا قول ہے اور یہی سفیان ثوری اور تمام اہل کوفہ کا مذہب ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اعلان حق کے بعد مولانا عبدالرحمٰن غیر مقلد صاحب کی اس مسئلہ میں تمام دھما چوکڑی کی حقیقت اہل علم پر عیاں ہے الا یہ کہ اب غیر مقلدین یہ بھی کہیں کہ یہ تمام صحابہ و تابعین بھی زندگی بھر رفع یدین کو بھولے رہے اور یہی بھول والی نماز زندگی بھر پڑھتے رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب نے اپنے ہی جیسوں بدعقیدہ و بدعمل لوگوں کی تقلید میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شان میں نماز میں بھول جانے والی یہ گستاخانہ بات کہی ہے، یعنی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی یہ بات خود ان کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ دوسروں کی تقلید میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی شان میں گستاخی کا یہ شاندار کارنامہ انجام دیا ہے، اللہ انہیں معاف فرمائے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شان تو بہت عظیم ہے کسی ادنی درجہ کے صحابی کے بارے میں اس قسم کی بات گستاخی ہی شمار ہوگی اور اس کا انجام نہایت بھیانک ہے۔

چونکہ یہ بات بہت اچھالی گئی ہے اور اب بھی اچھالی جا رہی ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شان میں گستاخیوں کا یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے اس لئے ہم یہاں حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بات ان کے فتاوی سے سوال و جواب کے ساتھ اور اصل عربی عبارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں تا کہ اہل حق پر یہ واضح ہو جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سلسلہ کہاں سے جڑا ہوا ہے، سوال و جواب کے ساتھ فتاویٰ شیخ الاسلام کے جلد چہارم ص ۳۵۰ کی عبارت ملاحظہ ہو:

وسئل عن جماعة اجتمعوا علىٰ امور متنوعه في الفساد ومنهم من اذا قرئى عليه احاديث النبى ﷺ التى يكون راويها عبدالله بن مسعود. اوقيل له هذامذهب عبدالله بن مسعود شرع في تنقيصه واقديقدح فيه "ويجعله ضعيف الرواية، ويزعم انه كان بين الصحابة منقوصاً حتى ان بعضهم لم يثبت في المصاحق قراء ته، انه كان يحذف من القرآن المعوذتين؟.

سوال کا حاصل یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو وہ حدیث سنائی جاتی ہے جس کے روایت کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود ہوتے ہیں یا ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مذہب ہے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تنقیص کرنے لگتے ہیں اور ان کی برائی میں لگ جاتے ہیں، اور ان کو کمزور روایت والا قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں ان کا درجہ بہت کم تھا، اور بعض تو ان سے اتنے بدگمان ہیں کہ اپنے قرآن میں ان کی قرأت روا نہیں رکھتے اور ایک اعتراض ان کا یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے قرآن سے معوذتین کو حذف کر دیا تھا، تو ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کا فتوی کیا ہے؟

اس کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تفصیل سے دیا ہے، اصل عبارت کیساتھ ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

فاجاب رحمه الله ابن مسعود رضی الله عنه من اجلاء الصحابة و اکابر هم حتی کان یقول فیه عمر بن الخطاب کنیف ملئی علما و قال ابو موسیٰ ما کنا نعد عبدالله بن مسعود الامن اهل بیت رسول الله ﷺ من کثرة ما نری دخوله و خروجه و قال ﷺ اذنک ان ترفع الحجاب، ان تسمع بسوادی حتی انهاک و فی السنن اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر و تمسکو ابهدی ابن ام عبد.

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر اور اکابر صحابہ میں سے تھے ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ وہ علم سے بھرا ہوا پیالہ ہیں، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا آپ ﷺ کے گھر اس کثرت سے آنا جانا تھا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں میں کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضور ﷺ کا فرمان تھا کہ تمہیں گھر میں آنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پردہ اٹھا کر اندر آ جاؤ یہی تمہاری اجازت ہے، اور جب تک میں منع نہ کروں تم میری راز دارانہ گفتگو سن سکتے ہو۔ اور سنن میں ہے کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو اور عبداللہ بن مسعود کے طور طریق کو لازم پکڑو۔

وفی الصحیح من سره ان یقرآ القرآن غضا کما انزل

فلیقرآ علی قرآۃ ابن ام عبد ولما فتح العراق بعثه علیهم لیعلمهم الکتاب والسنة فهو اعلم الصحابة الذین بعثهم الی العراق و قال فیه ابو موسیٰ لا تسئلونی عن شئی ما دام هذا الحبر فیکم، وکان ابن مسعود یقول، لو اعلم ان احدا اعلم بکتاب الله منی تبلغه الابل لآتیته.

اور صحیح روایت میں ہے کہ جسے یہ اچھا لگے کہ قرآن کو جیسا نازل ہوا تھا ویسا ہی تر و تازہ پڑھے تو عبداللہ بن مسعود کی قرأت پر پڑھے۔

اور جب عراق فتح ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ عراق والوں کو کتاب وسنت کی تعلیم دیں پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان تمام صحابہ کرام میں جن کو آپ نے عراق بھیجا تھا کتاب وسنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

وهو احد الثلاثه الذین سماهم معاذ بن جبل عنه موته لما بکی مالک ابن یخام السکسکی فقال له معاذ بن جبل مایکبیک؟فقال! والله ماابکیٰ علی رحم بینی و بینک ولاعلی دنیااصیبهامنک ولکن ابکی علی العلم و الایمان الذین کنت اتعلمهمامنک.

فقال! ان العلم والایمان مکانهما من ابتغا هما وجد هما اطلب العلم عند اربعة فان اعیاک هولاء فسائر اهل الارض اعجز فسمی ابن مسعود و ابی بن کعب و عبدالله بن سلام واظن الرابع ا باالدرداء وسئل علی عن علماء الناس فقال واحد بالعراق ابن مسعودؓ

وابن مسعود من طبقة عمر و علي وابي و معاذ وهو من الطبقة الاولیٰ من علماء الصحابة.

فمن قدح فيه اوقال: هو ضعيف الرواية فهو من جنس الرافضية الذين يقلحون في ابي بكر و عمر و عثمان و ذالک يدل علےٰ افراط جهله بالصحابة او زندقته و نفاقه.

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں حضرت موسیٰ اشعری فرماتے تھے کہ اے لوگو جب تک ابن مسعود جیسا بڑا عالم تمہارے اندر موجود ہے مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنے بارے میں ارشاد تھا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی عالم ہے تو میں اس سے سیکھنے کے لئے دور سے دور تک کا سفر کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جن کا نام حضرت معاذ نے اپنی موت کے وقت لیا تھا جب مالک ابن یخامر سکسکی ان کے پاس بیٹھے رو رہے تھے حضرت معاذ نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میں آپ سے رشتہ داری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ آپ سے مجھے کچھ ملتا تھا (اور اب وہ نہ ملے گا) بلکہ آپ سے جو علم اور ایمان کی بات میں سیکھتا تھا وہ اب کس سے سیکھوں گا، تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ علم اور ایمان اپنی جگہ پر رہیں گے اور جو طلب کرے گا وہ پائے گا، تم میرے بعد علم چار کے پاس سے حاصل کرنا اگر ان سے تمہیں نہیں ملا تو پھر دنیا والوں میں سے کسی سے بھی نہیں ملے گا، پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب اور عبداللہ بن سلام کا نام لیا اور چوتھا نام غالباً حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا لیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں علماء کون ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک ہی عراق میں ابن مسعود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر حضرت علی اور حضرت معاذ کے طبقہ کے ہیں اور علماء صحابہ میں طبقۂ اولیٰ کے آدمی ہیں۔ پس جوان کے بارے میں بدگوئی کرتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ وہ ضعیف الروایۃ ہیں تو وہ رافضیوں کے قبیل کا آدمی ہے، جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدگوئی کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں بدگوئی کرنا صحابہ کرام کے مقام سے حد درجہ جہالت کی دلیل ہے یا اس کی زندیق اور منافق ہونے کی دلیل ہے۔

ان تمام لوگوں کو جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شان میں بدگوئی کرتے ہیں یا ان کی شان گھٹانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس جواب کی روشنی میں خود اپنے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہئے کہ وہ کیا ہیں اور ان کا تعلق کس گروہ اور کس جماعت سے ہے۔

محمد ابوبکر غازی پوری

اجماع کا شرعی حکم

محترم المقام حضرت مولانا زاد مجدکم

الحمد لله و کفیٰ و سلام علی عباده الذین اصطفےٰ

السلام علیکم

گذارش ہے کہ زمزم اور آپ کی کتابوں سے ہم لوگ برابر مستفید ہو رہے ہیں۔ الحمد للہ شہر بیجاپور میں اس سے کافی نفع ہوا، زمزم کے مضامین بہت موثر اور اطمینان بخش ہوتے ہیں۔

اب تک زمزم کے کسی شمارہ میں اجماع کے سلسلہ کی کوئی تحریر نہیں آئی ہے، شریعت میں اجماع کی کیا حیثیت واہمیت ہے، براہ کرم اس پر ایک تحریر شائع فرمادیں۔

سید محمود قادری بیجاپور

زمزم!

علمائے اہلسنت کے یہاں اصول شریعت چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اجماع، اور قیاس۔ یہ وہ بات ہے جس پر تمام فقہی مذاہب متفق ہیں، تمام مذاہب کی اصول فقہ کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے، البتہ اہلسنت سے جو گروہ خارج ہیں مثلاً شیعہ خوارج معتزلہ وغیرہ تو ان کے یہاں اجماع کا اعتبار نہیں ہے غیر مقلدین کی ایک جماعت نے شیعوں کے بہت سے اصولی وفروعی مسائل میں پیروی کی ہے، انہیں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ غیر مقلدین کا یہ گروہ اجماع کا بھی منکر ہے اور ان کے نزدیک شریعت کے

اصول صرف دو ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ چنانچہ غیر مقلدین کے بہت بڑے مصنف و عالم نواب وحید الزماں صاحب اپنی کتاب هدية المهدی میں فرماتے ہیں:

اصول الشرع اثنان الكتاب والسنة. (ص ۸۲)

یعنی شریعت کے اصول صرف دو ہیں کتاب اور سنت

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے عرف الجادی میں (یہ کتاب اصلاً نواب صاحب ہی کی ہے البتہ انہوں نے اس کو اپنے لڑکے کے نام سے شائع کیا ہے) اجماع کا رد بہت پرزور طریقہ پر کیا ہے، اور صاف صاف لکھا ہے۔

''ادلہ دین اسلام وملت خیر الانام منحصر در دو چیز ست یکے کتاب عزیز ودیگر سنت مطہرہ''

یعنی مذہب اسلام میں دلائل شرعیہ صرف دو چیز میں منحصر ہیں ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ

اجماع کا انکار اہلسنت والجماعت کا مذہب نہیں، یہ شیعوں اور دوسرے گمراہ فرقوں کا مذہب ہے، شیعوں کے تو اجماع سے انکار کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اگر وہ ان کا انکار نہ کریں تو ان کے مذہب کی بنیاد ہی جو تکفیر صحابہ، اور انکار خلافت خلفاء ثلاثہ پر قائم ہے ڈھ جائے گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع ہی سے منعقد ہوئی تھی، صحابہ کرام کے زمانہ میں بہت سے امور اجماع سے طے پائے تھے۔ مثلاً تراویح با جماعت کا مسنون ہونا یا جمعہ کی اذان میں اذان عثمانی کا بھی مسنون قرار پانا، یا جنازہ پر چار ہی تکبیر کہنا وغیرہ بہت سے مسائل شرعیہ کی بنیاد اجماع ہی پر ہے، شیعہ ان تمام کے منکر ہیں۔

مگر غیر مقلدین نے جو اجماع کا انکار کیا ہے اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ حالانکہ جن کو غیر مقلدین بظاہر اپنا امام سمجھتے ہیں یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ وہ نہ صرف اجماع

کے قائل ہیں بلکہ اجماع کے منکر کو کافر سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

وقد تنازع الناس فی مخالف الاجماع هل یکفر؟ علی قولین. والتحقیق ان الاجماع المعلوم یکفر مخالفه کما یکفر مخالف النص بترکه. (فتاویٰ ج ۱۹ ص ۲۷۰)

یعنی لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اجماع کے مخالف کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں اور تحقیقی بات یہ ہے کہ معلوم اجماع کا مخالف اسی طرح کافر ہے جیسے نص کا چھوڑنے والا اور اس کا مخالف۔

پھر فرماتے ہیں کہ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ اجماع دلیل قطعی ہے یا دلیل ظنی، پھر اپنی تحقیق ذکر کرتے ہیں کہ

والتحقیق قطعیه قطعی وظنیه ظنی (ایضاً)

یعنی تحقیقی بات یہ ہے کہ اگر اجماع قطعی ہے تو وہ دلیل قطعی ہے اور اگر وہ ظنی ہے تو وہ دلیل ظنی ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے اکابر فرماتے ہیں کہ شریعت میں اجماع کوئی چیز نہیں ہے اور اصول شرع صرف کتاب وسنت ہیں، جب کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ دین کے احکام کا مدار تین چیزوں پر ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع، ابن تیمیہ کے الفاظ یہ ہیں:

فمبنی احکام هذا الدین علی ثلاثة اقسام الکتاب والسنة والاجماع. (فتاوی ج ۲۰ ص ۹)

یعنی اجماع کا مطلب یہ ہے کہ علماء مسلمین احکام میں سے کسی حکم پر اکٹھے ہو جائیں۔

پھر فرماتے ہیں:

واذاثبت اجماع الامة علی حکم من الاحکام لم یکن لاحد ان یخرج عن اجماعهم فان الامة لا تجتمع علی ضلالة. (ایضاً ج ۳۰ ص ۱۰)

یعنی جب امت کا اجماع کسی بات پر ثابت ہو جائے تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس سے باہر ہو اس لئے کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

ایک جگہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

فدین المسلمین مبنی علیٰ اتباع کتاب اللہ و سنة نبیه وما اتفقت علیه الامة فهذه الثلاثة هی اصول معصومة.

(فتاوی ج ۲ ص ۱۶۴)

یعنی مسلمانوں کے دین کی بنیاد کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت پر ہے۔یہی تینوں چیزیں اسلام کے وہ اصول ہیں جن میں خطا کا امکان نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ صاف اور واضح اعلان یہ بتلا رہا ہے کہ جنہوں نے اجماع کا انکار کیا ہے یا جن کا دعوی یہ ہے کہ اصول شرع صرف دو ہیں ان کا نظریہ درست نہیں ہے، اور یہ اہلسنت والجماعت کا مذہب نہیں ہے، اہلسنت کی کتابوں کو آپ پڑھئے خود شیخ الاسلام کی کتابیں پڑھئے وہ جس طرح کتاب وسنت سے احتجاج واستدلال کرتے ہیں اسی طرح اجماع سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

میں نے بطور خاص اجماع کے سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا پہلے حوالہ دیا تا

کہ غیر مقلدوں کے لئے خاص طور پر باعث اطمینان ہو۔

شرح مختصر ابن حاجب میں، اجماع کے اصل شرعی ہونے پر کلام کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اجماع کی حجیت خود حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے لا تجتمع امتی علی الضلالة یعنی میری امت ضلالت اور گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، خوب یاد رہے کہ امت سے مراد اس امت کے فقہاء وعلماء ہیں، عام افراد مراد نہیں ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام کے بیان سے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ اور شرح مختصر حاجب میں بھی اس کی تصریح ہے۔ (ص ۵۲۴) شرح ابن حاجب میں اجماع کے متعلق لکھا ہے۔

وهو حجة عند الجميع ولا يعتد بالنظام و بعض الخوارج والشيعة (ص ۵۲۹)

یعنی اجماع سب کے نزدیک حجت ہے، نظام معتزلی اور خوارج اور شیعوں نے جو اس کا انکار کیا ہے تو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔

حافظ ابن عبد البر اس مسئلہ کے ذکر میں کہ پرانی قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اجماع سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قد اجمع العلماء انه لا يصلى على ما قدم من القبور و ما اجمعوا عليه حجة (التهميد ج٦ ص ۲۷۹)

یعنی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ پرانی قبروں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی

(۱) یہ مذہب مالکی کی اصول فقہ کی بہت اہم کتاب ہے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔

جائے گی اور علماء کا جس پر اجماع ہو وہ حجت ہے

سر کا بال منڈانا مکروہ ہے یا غیر مکروہ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

ولا وجه لكرا هية من كرهه ولا حجة معه من كتاب ولا سنة ولا اجماع. (ايضاً ص ٧٨ ج ٦)

یعنی جس نے سر منڈانے کو مکروہ سمجھا ہے اس کے پاس کتاب وسنت اور اجماع سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کے نزدیک کتاب وسنت کے ساتھ اجماع بھی دلیل شرعی ہے

ایک جگہ فرماتے ہیں:

والاجماع في هذا الباب اقوى من الخبر. (ص ٣٦٨)

کہ اس مسئلہ میں حدیث سے زیادہ قوی اجماع ہے۔

امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یا بیٹھ کر اس بارے میں کلام کرتے ہوئے حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

والدليل علىٰ ان حديث هذا الباب منسوخ بما كان منه في مرضه صلی اللہ علیہ وسلم اجماع العلماء على ان حكم القيام في الصلوة على الايجاب لا على التخيير. (ص ٤٠ جلد ٦)

یعنی اس بات کی دلیل کہ امام کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں مقتدی کو بیٹھ کر پڑھنے کے حکم والی حدیث منسوخ ہے علماء کا اجماع ہے کہ نماز میں کھڑے ہونے کا حکم وجوبی ہے نہ کہ اختیاری۔

اگر اجماع امت دلیل شرعی نہ ہوتا تو امت کے اکابر اجماع سے استدلال نہ کرتے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے المستصفی میں اجماع کے موضوع پر بہت طویل گفتگو

کی ہے اس کی حجیت اور دلیل شرعی ہونے کو عقل ونقل کی روشنی میں ثابت کیا ہے، اور پھر اس کا حکم بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و حكمه وجوب الاتباع و تحريم المخالفة (ص ۱۵۴)
یعنی اجماع کا حکم یہ ہے کہ اس کی اتباع کی جائے گی اور اس کی مخالفت حرام ہوگی۔

ایک جگہ داؤد ظاہری اور ظاہریہ کارد کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

ذهب داؤد و شعبة من اهل الظاهر انه لا حجة في اجماع من بعد الصحابة وهو فاسد لان الادلة على كون الاجماع حجة اعني الكتاب والسنة والعقل لا تفرق بين عصر و عصر. (ص ۱۴۹)
یعنی داؤد ظاہری اور ان کی جماعت ظاہریہ نے یہ کہا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد کے لوگوں کا اجماع دلیل شرعی نہیں ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ ان کی یہ بات فاسد اور غلط ہے، اسلئے کہ جن تین دلیلوں سے یعنی کتاب وسنت اور عقل سے اجماع کا حجت ہونا معلوم ہوا ہے وہ زمانہ اور زمانہ کی تفریق نہیں کرتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ اگر کسی بات پر تابعین اجماع کریں تو وہ تمام امت کا اجماع کہلائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ سبیل المومنین سے برگشتہ قرار پائے گا۔ ان کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو۔ فالتابعون اذا اجمعوا فهو اجماع من جميع الامة ومن خالفهم فهو سالك غير سبيل المومنين.

امام غزالی فرماتے ہیں کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ اجماع حجت ہے اور اجماع

کی پیروی واجب ہے، امام غزالی کی اصل عبارت یہ ہے۔ اجمعت الامة علی وجوب اتباع الاجماع وانه من الحق الذی یجب اتباعه (ص ۱۴۲)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تو اجماع کے سلسلہ میں ایک ایسی بات بھی فرما گئے ہیں کہ نا آشنائے حقائق کے لئے بڑی شاق ہوگی مگر عارفان حقائق اور فقہائے شریعت اس کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

فان وجد فی المسألة اجماعا ترک النظر فی الکتاب فالسنة فانهما یقبلان النسخ والا جماع لا یقبله فالا جماع علی خلاف مافی الکتاب والسنة دلیل قاطع علی النسخ ولا تجتمع الامة علی الخطاء (ص ۳۷۵)

یعنی اگر کسی مسئلہ میں اجماع ثابت ہو تو اب کتاب وسنت میں غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتاب وسنت میں تو نسخ ہوتا رہا ہے جبکہ اجماع ناقابل منسوخ دلیل ہے اس لئے کہ (بظاہر) کتاب وسنت کے خلاف بھی کسی بات پر اجماع ہو رہا ہے تو یہ دلیل ہے کہ کتاب وسنت کا حکم منسوخ ہے اس لئے کہ امت مسلمہ غلط بات پر اکٹھی نہیں ہو سکتی ہے۔

امید کہ ہماری یہ چند سطریں آپ کے لئے باعث اطمینان ہوں گی اور اس مسئلہ میں آپ کا ذہنی خلجان رفع ہو گیا ہوگا۔ اس بارے میں آپ کے کئی خطوط آئے مگر کچھ اپنی مصروفیت اور کچھ کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے دیر ہوتی گئی۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

تقلید کے منکرین تمام امت اسلامیہ کے گمراہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں

مکرمی مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

سلام مسنون، وتحیۃ مبارک

آپ نے اپنی کتابوں اور زمزم کے ذریعہ سلفیت اور مذہب اہلحدیث کے خلاف ایک محاذ کھول دیا ہے اور تقلید کو بڑھاوا دے رہے ہیں، قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یعنی اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔

اس آیت کریمہ کی موجودگی میں کسی امتی کی تقلید ناجائز اور حرام ہے، براہ کرم آپ اپنی محنت دوسرے کاموں میں لگائیں۔

والسلام

زبیر احمد سلفی بستی

زمزم!

جب آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی امتی کی تقلید ناجائز وحرام ہے تو غالباً آپ یہ سوچتے نہیں کہ آپ یہ کہہ کر تمام امت اسلامیہ کو گمراہ قرار دے رہے ہیں، آپ عالم اسلام کی تاریخ پر غور کریں ان مذاہب اربعہ کے مدون ہو جانے کے بعد ساری دنیا کے مسلمان انہیں مذاہب کے پیرو ومتبع اور مقلد تھے اور آج تک چلے آرہے ہیں۔

تمام فقہاء ومحدثین اولیاء اللہ ان چاروں مذاہب میں سے کسی نہ کسی ایک کے متبع

ومقلد رہے ہیں، کیا کسی مسلمان کو جرأت ہے کہ امام مزنی، حافظ ابن رجب، حافظ ابن حجر، حافظ ابن عبدالبر، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، نظام الدین اولیاء اور اس طرح کے سیکڑوں اللہ والوں اور فقہ وحدیث کے ماہروں کو گمراہ کہے۔

اگر کوئی یہ جرأت کرتا ہے تو وہی سب سے بڑا گمراہ ہے، آپ حضرات اپنے سوچنے کا انداز بدلیں، آپ کسی بھی حنفی سے پوچھیں کہ تم امام ابوحنیفہ کے متبع ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے، آپ کسی بھی مالکی سے پوچھیں کہ تم امام مالک کی اتباع کرتے ہو کہ رسول خدا کی، آپ کسی بھی شافعی سے پوچھیں کہ تم امام شافعی کی اتباع کرتے ہو کہ رسول اللہ کی، آپ کسی بھی حنبلی سے پوچھیں کہ تم امام احمد بن حنبل کی اتباع کرتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ کی، ان تمام حنفی مالکی، شافعی حنبلی کا صرف ایک جواب ہو گا کہ ہمارے مقتدی ومتبوع ہمارے رسول ﷺ ہیں۔

آپ اس سے پوچھیں گے کہ پھر تم لوگ ان اماموں کی تقلید کیوں کرتے ہو؟ وہ کہے گا کہ ہم ان کی رہنمائی میں حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، نہ کہ ان کو اصل مقتدیٰ اور متبوع سمجھتے ہیں، جس طرح آج کے دور کے عوام وخواص سلفی اپنے علماء کی رہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کے مدعی ہیں۔

اس لئے تمام مقلدین فی الاصل خدا ورسول ہی کے احکام کی بجا آوری کرتے ہیں، اور اگر کسی بھی مقلد کو دلیل سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اپنے امام کی رہنمائی میں وہ غلط سمت جا رہا ہے تو وہ فوراً اپنا راستہ بدل دے گا اور خدا ورسول کے راستہ کو حاصل کرنے کے لئے وہ کوئی اور ذریعہ ڈھونڈھے گا، مگر چونکہ وہ خود کتاب وسنت کا ماہر نہیں ہوگا اس وجہ سے کسی نہ کسی ماہر شریعت کا ہی دامن پکڑے گا اور اسی کی تقلید کرے گا۔

البتہ کسی بھی مقلد کو یہ جاننے کے لئے اس کی سمت صحیح ہے یا غلط یہ ضروری ہے کہ

وہ اپنے علماء سے ضرور پہلے رجوع کرے، کسی کے بہکاوے میں آ کر خود سے فیصلہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

آپ حضرات جو کتاب وسنت پر عمل کے مدعی ہیں خود ایک مذہب کے مقلد ہیں جس کا نام شوکانیت یا سلفیت ہے، اور اسی راہ سے آپ نے کتاب وسنت پر عمل کا راستہ بزعم خود متعین کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو حدیثیں آپ حضرات کے اس مسلک کے خلاف ہوتی ہیں اس پر آپ کا عمل نہیں ہوتا ہے، اور اس وقت جو آیت کریمہ آپ نے نقل کی ہیں فراموش ہو جاتی ہے۔

دوسروں کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے سے پہلے ذرا آپ حضرات کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لینا چاہئے کہ آپ کی سلفیت کا حدود اربعہ کیا ہے، اور آپ کی غیر مقلدیت پر مقلدیت کی کتنی تہیں جمی ہیں۔

ذرا بتلائیں کہ آپ نے سلام مسنون کے بعد جو تحیۂ مبارکہ لکھا ہے کیا اللہ کے رسول ﷺ اپنے خطوط میں سلام مسنون وتحیۂ مبارکہ لکھا کرتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع صرف رفع یدین اور آمین بالجہر ہی میں ضروری ہے، اور جگہوں پر نہیں۔ والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

تیرا پیام اور ہے میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

حکیم صادق سیالکوٹی

کی کتاب

صلوٰۃ الرسول

کے بارے میں کتاب

ازقلم

رئیس المحققین، فخر المحدثین، مفکر اسلام

مولانا محمد ابوبکر غازیپوری

ناشر

مکتبہ اہل سنۃ والجماعۃ

87۔ جنوبی لاہور روڈ سرگودھا پاکستان فون 048-3881487

حدیث کے بارے میں

غیر مقلدین کا

معیارِ ردّ و قبول

ازقلم

رئیس المحققین، فخر المحدثین، مفکر اسلام

مولانا محمد ابوبکر غازیپوری

ناشر

مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ

87۔جنوبی لاہور روڈ سرگودھا پاکستان فون 048-3881487

غیر مقلّدین کی ڈائری

غیر مقلّدین کے مسلک ومذہب اور اُن کی تاریخ کے موضوع پر ایک نہایت دلچسپ کتاب ایک ایسا آئینہ جس میں غیر مقلّدین کا واقعی چہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

ازقلم

رئیس المحققین، فخر المحدثین، مُفکر اسلام

مولانا محمّد ابُوبکر غازیپوری

ناشر

مکتبۃ اھلِ السنۃ والجماعۃ

87۔ جنوبی لاہور روڈ سرگودھا پاکستان فون 3881487-048

غیر مقلدین

کیلئے

لمحۂ فکریہ

از قلم

رئیس المحققین، فخر المحدثین، مفکر اسلام

مولانا محمد ابوبکر غازیپوری

ناشر

مکتبہ اہل سنۃ والجماعۃ

87۔جنوبی لاہور روڈ سرگودھا پاکستان فون 048-3881487